

# سیارہ ڈائجسٹ

ستمبر ۱۹۶۸

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی

پوائنٹ

WWW.PAKISTANIPOINT.COM

WWW.PAKISTANIPOINT.COM

# فکرِ فردا نہ کروں مجو غمِ دوش ہوں؟

یہ علامہ اقبالؒ کی شہرہ آفاق نظم  
شکوہ کا ایک مصرعہ ہے۔



علامہ مرحوم فکرِ فردا کو بے حد اہمیت دیتے تھے۔!

انھوں نے ۱۹۳۱ء میں اپنے خطبہٴ الہ آباد میں فکرِ فردا کی جو قندیل روشن کی، ۱۶ برس کی قلیل مدت میں آفتابِ عالمِ تاب بن کر افقِ عالم سے ابھری اور پاکستان کو عدم سے وجود میں لائی، جو انشاء اللہ تعالیٰ ابد الابدات تک زندہ و پائندہ رہے گا۔

اسی فکرِ فردا کی صدا سے بازگشت ۱۹۳۲ء میں پھر گونجی، جب علامہ مرحومؒ نے مسلم انشورنس کمپنی کی تشکیل کی، جو گذشتہ ۳۲ برس سے فکرِ فردا کی عملی تعبیر بن کر قومی خدمت میں سرگرم عمل ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گی۔

فکرِ فردا کی بہترین صورت بیمہ زندگی ہے اور بیمہ زندگی کے لئے بہترین ادارہ ہے۔

**مُسْلِم انشورنس کمپنی لمیٹڈ**

بافنے علامہ اقبالؒ

# سپاہ و انجسٹ

رُکنے آگے پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی  
جلد ۱۲ - ستمبر ۱۹۶۸ - شمارہ ۳



## وفات:

مدیر: م. شائع فاطمہ جناح لاہور  
فون: ۴۵۹۴۶ - ۴۱۶۱

فروخت و تقسیم: پیراڈائز بک شال  
م. شائع فاطمہ جناح لاہور  
فون: ۴۵۹۴۶

مستقل خریداری:  
پیراڈائز بک شال ایجنسی  
۳ بوش روڈ کراچی  
فون: ۵۱۳۵۰ - ۵۱۳۵۰

مشرقی پاکستان:  
سپاہ و انجسٹ "۴۴ برقی جیل  
میرٹل ایبیا ڈھاکہ  
فون: ۴۲۰۴۲

مدیر منظم: حامد محمود

مدیر: خورشید عالم

نائب مدیر: سراج نظامی - عنایت اللہ

اداری معاونین: اعظم جاوید - جلال الزور

آرٹسٹ: سلیم اختر

ٹشوئیس: عبدالرشید خاکی - عظمت فاروق - محمد صفد

ناظم اشتہارات: ایم اے پیرزادہ

ناظم طباعت: عثمان غنی

ناظم اشاعت: داؤد احمد

بزنس منیجر: بشیر احمد

سرورق: آفتاب ظفر

## اشتہار

(۱) ۴۴ بوش روڈ کراچی

(۲) م. شائع فاطمہ جناح لاہور

## مخزنہ

## اشتہارات

اشتہاد منظم: چھ سو روپے  
ادھا صفحہ: تین سو پچاس روپے  
چوتھا آئی صفحہ: دو سو روپے  
کم از کم دو دن کے انکلی کام: پچھتر روپے

"سپاہ و انجسٹ" میں چھپنے والے تمام اشتہارات صحافتی اور تجارتی ہونے چاہئیں۔ ان کے متن میں کسی بھی قسم کی تہمت یا براہمنی کی جگہ نہ ہوگی۔ اگر ایسا ہوگا تو اشتہار منسوخ ہوگا اور اس کے لئے کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔





# اس شہر میں

## نظمیت (الفائی)

۱۱۵	عاصی کرنالی	شہید کی ماں
۱۱۷	عمود احمد محمود	"
۱۱۸	سلطان محمود آشفقت	"
۱۱۹	ہوش ترندی	"
۱۲۰	حسن اختر علی	"
۱۲۱	تاب اسلم	"
۱۲۲	رشید الزور	"
۱۲۳	سید اکبر کاظمی	"
۱۲۵	صنوبر مصور	"
۱۲۶	صابر اترسری	"

## خط وصحت

کیا گریٹ نوشی

مضر صحت ہے ؟

عقلمند

## محاذ لاہور

برکلی فرنٹ —

توپخانے کا بے مثال معرکہ

شکار نامہ

شیر ارخان

میر فریح الدین

سیاسیات

آنکھیں دکھا رہے ہیں

مسلمان کو ہنود

سراج نظامی

محاذ و قصور (ریلوے کے کارنامے)

غنائت اللہ

میر اسوہنا شہر قصور

تأثرات

جنگ ستمبر — جرمنی میں

سید و جاہت علی

جنگ ستمبر — کابل میں

رضوانہ حامد

جنگ ستمبر — امریکہ میں

تنویر احمد

۱۶۶







جہاؤ کشمیر ۱۹۴۵ (انعام یافتہ)	دہائی صحت اور
محجہ گرنیٹ ڈو	ذہنی خوش حالی
۱۸۱ ایک کشمیری گوریلا	فرزادہ منیش ۱۹۳
عرب اسرائیل جنگ	معلومات
اسرائیلی جاسوس شام میں	کیلنڈر
عبدالرزاق ۱۹۵	عبدالرحمن عہد ۱۲۹
سابقہ	ایک جہازہ
کائناتی شہاں	کیا جنگ ختم ہو گئی ہے؟
۲۰۱ عمر گلستان	انہر ماویر ۱۲۵
علاقات ادب	نظمیں
موت	شہید کی ماں
چاکر خان بلوچ ۲۱۵	رہیں امر دہری ۱۵۸
آپ بیتی	ماہر القادری ۱۵۹
یقین حکم عمل تیمم	عبد العزیز فطرت رحم ۱۶۰
۲۲۱ ممتاز احمد	پاک فضائیہ کے شاہین
متفرقات	اُسے کوئی نذر وک رسکا
کاروان گزراں ۲۱۹	عنایت اللہ ۱۹۱
تبصرہ	پاک بھارت جنگ
۱۸۹ دشمن پر فتح	عادل، اکھن اور مقل
۱۰۵ صابرہ انجم	بیک جمیلہ منظور ۱۹۶
کتاب خانہ	جہاؤ کشمیر ۱۹۳۸
ماں اور دھرتی ماں	بشیر حسین جعفری ۱۶۷
۲۰۷ ستار طاہر	بش ناسیگر



کپڑے  
دھونے کا  
مقبول ترین

کرپیم کٹ

اونٹ مارکہ 151  
صابن



کرینٹ پاک سوپ اینڈ آئل ملز  
کراچی - چٹاگانگ

یہ متعجب کا مہینہ ہے اس جیسے میں تین سال پہلے پاکستان کے شہیدوں اور غازیوں نے مجاہدہ عزیمت سے ایسے نیشن کا ہمارا حادہ حملہ کیا تھا جو بارہ سو سال سے اپنی لغزت کی آگ میں جل رہا تھا اور یہ دین اسلام کو اپجورٹ بنانے کی کوششیں یہ جو وہ کرتا چلا آیا تھا۔ شکست بھارت ہی کی نہیں ان ایسی قوتوں کی بھی تھی جو اس راون کو اکاٹے اور بھر کاٹے رکھنے میں اپنے ناپاک ارادوں کی تعمیل کی صورت دیکھتی ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۷ء میں پاکستان نے ایک بار پھر اس قرآنی قیلے کی صداقت تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دی کہ حق باطل کے معرکے میں افراد اور اسلحہ کی کمی بیشی کے مقابلے میں وہ جذبہ ایمانی زیادہ فیصلہ کن عنصر ہو جاتا ہے جو انسانوں کے دلوں کی گہرائیوں سے اُبھرنا ہے اور ان میں ایسی بے پناہ قوت پیدا کر دیتا ہے کہ جذبہ ایمان سے عاری قوتیں، مادی ذرائع کی فراوانی کے باوجود میدان کارزار میں قدم جمائے کھڑی نہیں رہ سکتیں۔

پاکستان کے شہیدوں اور غازیوں کی داستان جہاد حیران کن بھی ہے، دلولہ انگیز بھی اور بے پایاں بھی: "سیارہ ڈائجسٹ" پورے تین سال سے یہ کہانی سنانا آیا ہے۔ مجاہدین کے خون پاک کے قطرے، جن میں رسول مقبول کی امت کی آبرو جھلکتی ہے، ہم نے پلکوں سے چنے اور دل کے آئینے میں سہا کر ہر شمارے میں پیش کیے۔ ہم یہ قطرے سمیٹ کر تازہ رنج اور نقد برے کے اس جہان کی وسعت کا جائزہ لیتے ہیں قریب احساس شدت سے ابھرنے لگتا ہے کہ ہم ابھی ساحل پر کھڑے ہیں اور ان نوبتوں تک نہیں پہنچ سکے جو ملی اور انسانی تاریخ کے اس گہرے سمند میں گزرتے پائے جاتے ہیں۔ یہ احساس آگے بڑھنے اور بڑھتے چلے جانے کے لیے تازہ کرنے کا کام کرتا ہے۔ ہم سہا بھر آگے بڑھ کر ان موتیوں کو چمکنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور انشاء اللہ لگے رہیں گے۔ تا آنکہ ہماری داستان جہاد کی پوری کی پوری نہیں کو زیادہ سے زیادہ کڑیاں سامنے آجائیں۔

یوں تو "سیارہ ڈائجسٹ" کا ہر مہینہ متعجب ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے۔ پاکستان جس تاریخی کشمکش سے دوچار ہے اس کے تقاضوں سے عہدہ برآمد ہونے کے بجائے اسے تہری کے مینے میں رہنا ہوگا۔ لیکن تہری رعایت سے اور اپنی روایت کے مطابق اس شمارے میں ہم نے زیادہ سے زیادہ مواد شہیدوں اور غازیوں کے کارناموں سے متعلق پیش کیا ہے۔ داستان جہاد کی ہر کڑیاں پہلی بار سامنے لائی جا رہی ہیں یہ نتیجہ ہے اس جنون کا شعور کا جو "سیارہ ڈائجسٹ" کا سرمایہ حیات ہے اور جو ہمارے جنگی دفاع نگار عنایت اللہ کو پارے کی طرح بے قرار اور جوئے آب کی طرح رواں رکھتا ہے۔ اس غلوص اور کاوش سے، ہواں ہی کا حصہ ہے، وہ لاہور کے دفاع کا ایک اور گوشہ ہے نقاب کر کے آپ کے سامنے لا رہے ہیں۔ جنگ کے اسباب اور کوائف کے بارے میں بھارت نے اپنی مادیت کے مطابق قدم قدم پر چھوٹ بولے ہیں۔ برکی کے متعلق بھی اس نے مزید بھوٹ بولے اور بولتا چلا گیا۔ اس نے بھوٹ کو دھرا دھرا کر دینا کہ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ برکی پر قابض ہوا اور لا۔ اور برکی میں اس کا فوجی مرکز ایک سابق وزیر کی کوٹھی میں تھا۔ قطع نظر اس سے کہ برکی میں کسی وزیر کی کوٹھی کوئی نہیں۔ بھارت اس کا دس میں آیا تو اسے منکنے نہیں دیا گیا اور چند گھنٹوں میں اسے نکال باہر کر دیا گیا۔ اس غادر جنگ کا نقشہ کیا رہا اور بھارت سے ہمارے مجاہدین نے کیا کیا۔ یہ ایمان کے کیفیت اور اعجاز کی رنج پر داستان ہے۔ یہ مگر ہمارے توپ خانے نے لڑا، اور اس انداز سے لڑا کہ بھارت اپنی پسپائی اور تباہی پر آج تک انگشت بدندان ہے،



بھارت تو ایک طرف دنیا کے عسکری ماہرین حیران ہیں کہ مجاہدین پاکستان نے کیا کر دکھایا اور کیسے!

اپریل کے ساناٹے میں جزل سرفراز خان کے حوالے سے عنایت اللہ نے لاہور کے دفاع کا عمومی خاکہ پیش کیا تھا، اور ایک محاذ بین دو گری کی تفصیل پیش کی تھی۔ برکی میں تو چنانے کے کارنامے کو اسی سلسلے کی کڑی سمجھیے۔ انہیں ایک ہمارے دیکھتے تو آپ کے سامنے خامی بھر پور تصویر اُبھر آئے گی۔ اسی تصویر کے بہت سے گوشے ابھی ابھی ہمارے نہیں گئے لیکن انہیں یو تہی نہیں جانے دیا جائے گا۔ بعین پہلوا سی شمارے کے لیے واضح کیجے گئے تھے لیکن خنما مت بڑھا دینے کے باوجود ہم انہیں شریک اشاعت نہیں کر سکے۔ ان میں کھیم کرن کی فتح کا بیان، کھیم کرن کے فاتحین اور مجاہدین بھی کی زبانی، خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اسے انشاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

ہم جنگ ستمبر کا ایک اور محاذ سامنے لا رہے ہیں۔ ہمارے تین معاونین کا بل، جرمنی اور امریکہ میں تھے۔ انہوں نے جنگ قریب سے نہیں دیکھی لیکن وطن سے دور وہ ایک اور محاذ پر مصروف پیکار تھے۔ رضوان حامد، سید وہاب ست علی اور تنویر احمد اپنے اپنے محاذ کا حال بیان کر رہے ہیں۔ یہ اسی جذبہ ایمان و جہاد کی تعبیر ہے جس کا مظاہرہ پاکستانی سرحدوں پر پاکستان کے شہیدوں اور غازیوں نے بھر پور طور پر کیا۔ پاکستانی محاذ جنگ پر ہم تو اور محاذ جنگ سے دور ہوتو، اس میں ایمان اور جہاد کا ایک حیدر لاوا لے گا۔ انظر جاوید صاحب نے ایک اہم حقیقت — کیا جنگ ختم ہوگئی ہے؟ — کو موضوع سوال بنا کر جو جائزہ مرتب کیا ہے وہ آپ کی سنجیدہ توجہ کا مستحق ہے۔ اس سوال کا جواب ہمارے کرم فرماؤں نے اپنی اسواہد کے مطابق اور اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔

سراج نظامی صاحب نے تاجپوٹس پس منظر پیش کر کے بنایا ہے کہ برہمنی ذہنیت کس طرح شروع ہی سے مسلمانوں کے درپے رہی اور انہیں شانے اور اچھوت بنانے کے لیے کیا کیا حربے اور ملوث استعمال کرتی رہی۔ اس ذہنیت کو سمجھنے بغیر یہ سمجھنا مشکل ہے، کہ جنگ ستمبر کیوں ہوئی اور جنگ کیوں جاری ہے!

اس شمارے میں ہم "شہید کی ماں" کے عنوان سے دس منتخب نظمیں شائع کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تین نظمیں ایسی ہیں جو ہمیں انعام کے لیے نہیں بھیجی گئی تھیں! انہیں بھی ہم بڑگان شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان نظموں کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ ہم ان تمام کرم فرماؤں کے مشکور ہیں جنہوں نے ہماری دعوت پر اپنے جذبات کو نظموں کے قالب میں ڈھالا۔ جن کی نظمیں انعام کے لیے منتخب ہوئیں، انہیں ہم بغیر تہریر پیش کرتے ہیں اور ان سے اور دیگر فن کاروں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے فن کو شہیدوں اور غازیوں کے خون کی سرفی سے لالہ رنگ رکھیں گے، اور اس صداقت کو بھی نہیں جھولیں گے کہ — فطرت ہونے لگے ہے غافل نہ چلے رنگ!

ہم نے ایک سچی کجی کہانی کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ اس کے مطابق ہم ایک "نیشیری گوریل" کو ان کی کہانی "مجھے گر نیٹھ دو" پر ایک سو روپیہ انعام پیش کر رہے ہیں۔ مسمن باقاعدہ فوجی نہیں پھر بھی انہوں نے اپنا نام شائع کرانے سے گریز کیا ہے۔ جو کچھ پیش خدمت ہے اس کا آزادانہ حاکم کیجئے اور اپنی بے لاگ راستے پوری بے لکھنی سے لکھیے۔

دور سلیم

# ABC

## اُون کی مانگ یورپ میں



ہاتھ سے بننے کی اُون کے لئے یورپ سے آتے ہوئے برآمدی  
آرڈر نہ صرف ہمارے لئے بلکہ وطن عزیز کے لئے بھی باعث  
فخر ہیں۔ دُنیا کے جملہ ترقی یافتہ صنعتی اداروں کے مقابلہ  
میں اُون کی پاک تانی صنعت کی یہ پہلی کامیابی ایک بار  
پھر ثابت کرتی ہے کہ۔

اے بی سی سے بہتر کوئی اُون نہیں

ثناء اللہ دولن ملز لمیٹڈ۔ ایس۔ آئی۔ ٹی۔ ای۔ کراچی

”ہمارے لیے اب اپنے سیاسی اور فوجی لیڈروں کی یہ رٹ ناقابل فہم ہے کہ وہ لاہور اور سیالکوٹ پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔“

(جنت روزہ ”الکناکس“ بھارت)

نے حملے کی ناکامی کی ایک

**جنرل چوہدری** وجہ بھی پیش کی ہے کہ اس کی فوجوں کے راستے میں بی آر پی نہر لگی تھی۔ اس بھارتی جرنیل کو اس کے اپنے ہی ملک کا واقعہ نگار اور جنگی مبصر نراو چوہدری کلکتہ کے انگریزی جریدے Now میں ان الفاظ میں جواب دیتا ہے :

”جنرل چوہدری کا یہ عذر کہ اس کے حملے کو بی آر پی نے ناکام کیا، ناقابل قبول ہے جنکوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع نہیں کہ حملہ آوروں کے راستے میں قدرتی رکاوٹیں آئی ہوں۔ جنرل چوہدری کو صحیح جواب ام لیک کے بین الاقوامی مشرک یافتہ جنت روزہ جریدے ”ٹائم“ کا واقعہ نگار لوئیس کراؤز ۲۲ ستمبر کی اشاعت میں دے چکا ہے۔ محاذوں کی طویل آنکھوں دچی رپورٹ میں لوئیس کراؤز لکھتا ہے :

”اُس قوم کو کون شکست دے سکتا ہے جو موت کے ساتھ آنکھ غولی کھیلنا جانتی ہو۔ میں نے پاک آرمی کے جوان سے جرنیل تک کو آگ اور موت کے ساتھ یوں کھیلتے دیکھا ہے جیسے گلیوں میں بچے گولیوں سے کھیلا کرتے ہیں۔“

دراصل یہی وہ جرنیل اور جوان تھے جنہوں نے جنرل چوہدری کے حملے کو ناکام بنایا تھا۔ اس میں بی آر پی کا کوئی ”فصلو نہ تھا۔ بی آر پی تو جب زیر بحث آتی جب جنرل چوہدری کے لشکر کو اس نہر کے کنارے کسی نے سپنجے دیا ہوتا۔ میں ”سیارہ ڈائجسٹ“ کے سالنامہ (اپریل ۱۹۷۸ء) میں

جنرل سرفراز خان کے اُبڑ ولہ میں اور جہاد نبر (ستمبر ۱۹۷۷ء) میں ”لاہور کی دہلیز پر“ کے عنوان کے تحت مکمل وضاحت کر چکا ہوں کہ جنرل چوہدری کے لشکر کو واپس اٹاری سیکٹر میں کس نے اور کس طرح روکا تھا۔ اب میں پاک فوج کے اُن افسروں اور جوانوں کا تفصیلی تذکرہ پیش کر رہا ہوں جنہوں نے لاہور کے بری والے دروازے کو دشمن کی لاشوں سے بند کر دیا تھا۔ میں شجاعت کی اس رویتا دیں تو سچانے کا زیادہ ذکر کر رہا ہوں۔ یوں تو ڈیڑھ ہزار میل لمبے محاذ پر پاکستانی تو سچانے نے دشمن کا ہوجھڑ کیا ہے اس کا اعتراف دشمن نے بھی کیا ہے لیکن بری کے محاذ پر اپنے تو سچانے کے کارنامے خصوصی تذکرے کے قابل ہیں۔

برکی کے تو سچانے کے خصوصی تذکرے سے میرا مقصد یہ بھی ہے کہ بھارت کے حملہ آور ڈویژن (ہز مات الفطرمی) کے میجر جنرل پیل اور اس کے ہراول کے برکیڈ کے برگینڈیر پیلا سنگھ کی اس فوش تھی اور پاکستانی عوام کی اس غلط فہمی کو رفع کیا جائے کہ حملے کے وقت لاہور ڈویژن دشمنی پوزیشنوں میں موجود نہیں تھا اور یہ بھی کہ اپنے ڈویژن کے بیشتر دستے اس وقت بارکول میں تھے۔

چند دن ہوتے ایک پاکستانی بھائی نے مجھے کہا۔ ”میں نے پچھتہ دن کے گیارہ بجے یعنی حملے سے آٹھ گھنٹے بعد ایک بتالین کو باٹاپور کی طرف جاتے دیکھا تھا۔“ یہ بھائی مجھ سے ریشم کرانا چاہتا تھا کہ اپنی فوج بارکول میں تھی۔ میں نے اسے کہا کہ میں نے فائر بندی سے ایک روز

پہلے ایک تو پخانہ رحمت کو مال روڈ پر باٹاپور یا شاید برکی کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اس رحمت کو جنگ کے آخری روز پتہ چلا تھا کہ بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ تو فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی ہے جو میدان جنگ کی ضروریات کے مطابق کی جاتی ہے۔



کرچکا ہوں۔ برکی محاذ کے متعلق میں نے گزشتہ تین برسوں میں سینکڑوں جوائنوں، عہدیداروں اور افسروں سے ملاقاتیں کر کے بہت سی معلومات فراہم کر لی تھیں۔ اب ان کی تصدیق کا مرحلہ باقی تھا۔ اس مقصد کے لیے مجھے کرنل عمر نواز سیال سے ملنا تھا، کیونکہ برکی محاذ کے توپخانے کے وہی کمانڈر تھے۔ میں نے کرنل سیال کو ڈھونڈ لگا لایا لیکن اتنا لمبا ٹرنگا، موٹا تازہ گھٹے ہوئے جسم کا خوش باش انسان مجھے نظر آکر بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر کچھ روز میری اور کرنل سیال کی آنکھ جھلی ہوئی رہی۔ وہ نظر آتے اور اوجھل ہو گئے، ہاتھ آتے اور ہاتھ سے لٹک گئے۔ کرنل سیال جیسے بڑے تاریکیٹ پر میرا نشانہ ہر بار خطا گیا۔

تب میں نے سوچا کہ اگر پاکستانی توپخانے کے کرنل کو اتنی جلدی تلاش کر کے پکڑ لینا آسان ہوتا تو بھارتی ہوا باز اس کے توپخانے کو پہلے روز ہی تباہ کر جاتے؟

بھارتی توپخانے کے فنانائی اپنی، AIR OF

اور انڈین ایر فورس کے لڑاکا بمباری سے سترہ روز کرنل سیال اور اس کی توپوں کو ٹھونڈتے رہے لیکن کسی ایک ٹوپ کو بھی ہٹ نہیں کر سکے تھے۔ اور یہی تو ہیں جو بھارتیوں کو نظر نہیں آتی تھیں ان کے بریگیڈوں کا ستیاناس کرتی رہی تھیں۔

مجھے بھی کرنل سیال نے اتنے ہی پکڑ دیتے جتنے وہ انڈین ایر فورس اور انڈین آرٹلری کو دے چکے تھے۔ وہ مجھے سترہ دن پکڑ دیتے رہے اور ایک روز ہنستے مسکراتے میرے دفتر میں آگئے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ فائر بندی کے روز اس طرح ہنستے مسکراتے ہی آرہے کے پار والے کنارے اس دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوتے ہوں گے جس کی آدھی نظری کو انہوں نے اپنے توپخانے سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

ہتراجی کچھ ایسے ہی تھا۔ فائر بندی کے بعد برکی محاذ کے دونوں طرف کے افسروں کی کانفرنس ہوئی تھی جس میں دونوں

اسے شہری ذرا کم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پاکستانی عوام کے لیے جنگ بالکل نئی چیز تھی۔ وہ فوجوں کی تیاری کا مطلب یہ سمجھتے رہے کہ تمام کی تمام فوج رائفلس اور شین گین تانے ہوئے بھارت کی طرف منڈکیے ہوئے کھڑی ہوتی، اور جو ہی حملہ ہوتا، دشمن کو سرحد پر روک لیتی۔ آج کے دور کی جنگ میں یوں نہیں ہوتا۔ اس دور کا کوئی بھی جرنیل اپنی ساری فوج کو سرحد پر نہیں رکھتا۔ مقوڑا اس حصہ سرحد کے ساتھ ساتھ، کچھ حصہ خاصا پیچھے اور بہت سا حصہ ریزرو میں رکھا جاتا ہے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ریزرو فوج کو فوراً جنگ میں جھونک دیا جائے۔

میں اس موضوع کی گہرائیوں اور تفصیلات میں مصلحت نہیں جانا چاہتا۔ میں صرف برکی کے محاذ پر اپنے توپخانے کے سترہ روزہ معرکوں کی روشنی میں واضح کروں گا کہ دشمن کو وقت پر دوپہنے کے لیے کیا اہتمام کیا گیا تھا۔ برکی کے متعلق تمام تر تفصیلات کو سامنے لانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بھارت آل انڈیا ریڈیو سے جنگ کے آخر تک ڈھنڈورہ پٹیتا رہا ہے کہ اس کی فوج نے برکی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اپنے فریب خوردہ عوام کو مزید فریب دینے کے لیے بھارتی حکمران برکی کو ان کے سامنے پاکستان کے ایک بڑے شہر کی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو نے یہ دلچسپ اختراع بھی کی — "برکی میں ہمارا فوجی مہیڈ کوآرٹر پاکستان کے ایک جرنیل اور سابق وزیر جنرل برکی کے جنگل میں ہے۔" یعنی ان کے کہنے کے مطابق یہ "شہر" جنرل برکی کے نام سے برکی کہلاتا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو سے "برکی کی فتح" کے نام سے ایک پیچر بھی نشر ہوتا رہا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ پاکستانی عوام پر بھی اس پروپیگنڈے کا اثر کسی حد تک ہو گیا۔ اس سے دشمن کے اس پروپیگنڈے کو بھی تقویت ملی کہ حملے کے وقت اپنی فوجیں سرحد پر موجود نہیں تھیں، درنہ برکی ہاتھ سے نہ جاتا۔ میں دوا کہ انٹاری سیکیٹر کے متعلق تو پہلے مضامین میں وضاحت

# مست سابلہ!



مقابلے میں میدان اُسی کا ہے جو انفرادی خوبیوں میں  
سبقیت سے جاتے۔ آپ خود ہی کوہِ نوہِ نغمہ، لاجواب بنا سہتی  
کا مقابلہ دوسروں سے کر دیکھتے۔ اس کا ٹونہ صحت و تہہ سہتری  
رنگت پاکیزگی اور روانہ وارساخت ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں لاندہ ترین  
کھانے تیار کیجئے۔ اس کی وٹامن اے و ڈی سے بھر پور غذائیت آدائیے  
یقیناً آپ کوہِ نغمہ بنا سہتی کوہِ مقابلے میں لاجواب ہی پائیں گی۔

## کوہِ نوہِ نغمہ

لاجواب بنا سہتی

غذائیت  
لذت  
نفاست

سب میں لاجواب

سارہ ڈاکیمنٹ  
ایک مضمون، مستقل اہمیت کا حامل، مختصر مگر جامع

# کی دکان



عنایت اللہ

نور محمد نواز سیال



کی پوزیشنوں کا تعین کرنا تھا۔ اوجھڑے بریگیڈ تیرہ اصفہر، کرنل سیال اور کیپٹن وفار گئے تھے۔ اوجھڑے بریگیڈ تیرہ پیارا سنگھ کرنل جنتاب سنگھ لائل پور کا رہنے والا ہندو۔ میجر شمشیر سنگھ (ماڈل ٹاؤن لاہور کا رہنے والا سکھ) اور ایک گورکھا لیپن آیا تھا۔ ہمارے افسروں نے اپنے کندھوں سے عہدوں کے سوا باقی نشان انداز رکھے تھے تاکہ دشمن کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ افسر پاک فوج کے کون کون سے شعبے کے ہیں۔

گورکھے (نیپالی) کیپٹن نے کرنل سیال کو دیکھتے ہی پوچھا۔ ”کیا آپ گنر (توپچی) ہیں؟“ کرنل سیال نے چھپانے کی کوشش نہ کی اور صاف بتا دیا کہ میں گنر ہوں اور برکی حماد پر میرا تو بچنا نہ تھا۔ گورکھے کیپٹن نے بلا جھجکا کہا۔ ”میں نے جرمن اور امریکن تو سپہ سالاروں کی فائرنگ دیکھی ہے اور اب راجستھان سیکٹر میں پاکستانی تو بچانے کی کوکر باری دیکھ کر کہہ رہا ہوں کہ پاکستان آرٹلری کا جواب نہیں۔“ یہ گورکھا کیپٹن راجستھان سیکٹر سے آیا تھا۔

میجر شمشیر سنگھ بے ساختہ بول پڑا۔ گورکھے سے کہنے لگا۔ ”آپ نے برکی فرنٹ پر ان کی فائرنگ نہیں دیکھی۔“ پاکستان آرٹلری نے یہاں بھی بہت تباہی مچائی ہے۔“ یہ باتیں انگریزی میں ہو رہی تھیں۔ میجر شمشیر سنگھ نے پاکستانی تو بچانے کی تعریف میں کہا تھا

It is marvellous

بریگیڈ تیرہ پیارا سنگھ نے اپنے افسروں کی باتیں سن کر منہ پھیر لیا تھا۔ اس کی شکل بجا تھی۔ برکی کے رستے لاہور پر حملہ کرنے والے ساتویں انڈین انفنٹری ڈویژن کے ہرا دل میں اسی بریگیڈ تیرہ کا بریگیڈ تھا۔ کرنل سیال کے ”اوپر“ افسروں اور توپچیوں نے پہلے ہی روز بدیادہ کے گرد و نواح میں اس بریگیڈ کو لایا اٹھنے کا ہنٹوں لیا تھا کہ بریگیڈ تیرہ پیارا سنگھ تو بچ گیا لیکن اس کا بریگیڈ جھکوان کو پیارا ہو گیا تھا۔

جنگ کے تین سال بعد جب کرنل سیال مجھے پکڑ دے کر میرے دفتر میں آئے تو مجھے بھی غصہ آ گیا تھا لیکن میں بھی بریگیڈ تیرہ پیارا سنگھ کی طرح ان کا کچھ نہ لگاڑ سکا، سوائے اس کے کہ ان سے ملاقات کا وقت لے لیا اور اس کے بعد ہم ہر روز باقاعدگی سے لمبی لمبی ملاقاتیں کرتے رہے۔ سترہ دنوں کی کہانی سننے اور سنانے کے لیے سترہ دن بھی کم نظر آتے ہیں۔ فنی مہارت اور شجاعت کی اس روینڈ کو ایک مضمون میں سمیٹنا کسی سپہ سوار ممکن نہیں۔ میں برکی کے تو بچانے کو عمومی طور پر پیش کروں گا اور انفرادی شجاعت کی چند ایک باتیں سناؤں گا۔ اس سے یہ تاثر بالکل نہ لیا جائے کہ جن کے نام نہیں آتے وہ دوسروں سے کم بہادر تھے۔ کرنل سیال کے کہنے کے مطابق۔ ”برکی اور سارے پاکستان کا کامیاب دفاع ہر ایک افسر اور ہر ایک جوان کی انفرادی شجاعت اور فرض کی لگن کا کاثر ہے۔“

## ہم تیار تھے

میں نے کرنل صاحب سے لاہور کے دفاع کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ دفاعی تیاریوں کا مطلب یہ نہیں کہ سارے ڈویژن کو سرحد پر مورچوں میں بٹھا دیا جاتا۔ تیاری یہ تھی کہ تو بچانے کے لیے تارگٹ متعین کر لیے گئے تھے۔ گنوں کی پوزیشنیں تیار تھیں۔ فائر پلان مکمل تھا۔ تو بچانے کی سر لیونٹ، ہر ایک توپچی اور سڑاچی کو ”معلوم تھا کہ حملے کے وقت اسے کہاں ہونا ہے اور کیا کرنا ہے۔ اسی طرح انفنٹری اور کٹر بند یونٹوں کے افسروں اور سپاہیوں کو بھی ذہن نشین کر دیا گیا تھا کہ حملے کے وقت وہ کس کس پوزیشن میں ہوں گے۔ انفنٹری یونٹوں کو نہ صرف اپنی پوزیشنوں کا علم تھا بلکہ انہوں نے مائن فیلڈ (بارودی سرنگوں کے علاقے) کا بھی تعین کر لیا تھا۔ یہ سارا پلان تحریری صورت میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور

# اے آزادی کے عُافظو! ہم تمہیں سلام کہتے ہیں

آج ہم خدائے عزوجل کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ ادا کرتے ہیں کہ اُس  
نے کڑے امتحان کے وقت اس قوم کی مدد فرمائی اور اسے شہرِ ودی سے نجات دلا  
اے وطن کے شہیدو!

دس کروڑ پاکستانیوں کی دل تہاری یاد سے آباد ہیں۔ خدائیں فرودیں برس میں اپنی بہترین  
نعمتوں سے لانا مال کرے اور تمہارے صابر اور بہادر نو آئین کو اُن کی قربانی کا صلہ  
دلوں جہاں میں ادا کرے۔ آمین

اے قوم کے غازیو!  
تمہنے اپنے بہادرانہ اور ایساں افروز کارناموں سے قوم کی تاریخ کا ہماری باب  
تحریر کیا ہے۔ یہیں تم پر فخر ہے۔

اے آزادی کے عُافظو! ہم تمہیں سلام کہتے ہیں



یہ پیغام عقیدت ہم بعد اترام اپنی شیر دل بڑی، بھری اور فضائی افواج کی خدمت میں پیش کرتے ہیں  
پاکستان سائیکل انڈسٹریل کورپوریشن سوسائٹی لمیٹڈ

نیشنل ہاؤس ہم شاہراہ قفہ عظم  
رستم، سہراب اور گلگ سائیکلین، پٹر زہ جات، شراباں  
اور اپاہجوں کے لیے پیسہ دار گرسیاں بنانے والے

ستمبر

بی آربی کے تمام ایسے انہریہی مغفول کر لیے گئے تھے۔  
جنہیں دشمن فوجیں گزرا نے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ ہر  
پل کے آگے یا پیچھے ایک ایک کمپنی کو پوزیشن میں بٹھا دیا گیا تھا۔  
۴، ۵ ستمبر کی درمیانی شب ان دستوں کو پوزیشن میں  
بھیج دیا گیا تھا جنہیں نہر سے آگے مورچہ بند ہونا تھا۔ ان پیادہ  
دستوں کے ساتھ تو پھانے کے "اوپل" بھی آگے چلے گئے اور  
ان کی مدد کے لیے توپوں کی جوازہ تعداد بھی پوزیشنوں میں  
چلی گئی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ تو ڈوٹوں سے کہا جا سکتا تھا کہ  
بھارتی حملہ کرے گا لیکن یہ قطعاً علم نہیں تھا کہ حملہ کب ہوگا۔  
ڈویژن کی انٹیلی جنس یہاں تک کام کر رہی تھی کہ سرحد سے  
دور پر سے دشمن کی فوج کی نقل و حرکت کا بھی پتہ چل رہا تھا۔  
۵ ستمبر کی صبح کمانڈروں نے پوزیشنوں کا معائنہ کیا۔  
۶، ۷ ستمبر کی درمیانی رات اگلی پوزیشنوں کے تمام ٹروپس  
اپنی اپنی جگہ چلے گئے تھے۔

## دشمن آگیا

میرے پیش نظر برکی کا تو سچا نہ ہے اس لیے میں اب  
صرف برکی سیکٹر کا تفصیلی ذکر کروں گا۔ بڑا رے کے قریب الفتری  
کی ایک کمپنی تھی اور اس علاقے میں کرنل سیال کی کچھ توپیں بھی  
تھیں۔ رات ایک اور دو بجے کے درمیان ہر آدمی اپنی  
پوزیشن میں تیار تھا۔ بڑا رے کے ایک مکان پر میجر چوہدری  
عبدالقادیر "اوپل" تھے جو سرحد سے پرے دشمن کے علاقے کو  
دور دور تک دیکھ سکتے تھے۔ کرنل سیال مطمئن ہو کر اپنے میڈیکل وارڈ  
(بی آربی کے کنارے) آگئے۔ سحر کے ساڑھے تین بجے انہیں  
ان کے سیکرٹری کمان میجر (اب کرنل) عبدالرحمن نے اطلاع  
دی کہ دشمن نے ریجنرڈ کی چوکیوں پر حملہ کر دیا ہے۔

اس کے مطابق رہبر سہیل بھی کرا دیا گیا تھا۔ دشمن کے حملے اور  
پیش قدمی کے جتنے ممکن راستے تھے انہیں گولہ باری سے بند  
کر کے لیے توپوں کی پوزیشنوں اور تارگیٹ کے نمبروں کا  
تعیین کر دیا گیا تھا۔ توپچوں کو رہبر سہیل کے ذہن نشین کر  
دیا گیا تھا کہ صرف اتنا حکم ملے گا۔ "فائر"۔ اس حکم پر  
نہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کہاں فائر کریں گے اور ہر ایک  
نہی ہلاک نہیں کئے گئے فائر کرے گی۔

سرحد پر دو تین بجوں پر پاک فوج کے دائرہ لیس اور  
شاہدانی دستے متعین کر دیئے گئے تھے گویا ڈویژن کی انٹیلی  
زرکان سرحد پر تھے۔ یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کو روز جہل سرخز خان  
نے اپنے ڈویژن ہیڈ کوارٹر میں ڈویژن کے تمام یونٹ  
انڈروں کی کانفرنس بلائی تھی جس میں انہوں نے سب کو خبردار  
دیا تھا کہ چھب سے پسپائی کے بعد بھارت لاہور پر حملہ کرے  
تمام یونٹ کمانڈروں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ پلان  
مطابق ان کی یونٹیں فوراً پوزیشن میں پہنچنے کے لیے تیار  
ہیں۔ ڈویژن ہیڈ کوارٹر نے پوری طرح تسلی کر لی کہ یونٹیں  
فی تیار ہیں۔

تیاری کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا جسے عام شہری نہیں  
سمجھ سکتا نہ جان سکتا ہے۔ وہ یہ کہ تمام ڈویژن کو بارکوں  
نکال کر کھیر دیا گیا تھا۔ ہر ایک یونٹ اس راستے کے  
بب خیمہ زن ہو گئی جو اس کی دفاعی پوزیشن کو مانتا تھا۔ آج  
دوڑ میں ضروری نہیں کہ جنگ سرحد سے شروع ہو دشمن  
نی حملے کی صورت میں حملے کو ملک کے اندر سے شروع  
مکنا ہے۔ ڈویژن کو اچانک ہوائی حملے سے بچانے کے  
بھی یونٹوں کو کھیر دینا ضروری تھا۔ یہ تمام یونٹیں ہر  
اسے میدان جنگ میں فوراً پہنچنے کے لیے کیل کانٹے سے  
تھیں۔ ڈویژن کے کسی فرد کو، حدیرہ کو بریگیڈ کمانڈروں  
مکانوں میں رہنے کی اجازت نہیں تھی۔



سے نکال کر کھلے میدان میں آگے بھیجنا ایسی جنگی حماقت تھی جس سے فوج کا ہر افسر گریز کرتا ہے۔ یہ علامہ میجر شفقت بلوچ کا تھا۔ کرنل سیال نے انہیں کہا کہ آگے جا کر دشمن کی قوت اور ترتیب کو دیکھنے کی کوشش کریں۔ میجر شفقت بلوچ نے کرنل سیال کو اور فوڈا بعد پر بگڈ ہیڈ کو اسٹریٹ پر ڈیڑھ دی کہ مرکز پر ٹینک ہی ٹینک نظر آ رہے ہیں اور دشمن ابھی چھوٹے ہتھیاروں سے رنجڑوں سے لڑ رہا ہے۔

بڑیا رے کے تو بچپوں نے توپوں میں گولے لوڈ کر لیے۔ اب ان کے ہاتھ دسیوں پراور کان اس تاریخی آواز کے منتظر تھے جسے مسلمانوں کی تاریخ حریت کے ایک اور درخشاں باب کا آغاز کرتا تھا۔ تو بچپوں کے دل دھڑک رہے تھے، ان پر مرکز سے پہلے کی ہیمائی کیفیت طاری تھی، سینے میں نعرہ جیدری گر جہ کو ترنمپ رہا تھا جو دشمن انہیں اعشارہ برس دھمکیاں دیتا رہا تھا، آج پہلی بار کھلی جنگ کے لیے میدان میں آیا تھا۔

یہ ذہن میں رکھیے کہ گھونڈی مرکز پر ہے اور بڑیا رے مرکز سے دو میل دور ہے۔

کرنل سیال جیپ میں انتہائی رفتار پر بڑیا رے کی طرف جاگ اٹھے۔ راستے میں انہیں رنجڑ کی ایک جیپ ملی۔ ڈراپور نے رک کر کرنل سیال کی جیپ روک لی۔ اور انہیں بتایا کہ دشمن نے نہایت خاموشی سے گھونڈی پوسٹ کو گھیرے میں لے لیا ہے اور مرکز کے اندر آ گیا ہے۔ اس وقت تک دشمن کا تو پچاند خاموش تھا۔ رنجڑ کے ڈراپور نے بتایا کہ رنجڑ کے ڈی ایس پی جوہری محمد شفیق جہ کو مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس ڈراپور کو جوہری محمد شفیق نے ہی یہ پیغام دے کر پیچھے بھیجا تھا کہ راستے میں اپنی فوجوں کو بتاتا جائے کہ حملہ شروع ہو گیا ہے۔

اندھیرے کی وجہ سے کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ دشمن کی نفی اور ترتیب کیا ہے۔ اس لیے فوج کو کھڑی ہوتی پوزیشنوں



ستمبر

سنائی دی۔ کچھ ٹینک نظر بھی آئے لیکن ٹینکوں پر گولہ باری کرنے کی بجائے ہمارے آرٹلری کمانڈرنے دشمن کے علاقے میں گولہ باری سے راستے بند کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ دشمن کے اگلے اور پچھلے دستوں کا ملاپ توڑ دیا جائے۔ یہ ایک نہایت خوبصورت اور کارگر فیصلہ تھا۔

توپچیوں کو جس آواز کا انتظار تھا وہ بڑبارہ کی فضا میں گر جی۔ فائر۔ انہیں کوئی لمبا چوڑا فائر اور راور ریفرینس نہ دیا گیا۔ صرف تارگیٹ منبر بتایا گیا۔ توپچیوں کو خوب معلوم تھا کہ ان کے گولے کہاں جا رہے گے۔ ایک ثانیہ میں توپوں کی نالیاں اٹھیں اور توپچیوں نے نعرہ حیدری لگا کر رسیاں کھینچ دیں اور پاکستانی توپوں کی پہلی بار سرحد پار کر کے دشمن کے علاقے میں اڑھائی تین میل تک گئی اور اس کے قیامت خیز دھماکے سے جیسے آواز اٹھی ہو۔ ”مہاشوا آہواز۔“ مسلمان ایک اور جلیبی جنگ کے لیے تیار ہے۔

کرنل سیال کہتے ہیں کہ میں نے فائر بلاں سے زیادہ فائر کیا تاکہ دشمن کو یہ بتا سکوں کہ وہ اتنی آسانی سے ہزیمت نہیں سہج سکتے گا۔

بڑبارہ سے کا ”اوپنی“ گولہ باری کے نتائج دور میں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ دشمن کے علاقے میں کئی گاڑیاں جل رہی ہیں۔ دوڑاکا ابر باری دو آب کے پل پر جل رہے تھے جو شام تک جلتے رہے اور پل بند رہا۔ ان دونوں میں یونینش تھا۔ گولہ باری کا مقصد پالیا گیا۔ دشمن غناط ہو گیا اور حملہ رککنے کی حد تک سسٹ ہو گیا۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ گھونڈی کے بہت سے دوپائی گاؤں سے نکل آئے۔

دشمن کے بہت سے ٹینک اور انفرنٹری کی پلٹیں گولہ باری سے پہلے، اندھیرے میں سرحد پار کر آئی تھیں۔ یہ نہر سبست انڈین انفرنٹری ڈویژن تھا۔ واہگہ اٹاری سبکدھر میں نمبر بندہ انفرنٹری ڈویژن حملہ آور ہوا تھا۔ ان دونوں ڈویژنوں کو

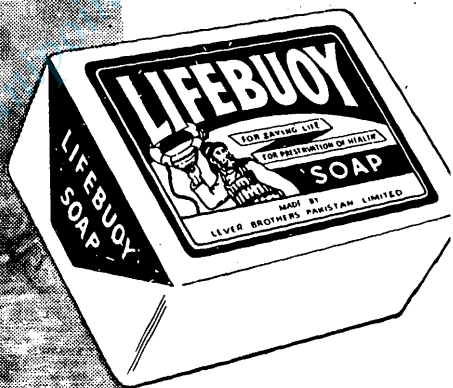
پاکستان ہونے کے سببوں میں ۱۹۴۷ء کے جو چھانے تھے وہ آج پک کر چھٹنے والے تھے۔ ان توپچیوں میں بہت سے ایسے تھے جو اس وقت آٹھ نو برس کی عمر کے بچے تھے جب ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں اور سکھوں نے ان کی نظروں کے سامنے ان کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ یہ بچے پاپا بڑا، ڈرے سبھے ہوئے، کوسوں کی مسافت و مسافت زدگی میں ملے کر کے اسی سرحد پر پہنچے تھے جہاں آج دشمن کے ٹینک بڑے آ رہے تھے۔ ان بچوں کے سینوں میں وہ زخم تازہ تھے۔ ۹ ستمبر ۱۹۶۵ء کی سحر کی تاریکی میں یہ زخم پھر کھل گئے۔ وہ بچے نہیں، گھٹے ہوئے گھبر و جان تھے، ان کے لرزتے، تھ توپوں پر سستے اور توپوں میں گولے لوڑتے تھے۔ یہ جوان بچے تھے، بے قرار تھے اور بڑبارہ کے اس مکان کی چھت کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں کرنل سیال اور ان کا ”اوپنی“ میجر عبدالغفار عرصہ دھندلے میں دشمن کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کرنل سیال نے بریگیڈ اور ڈویژن میڈیکل وارنٹر کو رپورٹ کی کہ میں جب بھی مزدورت سمجھوں گا تو سچانے کا فائر کھول دوں، اجازت کا انتظار نہیں کروں گا۔ کرنل سیال کو اجازت سے دی گئی۔

کرنل سیال کا ایک تارگیٹ گھونڈی بھی تھا لیکن یہ سننے ہوئے کہ دشمن وہاں موجود ہے انہوں نے وہاں فائر کر لیا کیونکہ خدشہ تھا کہ وہاں ریجز اور اپنے دیہاتی بھی دل گئے۔ اپنے تو سچانے نے ایسی جگہ پوزیشنیں لے لی تھیں جہاں سے توپیں دشمن کے علاقے میں چار میل تک رسکتی تھیں۔ کرنل سیال نے صرف اپنے علاقے میں ہی دشمن کے علاقے میں بھی تارگیٹ مشقین کر رکھے تھے، ان میں ایک تارگیٹ ابر باری دو آب نہر کا پل بھی تھا، جو حد سے اڑھائی میل کے لگ بھگ پر ہے۔

پانچ بج کر بیس منٹ پر دشمن کے ٹینکوں کی لگاؤ ٹھٹ



لائیو بوائے سے نہایت  
تندرست رہیے!



تندرستی اور تازگی کیلئے لائیو بوائے صابن

یورپ وارڈز کا منایا ہوا

بڑھ سکتا تھا۔

صبح کا اٹھانا کھرا تو دشمن کے ٹینک صاف نظر آنے لگے جو اندھیرے میں سرحد کے اندر آگئے تھے۔ ہڈیا رے کے ”اوپنی“ میجر عبدالقادر نے توپوں کا رخ ٹینکوں کی طرف پھیر دیا۔ ٹینک جوابی گولہ باری کر رہے تھے لیکن پاکستانی توپچیوں کا اٹھا ہوا برسوں کا کار کا ہوا اعتبار ٹینکوں کو ٹکٹے نہیں دے رہا تھا۔ میجر قادر وائرس پر ہیچ ہیچ کر توپچیوں کو تباہ رہا تھا۔

”ایک ٹینک ہٹ ہو گیا..... دو..... تین..... چار..... ایک اور ڈک گیا۔“ اور توپچی توپوں کی گرج سے زیادہ بلند نعرے لگا رہے تھے۔ دشمن کے ٹینک بے ٹھکانہ سی گولہ باری کر رہے تھے۔ چار ٹینک تو جلنے ہوئے دیکھے گئے اور ہینڈ ایک بیکار ہو گئے۔

دشمن کی ایک انفنٹری کمپنی کو ہڈیا رے کے شمال میں آگے بڑھتے دیکھا گیا۔ ایک کمپنی ہڈیا رے کے جنوب کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی اور کچھ انفنٹری سڑک پر آ رہی تھی شمال والی کمپنی پر گولے برساتے گئے تو ”اوپنی“ نے بتایا کہ اس کمپنی کا کوئی ایک سپاہی بھی نظر نہیں آیا۔ ایک نئی باز کام کر گئی جنوب کی طرف سے بڑھتے دشمن کو روکنے کے لیے توپچانے کے نائب صوبیدار ربانی نور پور میں ”اوپنی“ تھے۔ انہوں نے اپنی بیڑی کی توپوں کو فائر آرڈر دیا اور دشمن کی کمپنی کو ختم کر دیا۔ اسی طرح سڑک پر آنے والی انفنٹری کو بھی ہضم کر دیا گیا۔

میجر شفیقت بلوچ کی کمپنی ہڈیا رے ڈرین پر تھی جہاں سے دشمن اس کے ہتھیاروں کی زور سے دھڑکتا تھا۔ تحجب نہ دشمن کو قریب آنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ اب دشمن محض بوکھلایا ہوا ہڈیا رے کے داییں بائیں سے آگے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آگے ہڈیا رے ڈرین (نادر) تھا جس کے پہل پر میجر شفیقت بلوچ کا خوفناک پہرہ تھا۔ دشمن نور پور کی طرف سے ٹینک لانے لگا۔

مدد اور کمک دینے کے لیے فہر نہیں (۲۳) مونٹین ڈویژن پچھل لائن میں تھا۔ نمبر پچاس چھاتہ بردار بریگیڈ بھی لاہور سیلٹر میں آنے کو تیار تھا اور ایک ڈویژن امرتسر کے گرد و نواح میں پارک تھا۔ اس طرح صورت حال یہ تھی کہ ادھر چار جرنیل یعنی چار دماغ کام کر رہے تھے اور ان کے مقابلے میں ادھر صرف ایک جرنیل یعنی ایک دماغ تھا۔ جرنل سرفراز خاں کے پاس یعنی ملٹنڈی خٹیں اس سے کہیں زیادہ ادھر بریگیڈ تھیں یعنی سات ساڑھے سات سو جرنیلوں کی ایک ایک پلٹن کو ایک ایک ہزار (بلکہ گیارہ گیارہ سو) کی نفری کی تین تین پلٹنوں سے سامنا تھا۔

برکی پر ساتویں انڈین انفنٹری کا جو بریگیڈ ہراول میں تھا اس کا کمانڈر بریگیڈیئر بیاراسنگ تھا اور جو ٹینک جنٹ آگے آئی تھی اس کا کمانڈر کرنل جوشی تھا جسے معلوم نہ تھا کہ اس کی ٹر صرف چار روزہ گئی ہے۔

یہ بریگیڈ آگے نکل آیا لیکن جنگ ستمبر کی تاریخ کی پہلی گولہ باری سے اس کے عقب میں تمام راستے بند کر دیے گئے۔ اب اسے پیچھے سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔

یہاں میں ایک اور غلط فہمی رخنہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ بات غلط ہے کہ دشمن نے بانا پور اور جیمینی کے دروازے بند کر دیے کہ دو تین روز بعد برکی کے راستے لاہور میں داخل ہونے کے لیے حملہ کیا حقیقت یہ ہے کہ داہگہ اور ہڈیا رے پر دشمن نے سبک وقت حملہ کیا تھا لیکن اپنی دفاعی تیاریوں کی وجہ سے دونوں طرف حملہ روک لیا گیا۔ فرق یہ تھا کہ داہگہ کے میدان کی کیفیت ایسی تھی کہ حملہ زکتے زرا دیر لگی لیکن برکی سیکٹر میں ابر باری و آب کا پل گولہ باری سے بند کر دینے سے حملہ فورا روک لیا گیا اور دشمن

Bottle Neck

میں پھنس کر رہ گیا۔ داہگہ سیکٹر کھلا میدان تھا جہاں دشمن اپنی مرضی کے مطابق محاذ کو پھیلانے کی رستوں سے آگے

برکی فرنٹ۔ تو بچانے کا بے مثال معرکہ

۶۷

ایمرٹس کے جو انبار جمع کر سکے تھے انہیں وہ بے دردی سے بھونک رہا تھا اور اس کی پلٹوں کی نفی ہماری پلٹوں کے مقابلے میں ڈیڑھ گنا زیادہ تھی۔ ٹینکوں کی تعداد کا بھی یہی تناسب تھا۔

## ایک انسان ایک معرکہ

اطلاع ملی کہ دشمن نور پور کے جنوب میں ایک بٹالین جمع کر کے مورچے کھود رہا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ دشمن پیچھے سے مدد آنے تک دفاع میں لڑے گا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ نور پور پر حملے کے لیے کچھ ٹینک بھی آرہے ہیں۔ اس دوران دشمن کا تو بچانا آگ اور لوہے کی بارش برسا رہا تھا۔ اپنے پٹے ہوئے ہراول میں جان ڈالنے کے لیے اسے اتنی ہی گولہ باری کرنی چاہیے تھی لیکن دشمن کی بد نصیبی یہ تھی کہ اس نے دلی کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں حملے کا جو پلان بنایا تھا وہ بھاری کے میدان میں آکر رتی کا غدو کی طرح اڑنا پھر رہا تھا۔ پاک فوج کے افسروں کے کہنے کے مطابق جہزی جو مدری سے یہ بھول ہوئی کہ اس نے اورنگی بھارت کا ایک نوٹہ مگر جہزی جو مدری سے یہ بھول ہوئی کہ اس نے اپنے ڈویژن، بریگیڈ اور یونٹ کا نمائندوں کو یہ نہ بتایا کہ پاکستانی بھی لڑنا جانتے ہیں نہ انہیں یہ بتایا کہ پاکستانی تو بچی گزشتہ شہادت کی تال Rythm پر گولے فائر کر رہے گئے۔

کرنل سیال نے مجھے بتایا کہ اپنے تو بچوں کا جوش و خروش اور عہدہ بر الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ تمام تو بچی خواہ ان کی گن پوزیشنیں ایک دوسرے سے کتنی ہی دور تھیں ایک ہی آواز میں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا بلند دہرہ کر رہے تھے اور ان کی حرکت کلمے سے اس طرح ملی ہوئی تھی کہ لا الہ الا اللہ پر گولہ نوٹا اور برپتج بند ہوئی تھی اور محمد الرسول اللہ

ساڑھے سات بجے دشمن کی نقل و حرکت سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ مزید پیش قدمی کے قابل نہیں رہا۔ اس کے ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی جس سے اس کی کڑواہٹ جاتی تھی۔ اب وہ کچی کچی نفی سے ریگ رہا تھا۔ اس وقت یعنی ساڑھے سات بجے دشمن نے تو بچانے کا فائر کھولا۔ عین اس وقت پاک فضائیہ کے تین سبیر طیارے



آگئے۔ ان شاہبازوں نے خوب تباہی مچائی۔ سرحد کے پرے انہوں نے چند ایک ٹینک بھی تباہ کیے اور چند ایک توپوں کو بھی خاموش کر دیا۔ طیارے بیدیاں کی طرف چلے گئے اور تباہی مچاتے گئے۔

دشمن محاذ کو جس قدر جاتا پھیلا سکتا تھا۔ اس کے سامنے کھلا میدان تھا۔ اس نے امریکہ اور برطانیہ سے



کہتے محمدؐ کے نام پر گولے فائر ہوتے تھے۔ غم ابرہہ کے جو گولیوں محمدؐ کے نام پر فائر ہوتا تھا وہ کفر کا کیا حشر کرتا ہو گا۔

جب اطلاع ملی کہ دشمن نور پور کے جنوب میں ایک پلٹن جمع کر کے مورچے کھود رہے تو کرنل سیال نے مشرق پاکستان کے رہنے والے کیپٹن شمس الزمان کو برک کلاں میں "بھج دیا اور ہدایت دی کہ دشمن کا کوئی سپاہی زندہ نہ نکل سکے چنانچہ کیپٹن شمس الزمان چھوٹا وائرلیس میٹ لے کر جیب میں برک کلاں پہنچے۔ ان کے ساتھ کوئی وائرلیس اپریٹر نہیں تھا۔ جیب کا صرف ڈرامیور ساتھ تھا۔ ان کی پھرتی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے صرف میں منٹ بعد فائر آرڈر دے دیا۔ ان بس منٹوں میں وہ گولہ باری میں برک کلاں پہنچے۔ گاؤں کی سب سے اونچی چھت پر چڑھے، دشمن کی پوزیشن کا ریفریش نکالا اور فائر آرڈر دے دیا۔ توپوں کی پہلی ہی ہلاؤ ٹھکانے پر گری کیپٹن شمس الزمان کو تقریباً ساری ہی توپیں دے دی گئی تھیں۔ وہ گولہ باری کرتے رہے۔ آخر کرنل سیال نے ان سے پوچھا کہ کتنا کچھ فائر کر آؤ گے، نتائج بھی بتاؤ۔ کیپٹن شمس الزمان نے پرجوش اور شگفتہ لہجے میں جواب دیا — "دشمن کی لاشیں ہوا میں اڑ رہی ہیں بہت مزہ آ رہا ہے۔"

یہ حقیقت ہے کہ دشمن کی اس پلٹن کے مشر و حوالدار ہی خوش نصیب تھے جو بھاگ کر پاکستانی مورچوں کی طرف آ گئے اور انہیں پھانسیا گیا۔ دونوں گڑھ والی تھیں۔ ان کے بیان کے مطابق ان کی ٹائلیں کے کسی آدمی کا بیج کر نکل جانا ناممکن تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ساری پلٹن بھتیار الگ رکھ کر نہایت اطمینان سے مورچے کھود رہی تھی کہ گولہ باری شروع ہو گئی۔ سوائے چھوٹے اور دھماکوں کے کچھ سنا ہی نہ دیتا تھا۔ کوئی سپاہی بیج کے نکلنا دیکھ گیا۔

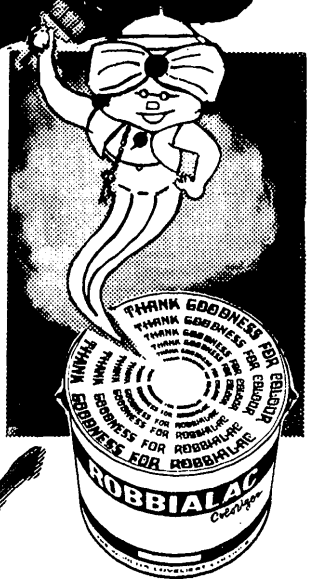
بریکنگ ٹیر پیا سئلہ کے بریکنگ کاتین پوٹھانی حصہ بھگوان کو پیا یا ہو گیا اور سولے نفری کو مروانے کے ذرا سی

بھی جنگی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

دشمن کے چند ٹینک جو گولہ باری سے مرنے والی ٹائلیں کی مدد کے لیے ساتھ تھے۔ وہ نور پور کے قریب پوزیشن میں آ گئے اور انہوں نے کیپٹن شمس الزمان پر گولہ باری شروع کر دی۔ شمس الزمان اس مہیب خطرے میں بھی فائر کرتا رہا۔ آخر اس مکان کی منڈیر پر گولے لگے جہاں یہ بنگالی کپتان کھڑا تھا۔ وہ دوڑ کر اس مکان سے اترا اور ایک اور مکان کی چھت پر جا کر اپنے توپخانے کو فائر آرڈر دینے لگا۔ اتنے میں اسے حکم دیا گیا کہ اگر کام ختم ہو گیا ہے تو پیچھے آ جاؤ۔ شمس الزمان کو معلوم تھا کہ یہ ٹینک کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کے ساتھ جو انفنٹری تھی وہ باری جا چکی تھی۔ انفنٹری کے بغیر تو ٹینک آگے نہیں آ سکتے تھے۔ شمس الزمان چھت سے اترا۔ جیب میں بیٹھا اور واپس چل پڑا۔ علاقہ کھلا تھا۔ جہاں اس کی جیب دشمن کو صاف نظر آ رہی تھی۔ جیب کے پیچھے ٹریلر بھی تھا جس میں مزدور اور خفیہ کاغذات کے علاوہ کچھ قیمتی سامان بھی تھا۔ ٹینکوں نے بھاگتی جیب پر گولہ باری شروع کر دی۔ گولے خطا جا رہے تھے۔ آخر ایک گولہ ٹریلر کے نیچے آن پھٹا جس سے ٹریلر الٹ گیا۔ شمس الزمان نے جیب رکوائی۔ اس کے ارد گرد قریب قریب گولے پھٹ رہے تھے۔ کوئی بھی گولہ سیدھا جیب کو لگ سکتا تھا اور شمس الزمان اور اس کے ڈرامیور کو ختم کر سکتا تھا لیکن اس نے ڈرامیور کو ساتھ لیا اور اس قدر وزنی ٹریلر کو اس قدر گولہ باری میں کھدے دے دے کر سیدھا کیا۔ ٹریلر بیکار ہو چکا تھا لیکن شمس الزمان اسے خالی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تمام مزدور کاغذات اور سامان نکالا، جیب میں رکھا، ٹریلر کو جیب سے الگ کیا اور دشمن کا مد چڑھانے کی سمت چل پڑا۔ ٹینکوں کے ساتھ دشمن کی توپوں کی گولہ باری بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی بعض گولے اس کی راہ روکنے کے لیے آ گئے بھی پھٹ رہے تھے لیکن ڈرامیور کی حاضر دماغی اور شمس الزمان کی بے مثال جرأت



یہ تو مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہر لحاظ سے بہترین  
رنگ تو صرف روبیالیک ہی ہے۔  
اسکے بعد میں کچھ وقت رنگوں کے پسند  
کرنے میں صرف کرتی ہوں تاکہ موزوں  
رنگوں کا انتخاب کر سکوں۔  
باقی کام میں اپنے رنگ کار کے سپرد کر دیتی ہوں  
اور وہ اپنے کام میں ماہر ہے۔



**روبیالیک**  
**رنگ ہے یا جادو**

تو تو بچانے کی ہی جنگ ہوگی۔ محاذوں پر ایونیشن کا بہت زیادہ ذخیرہ نہیں رکھا جاتا کیونکہ انہوں نے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تو بچانے کے سکینڈان کمان میجر عبدالرحمن نے کرنل سیال کو بتایا کہ آدھے گھنٹے تک ایونیشن پہنچ جانا چاہیے، گولہ باری کی رفتار سسٹ نہیں کی جاسکتی۔ اوصہر سرحد پار دشمن اپر باری دو آب کو کسی اور طرف سے پار کر رہا تھا۔

کرنل سیال نے اپنے صوبیدار میجر علی اکبر کو چھاونی میں بلل فون کیا۔ صوبیدار میجر کو ایسے ہی انتظام اور جواؤں کے بال بچوں کی دیکھ بھال کے لیے بارکوں میں رکھا گیا تھا۔ کرنل سیال نے صوبیدار میجر سے کہا کہ جس قدر ایونیشن بھیج سکتے ہو آدھے گھنٹے کے اندر بھیج دو۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ صوبیدار میجر نے انہیں بتایا کہ لونٹ کی تمام گاڑیاں محاذ پر ہیں۔ ایم ٹی سے گاڑیاں مانگتے دیر لگے گی۔ کرنل سیال نے اسے کہا۔ ”میں نے آپ کو اس موقع پر فون کیا ہے کہ نامنک کو نامنک کر دکھاؤ۔ آدھے گھنٹے کے اندر ایونیشن پہنچاؤ۔“ صوبیدار میجر نے پر غم لہجے میں جواب دیا۔ ”انشا اللہ پہنچاؤں گا۔“

صوبیدار میجر کے پاس اپنی کوئی گاڑی نہیں تھی، باہر دیکھا، ایک فوجی ٹرک ایک خراب ٹرک کو ”ٹو“ کر رہا تھا۔ صوبیدار میجر علی اکبر نے خراب ٹرک کو الگ کر لیا اور چلنے والے ٹرک کو اپنے میگزین کی طرف بھیج دیا۔ ان کی بارکوں میں ایئر پورٹ کے بالکل ساتھ تھیں صوبیدار میجر نے ایک ڈبل ڈیریس کو ایئر پورٹ کے سٹاپ پر کھڑے دیکھا، تھاک کر ڈرائیور اور مسافروں سے کہا کہ جہاں یہ جنگ شروع ہوگئی ہے۔ محاذ پر ایونیشن لے جانے کے لیے اس لیس کی شدید ضرورت ہے۔ مسافروں کا رد عمل ولولہ انگیز تھا لیکن ڈرائیور نے عقل کی بات کی۔ اس نے کہا کہ یہ بس بہت بڑی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے میں عملی باٹلی فون کے ایسے تار آجائیں جن کے نیچے سے بس گزر نہ سکے۔ اور تو کچھ

نے ہر گولہ صنائع کیا اور وہ برکی پہنچ گئے۔ سٹس الزامان ابھی دشمن سے ایک اور معرکہ لڑنا چاہتا تھا۔ وہ برکی کے تھانے پر چڑھ گیا اور اپنے چھوٹے سے واٹر لیس سیٹ سے اپنی توپوں کو فائر آرڈر دیا۔ توپچیوں نے فنی جہازت کا کالی کر دکھا یا اور دشمن کی ایک اور پوزیشن کے ٹینکوں کو تباہ کر دید۔ دشمن کا حملہ برکی سے بہت دور تکل طور پر رک گیا۔

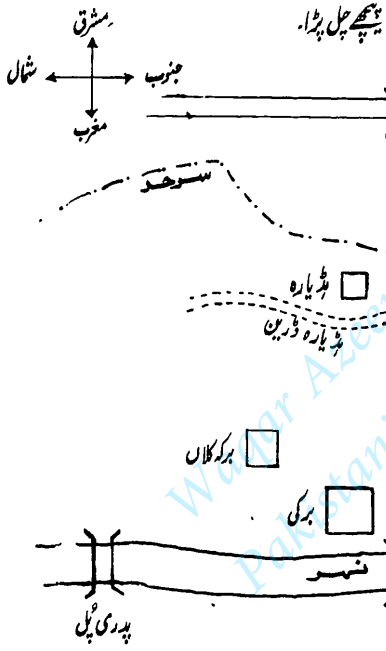
اس دوران انڈین ایئر فورس کے طیاروں نے بھی حملہ کیا لیکن اپنے ہراول کی لاشوں میں بھارتی ہوا باز روح نہ چھونک سکے۔

## کھاڑیوں کا عجیب و غریب قافلہ

یہ جنگ کا پہلا دن تھا۔ پاکستان کے اذلی دشمن کے ساتھ زندگی اور موت کے معرکے میں اگلے ابھی چند گھنٹے ہی گزرے تھے۔ قوم دشمن کی توپوں کے پہلے دھماکے سے بیدار ہوگئی تھی اور پاکستانیوں نے تن، من، دھن، سرحدوں پر پہنچاؤ کرنا شروع کر دیا تھا۔ لوگ خون دینے کے لیے ہسپتالوں میں جمع ہو گئے تھے لیکن پاک فوج کو ابھی علم نہ تھا کہ ارض پاک کے دفاع میں ساری قوم اس کے ساتھ ہے۔ اس کا پہلا مظاہرہ برکی کے محاذ پر ہوا۔ گیارہ بارہ بجے کے درمیان برکی کے پچھلے مورچوں میں پرائیویٹ گاڑیوں کا ایک عجیب و غریب کواٹے (قافلہ) آڈکا۔ آگے آگے لاہور اومنی بس سرورس کی ایک بس تھی، اس کے پیچھے رنگ برنگی کاریں، ایک دوپیک اپ، اور ایک فوجی ٹرک۔ ان تمام گاڑیوں میں توپوں کا ایونیشن بھرا ہوا تھا۔

اس قافلے کا شان نزول یہ تھا کہ محاذ پر غصہ کیا گیا کہ توپوں کے گولے توقع سے زیادہ فائر ہو رہے ہیں۔ جنگ سے پہلے ایسی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس محاذ پر زیادہ

اور ایئر پورٹ پر جس قدر لوگ تھے وہ سب گاڑیوں کے قریب جمع ہو گئے۔ ان میں ایئر پورٹ کے قلعی بھی تھے اور کاروں کے مالک بھی۔ اس وقت ہر حیثیت کے فرد کی حیثیت ایک ہو گئی۔ عبیدر پاکستانی — صوبیدار میجر علی اکبر کے لیے مشکل پیدا ہو گئی کہ وہ کسے اور کس گاڑی کو لے جائے اور کسے پیچھے چھوڑے۔ ہر ایک گاڑی اور ہر ایک آدمی اس کے پیچھے چل پڑا۔

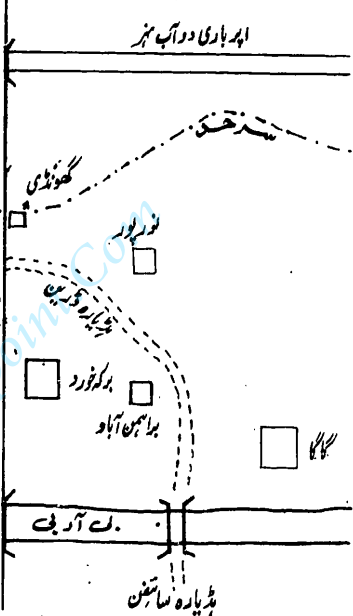


اور ابھی نصف گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ ایک عجیب غریب رنگ برنگ کنوائے، توپخانے کا ایونٹیشن اٹھاتے برکی کے محاذ پر جا رکھا۔

کرنل سیال نے وہاں میں آکر کہا کہ جب میں نے اور بریگیڈیئر محمد اصغر نے شہر لوہی کے اس کنوائے، بس کے مسافروں اور کاروں کے مالکوں کو ایونٹیشن لاتے اور گاڑیوں سے اتارنے دیکھا تو یوں لگا جیسے ہماری رگوں میں خون دگنا ہو

نہیں ہوگا، ایونٹیشن رگ جائے گا۔ ڈرائیور نے بتایا کہ پیچھے سٹنگل بس آرہی ہے، اسے لے جائیں۔ اتنے میں سٹنگل بس آگئی۔

صوبیدار میجر بس پر چڑھ گیا اور ڈرائیور اور مسافروں سے وہی بات کہی جو وہ پہلی بس میں کہہ چکا تھا۔ ڈرائیور فوراً تیار ہو گیا۔ مسافروں سے کہا گیا کہ وہ ڈبل ڈیکر پر بیٹھ جائیں، لیکن تمام مسافروں نے کہا کہ ہم بس کے ساتھ چلیں گے، اور ایونٹیشن بس میں لا دیں گے پھر ہم محاذ پر جا کر ایونٹیشن اتاریں



گے۔ صوبیدار میجر نے بس کو مسافروں سمیت اپنے میگزین کی طرف بھیج دیا اور خود ایئر پورٹ میں چلا گیا۔ وہاں سے لاؤڈ سپیکر سے اعلان کیا کہ جنگ شروع ہو چکی ہے اور محاذ پر ایونٹیشن پہنچانے کے لیے گاڑیوں اور آدمیوں کی فوری ضرورت آ پڑی ہے۔

چند لمحوں میں پی آئی اے کی گاڑیاں، پیرا پیسٹ کاریں جن میں ایک ٹیکسی بھی تھی ایک لائن میں کھڑی ہو گئیں

لگیا ہوا درجہ میں بے پناہ قوت پیدا ہو گئی ہو۔ یہ چند ایک شہری پوری قوم کے فائدے سے تھے جو ہمارے لیے ایونیشن نہیں بلکہ قوم کا یہ پیغام لائے تھے کہ — ”بھائیو! ہم تمہاری پیٹھ پیچھے موجود ہیں۔ ہم تمہارے دوش بدوش لڑیں اور مریں گے۔“

ڈیڑھ بجے تک تو سچانے کی مسلسل جنگ جاری ہی انڈین ایئر فورس کے طیاروں نے ایک اور حملہ کیا لیکن پاک فضا بیہ کے شاہباز آگے اور ایک بھارتی طیارے کو ہڈیاں کے میدان میں گرا لیا۔ برکی عماد کو دابگہ آٹاری سیکٹر کی صورت حال کا بھی دھیان رکھنا تھا۔ دشمن دلاں بھی بہت نقصان اٹھا چکا تھا لیکن باٹا پورا اور بھینی یا ان دونوں سے کسی پل سے بی آری پار کرنے کے لیے تازہ دم نفری سے تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ ڈوگر (جلموڑ) جو باٹا پور کے پل کے بالکل ساتھ ایک گاؤں ہے، دشمن کے قبضے میں تھا۔ اس گاؤں کے مکلوں سے دشمن یہ فائدہ اٹھا رہا تھا کہ پل کو ہر طرح کے فائر کی زد میں لیے ہوئے تھا۔ اپنے رٹوں اسے گاؤں سے دھکیلنے کی پوری کوشش کر رہے تھے تاہم دشمن کے آگے آجانے کا خطرہ بھی تھا تمام دفاعی پوزیشنوں کو مضبوط کرنے کے لیے تمام اگلے دستوں کو پیچھے کر لیا گیا تاکہ دفاعی لائن بکھری نہ رہے۔ اسی فیصلے کے تحت بریگیڈیئر محمد اصغر نے میجر شفقت بلوچ کو حکم دیا کہ کمپنی کو پیچھے لے آئے۔ یہ کمپنی تو سچانے کی بھرپور مدد سے دشمن کا حملہ ناکام کر چکی تھی۔ اسے گولہ باری کا ”کور“ دے کر پیچھے ہٹا لیا گیا اور ہڈی بارہ ڈرین کا پل تباہ کر دیا گیا۔

## دو عازمی کتی ٹینک

اگلی توپوں (میٹری) کو بھی پیچھے ہٹا لیا گیا لیکن ایک

توپ کا ڈی خراب ہونے کی وجہ سے وہیں رہی۔ نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کما در تین چار توپچیوں کو یہ کہہ کر وہیں صیڑا دیا گیا کہ پیچھے سے دوسری گاڑی بھیج دیں گے۔ میجر بلوچ کی کمپنی ابھی برکی تک نہیں پہنچی تھی، آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھی دشمن گولہ باری کر رہا تھا۔ جنوب کی طرف نور پور اور برہمن آباد کے درمیانی علاقے سے دشمن کے وہ ٹینک بھی فائر کر رہے تھے جو کمپنی شمس الزمان پر گولہ باری کرتے رہے تھے۔ میجر شفقت بلوچ کی کمپنی کو ان سے بہت خطرہ تھا۔

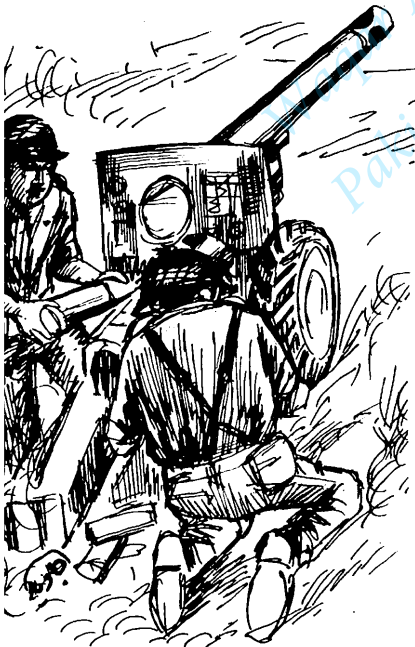
پیچھے سے گاڑی پہنچنے تک نائب صوبیدار محمد اسلم شہید اس اکیلی توپ سے چاروں طرف فائر کرتا رہا تاکہ دشمن کو شک نہ ہو کہ میٹری پیچھے چلی گئی ہے۔ اس نے نور پور اور برہمن آباد کے درمیان دشمن کے ٹینکوں اور ان کے بالکل سامنے میجر شفقت کی کمپنی کو پیچھے جاتے دیکھا تو اپنی توپ کی پوزیشن بدل کر ان ٹینکوں پر سیدھا فائر شروع کر دیا۔ مشکل یہی کہ ٹینک ڈرین کے پرلے کنارے پر اس طرح پوزیشن میں تھے کہ ان کی صرف ٹینک باہر تھیں، ان کی باڈیاں مہایت محفوظ آڑ میں تھیں۔ بہر حال نائب صوبیدار اسلم نے اکیلی توپ سے ان ٹینکوں کی توجہ میجر شفقت بلوچ سے ہٹا کر اپنی طرف کر لی اور ٹینکوں کو بہت دیر گولہ باری کے معرکے میں اُلجھائے رکھا۔ اس ایک توپ کے پاس آخر کتنا ٹینک شکن ایونیشن ہو سکتا تھا۔ ٹینک محفوظ آڑ میں تھے۔ توپ کا ایونیشن ختم ہو گیا اور صرف رنگدار گولے رہ گئے جو طیاروں کے لیے کسی خاص علاقے کی نشاندہی کرنے کے لیے فائر کیے جاتے ہیں۔ ان سے رنگدار دھوئیں کے گھنے بادل نکلنے ہیں اور طیارے اس جگہ راکٹ یا بمباری کرتے ہیں۔ نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کے پاس اب وہی گولے رہ گئے تھے، اس نے وہی فائر کر دیے۔ جب ٹینکوں کے ارد گرد رنگدار دھواں پھیل گیا تو وہ اس ڈرے بھاگ





کا میز برس رہا تھا اور دو انسان ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لیے پاگل ہوئے جارہے تھے گلستان نے ایک اور راکٹ فائر کیا اور ایک ٹینک کی مشین گن کو صاف اڑا دیا۔

اتنے میں نائب موبیدار محمد اسلم شہید نے ٹینکوں پر رگداز گولے فائر کرنے شروع کر دیئے اور ٹینک بھاگ گئے۔ اس دھوئیں سے ٹینکوں کو یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ وہ گلستان خان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ورنہ پتہ چلتا کہ وہ گلستان اس دھوئیں سے گلستان اور اس کے ساتھی کو یہ فائدہ ہوا



اٹھے کہ پاک فضائیہ کے طیارے آرہے ہیں۔

ان کے بھاگنے سے پہلے نائب موبیدار محمد اسلم شہید نے ان ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک ٹینک شکار

**Tank Hunting** پارٹی بھیج دی تھی۔ اس توپ کا ٹانگہ گلستان خان راکٹ لا پچرا اور ایک توپچی کو ساتھ لے کر رہنمائی چھپتا ڈرین تک جا پہنچا۔ یہ مہم کوئی ایسی سہل نہیں تھی۔ دو انسان متعدد ٹینکوں سے دن دلاڑے لڑنے جا رہے تھے۔ وہ لوہے کے آگ اگلنے کا تھی اور یہ گوشت پوست کے انسان تھے۔ وہ ڈرین میں رہنمائی ہوئے ایک ٹینک کے قریب کوئی ایک سو گز تک پہنچ گئے۔ گلستان خان کو پورا ٹینک نظر نہ آتا تھا، صرف بڑی گن باقی تھی۔ اس نے راکٹ فائر کیا اور گن کو بیکار کر دیا۔ ٹینک نے ان پر مشین گن فائر کرنی شروع کر دی لیکن وہ محفوظ آڑ میں تھے۔ گولیوں کی بوچھاڑیں اوپر سے گزری گئیں۔

دونو ساتھیوں نے رینگ رینگ کر پوزیشن بدلی اور دوسرے ٹینک پر راکٹ فائر کیا لیکن ان کی اپنی اور ٹینک کی پوزیشن ایسی تھی کہ راکٹ خطا گیا۔ ٹینک نے ان پر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ گلستان اور اس کے ساتھی کے پنج نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی لیکن انہوں نے شہادت کو قبول کر کے یہ معرکہ شروع کیا تھا۔ وہ دشمن کے فائر سے بچتے اور قریب رینگ گئے۔ راکٹ فائر کیا لیکن خطا گیا۔ اب سارے ٹینک ان پر مشین گنوں سے فائر کر رہے تھے۔ ڈرین میں گولیوں

کے لیے ان بڑی توپوں نے خوب کام کیا۔ اپنا فضائی "اوپن" تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُڑ کر رپورٹ دیتا رہا کہ "رائی" اور "میشنی" نے دشمن کی پچھلی صفوں میں قیامت مپا کر رکھی ہے۔ کیپٹن اوزبرکی کے چوبارے میں تھا، وہ دن بھر دشمن کو توپخانے سے دبانے میں مصروف رہا تھا۔ اس رات کو بھی اس نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

دشمن ہڈی بارہ کے قریب ڈرین پر پُل بنانا چاہتا تھا لیکن اپنا توپخانہ اسے کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ رات کے وقت مہارتیوں نے ہڈی بارہ کے دیہاتیوں کو پُل بنانے پر لگا دیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ پاکستانی گولوں سے پاکستانی جی میں کئی دیہاتی زخمی ہو گئے۔

۷ ستمبر کی صبح دشمن گدشتہ شام والی پوزیشن میں تھا۔ اس کا دم خم ٹوٹ چکا تھا۔ اس کا صرف توپخانہ فائر کر رہا تھا۔ برکی کے "اوپن" نے برکہ خور اور برکہ کلاں کے درمیان حرکت دیکھی۔ دُور بین سے دیکھا کہ وہاں دشمن ایونٹینس جمع کر رہا تھا۔ کیپٹن انور نے توپخانے کو ریفرینس اور فائر آرڈر دیا۔ پہلی ہی بار سے وہاں قیامت کا دھماکہ ہوا اور تمام ایونٹینس خاکستر ہو گیا۔ فضائی "اوپن" نے دُور پیچھے کچھ ٹینک کھڑے دیکھے تو ان پر بڑی توپوں کی گولہ باری کرائی اور دشمن کا رہا سہا دم بھی ختم کر دیا۔

انڈین ایئر فورس کے طیارے آگئے۔ وہ حملے کے لیے پرتول ہی رہے تھے کہ پاک فضائیہ کے شاہباز آن پہنچے۔ ان کی پرواز اور چھپے میں بلا کا عتاب تھا۔ بھارتی ہواباز تیزی سے گھومے اور بھاگ نکلے لیکن شاہبازوں نے تعاقب میں جا کر ایک کو بھارتی علاقے میں جالیا اور مار گرایا۔ زمین پر یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں دُور پیچھے گرداختی نظر آتی تھی، "اوپن" دوچار گولے فائر کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ہڈی بارہ کے قریب ایک ٹرک آؤکا۔ "اوپن" نے دیکھا کہ اس میں سے کھانا

کے وہ بھی نکل آتے۔ نائب صوبیدار اسلم شہید کو گاڑی مل گئی تھی۔ وہ نہ صرف اپنی توپ کو اس کے ساتھ باندھ کر لے آیا بلکہ ایونٹینس کے خالی کس اور گتے بھی اٹھا لایا۔ کہنے لگا کہ یہ خالی کس بھی ہندو کے ہاتھ نہیں لگے چاہئیں۔

اپنی انفنٹری کی کینیاں برکی کے گرد و نواح میں آ گئیں اور پچھلے مورچے پوری طرح مضبوط کر لیے گئے۔ گن پوزیشنوں کو بھی بہتر اور گولہ باری سے محفوظ کر لیا گیا۔ شام کے وقت وہ دشمن جو نو سبجہ لاہور میں تہن فتح منانے آیا تھا سرحد پر بیٹھا زخم چاٹ رہا تھا۔ دن کے وقت اس نے اپنے لڑاکا بمبارطیاروں سے بھی حملے کیے۔ سارا دن گولہ باری بھی کرتا رہا لیکن طیارے اور توپیں اسے ہڈی بارہ ڈرین سے آگے بڑھانے میں ناکام رہیں۔

## رائی اور شیرینی میدان میں آگئیں

۸ ستمبر کی تمام رات دشمن کا توپخانہ بے دریغ گولہ باری کرتا رہا۔ ہڈی بارہ ڈرین پر اسے پُل تیار کرنا تھا لیکن اس کا جانی نقصان اس قدر زیادہ ہو چکا تھا کہ "ری گروپنگ" تنظیم نے اسے مصروف رہا۔ اپنے توپخانے کے "اوپن" ہر ایسی جگہ موجود تھے جہاں سے دشمن کی ذرا سی بھی حرکت دیکھی جاسکتی تھی۔ جہاں ذرا سا شک ہو تا تھا دشمنی کے گولے فائر کر دیے جاتے تھے۔ شمال میں پدری پُل سے لے کر جنوب میں جوڑ خانہ ڈسٹری بوسٹری تک کا علاقہ توپخانے کے "اوپن" کے جال کی زد میں تھا۔

لاہور میں دوسو پولنڈ توپیں "رائی" اور "شیرینی" گئیں۔ دشمن کے عقب میں اس کی سرگرمیوں کو دبا تے رکھنے



## فتیل رشک

یہ نکھار کیوں نہ آپ بھی اپنائیں

لوزین آپ کے چہرے کو غذائیت پہنچاتی ہے  
لوزین شامل کی ہوئی ہیسز لین سنو آپ کے چہرے کو  
نزدتازہ اور ملائم رکھتی ہے۔

لوزین شامل کی ہوئی



**Hazeline Snow**  
WITH LUBINE

جلد کی نشوونما کیلئے لوزین وہ کامیاب جزو ہے  
جسے تحقیق کے بعد بروز و لکم کمپنی نے تیار کیا ہے

آج ہی ایک ٹیوب یا  
جار خریدیے

تھے۔ سکھ رجمنٹ پیچھے ہٹی اور ایک بار پھر آگے بڑھی۔ اس طرح دو بھر پور کوششوں کے بعد سکھ رجمنٹ کو ایئر برسٹ (ہوا میں پھٹنے والے گولوں) سے لہو لہان کر دیا گیا۔

## برکی میں دشمن کا انتظار

جہاز تینوں نے برکہ کلاں کی طرف سے حملہ کیا۔ ان کا غالباً یہ خیال تھا کہ برکہ کلاں میں پاک فوج ہوگی جسے وہ ختم کر کے نہرت تک پہنچ سکیں گے۔ اس جہاز کی بٹالین کو ٹینک مدد دے رہے تھے۔ دراصل جہاز تینوں میں گولہ مار رہے تھے کیونکہ برکہ کلاں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیپٹن انور نے برکی کے چوہارے سے اپنی توپوں کو ریفرائیںس اور فائر آرڈر دیا اور اڑھار سا مینس سے ہمارے دوسرے ”اوپن“ کیپٹن انظر الطاعت نے اپنی بمبیز سے فائر کھلوا دیا۔ اس جہاز کی بٹالین کے سپاہی بھیڑوں کی طرح کھڑکھڑا گئے لیکن ان پر دو ”اوپن“ بیک وقت فائر کر رہے تھے۔ چند ایک جہاز تینوں کی بٹالین میں پناہ لینے کو بھاگے۔ لیکن پاکستانی تو بچانے کی گولہ باری میں اب انہیں کہیں بھی پناہ نہیں مل رہی تھی۔ جن ٹینکوں کے حمروں پر یہ بٹالین حملہ آور ہوئی تھی وہ ٹینک کہیں نظر نہ آتے تھے۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ برکہ کلاں کے حملے کو دیکھتے ہوئے توقع تھی کہ دشمن رات کو برکی پر حملہ کرے گا۔ حملے کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ دشمن کا توپخانہ بے سنا مشہ گولہ باری کر رہا تھا۔ اس کے پاس نہ توپوں کی کمی تھی نہ ایمریشن کی۔ گولہ باری کے متعلق ایک بات سمجھنا ضروری ہے کہ جب مورچوں میں بیٹھے ہوئے سپاہیوں پر گولہ باری کی جاتی ہے تو اس کا مقصد سپاہیوں کو صرف ہلاک یا زخمی کرنا نہیں ہوتا۔ اگر وہ ہلاک یا زخمی ہو جائیں تو اسے کامیاب فائرنگ سمجھا جاتا ہے لیکن گولہ باری

اتنا راجارہا تھا۔ ”اوپن“ نے اس پر بھی گولے فائر کروا کر ٹرک تباہ کرادیا۔ اسی طرح پانی کے ٹرکوں کو بھی تباہ کر دیا اور دشمن کی یہ حالت کر دی گئی کہ اس کا نہ کوئی ٹرک حرکت کرتا تھا نہ کوئی سپاہی۔ اُسے ہڈیاہ ڈرین پر پل بھی نہ بنانے دیا گیا۔ اس طرح جہاز چوہدری کی گھڑی چوبیس گھنٹے پیچھے ہو گئی۔

۷۔ ستمبر کی رات بھی یہی توقع رہی کہ دشمن ہڈیاہ ڈرین پر پل بنائے گا اور برکی پر حملے کے لیے آگے بڑھے گا۔ اس توقع کے پیش نظر اپنا تو بچانہ رات بھر گولہ باری کرتا رہا اور دشمن کا تو بچانہ تمام علاقے میں مسلسل لگے برساتا رہا۔

دشمن جس قدر مردہ ہوتا چلا جاتا تھا، اپنے جوان اتنے ہی بے تاب ہوتے جا رہے تھے۔ وہ سرحد میں آئے ہوئے دشمن سے بھرپور ٹکر لینا چاہتے تھے۔ تو پچیسوں اور سپاہیوں کی بے تابیاں دیکھنے کے قابل تھیں۔ اگر انہیں تھوڑی سی دیر کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تو وہ بی آر بی بھلانگ کر دشمن سے دست بردست مکر کے جا ملتے لیکن وہ فوجی ڈسپلن اور مرکزی کمان کے فیصلوں کے پابند تھے۔

۸۔ ستمبر کے روز دشمن حرکت کرتا نظر آیا۔ وہ لاہور پر قبضہ کرنے کے لیے بڑے طرقات سے حملہ آور ہوتا تھا، اتنی جلدی کیسے پیچھے ہٹ جاتا، برکی سے آگے چاندھاری کے بٹ میں جو اس قدر اونچے ہیں کہ دشمن ان سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ سکھ رجمنٹ ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس سے ایک بات ظاہر ہو گئی کہ دشمن ہڈیاہ ڈرین سے آگے نکل آیا ہے۔ تو بچانے کے ”اوپن“ کیپٹن انور اور بٹالین رجمنٹ کے میجر عزیز بھٹی مشہد برکی کے چوہارے پر تھے۔ انہوں نے تو بچانے کو فائر آرڈر دیا اور گولے سکھوں کے درمیان پھٹ کر تباہی مچانے لگے لیکن سکھوں نے ہمت نہ ہاری۔ انہیں ان کا تو بچانہ اس قدر مدد دے رہا تھا کہ گولے برکی اور نہر کے علاقے میں قیامت مپا کیے ہوئے

اور اب وہ برکے گاں اور برکے غور کے درمیانی علاقے میں ہو چکے  
بند تھا۔ چونکہ اس کی کوئی گاڑی یا ٹینک نظر آیا گولہ باری  
سے تباہ کر دیا گیا۔ گولہ باری سے وہی محفوظ رہے جو کسی محفوظ  
آڑ میں تھے۔

اب یقین ہو گیا تھا کہ دشمن کو علم ہو گیا ہے کہ برکی کے  
جو بارے سے اسے پاکستانی "اوپن" دیکھ رہے ہیں۔ نو بجے  
کے قریب انڈین ایئر فورس کے دو فائرے آئے جنہوں نے  
برکی پر بم گراتے ہوئے دوڑ دوڑ کرے۔ تھوڑی دیر بعد دواور  
طیارے آئے جو جو بارے پر یکدم لگا کر واپس چلے گئے۔

کیپٹن انور نے دیکھا کہ برکے گاں کے قریب ایک ٹرک  
سے بھارتی سپاہی سامان اتار رہے ہیں۔ اس نے دور بین  
سے دیکھا تو اسے نفراں کہہ کر ٹرک میں سے بارودی سرنگیں اتر  
رہی تھیں۔ کیپٹن انور نے نقشے پر ریفرنس دیکھا اور توپخانے  
کو فائر آرڈر دے دیا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ اس  
نے غلط ریفرنس دے دیا ہے۔ جنگ میں ایسے ہوجی جانا  
ہے۔ "اوپن" ۴ ستمبر کی صبح سے مسلسل کام کر رہے تھے۔ ہر لمحہ  
غلطی کا امکان تھا۔ جو ہنی انور کو غلطی کا احساس ہوا، اُس نے  
توپخانے کو دائر لیس پر صبح فائر آرڈر دیا لیکن توپوں سے  
گولے نکل چکے تھے۔ کیپٹن انور نام بھی ہو رہا تھا اور پریشان  
بھی کہ اتنے سارے گولے مٹانے جا رہے ہیں۔ اب وہ دیکھنے  
لگا کہ گولے کہاں گرتے ہیں۔ اس نے توپخانے کو کہہ دیا کہ  
اور کوئی گولہ فائر نہ کریں۔

ذرا ہی دیر میں گولوں کی ہاڈ درختوں کے ایک جھنڈ  
میں جا گری۔ گولے جیسے تھوہڑوں اٹھا وہ صرف ان گولوں  
کا نہیں تھا۔ کیپٹن انور نے دور بین سے دیکھا تو اسے وہاں کچھ  
ادری منظر نظر آیا۔ وہاں دشمن نے گولہ بارود کا ذخیرہ جمع کر  
رکھا تھا اور ایک دو ٹرک ابھی وہاں کھڑے ایٹیشن اتار رہے  
تھے۔ تمام کا تمام ذخیرہ اڑ گیا اور اس کے ساتھ ٹرک بھی

کا زیادہ تر مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلسل دھماکوں سے ان کے  
اعصابی نظام کو تباہ کر دیا جائے۔ ذرا تصور کیجئے کہ ایک انسان  
کے ارد گرد گولے پھینچے رہیں اور اسے اپنے گرد و پیر گولوں  
کے لال انگارہ ٹکڑے زناٹوں سے اڑتے نظر آتے رہیں تو وہ  
انسان دھماکوں سے اور موت کے خوف سے اودھماکا ہو جاتا  
ہے۔ اس کی سوچنے کی قوت مغلوج ہو جاتی ہے، مورال ختم  
ہو جاتا ہے اور سپاہی دعائیں کرنے لگتا ہے کہ یا خدا ایک  
گولہ میرے سر پر پھینچے اور اس پر ہم سے نجات ملے۔ ہر دھماکہ  
اس کے دماغ پر ذہنی ہتھوڑے کی ضرب کا اثر کرتا ہے یعنی  
سپاہی ہلکا ہوتا ہے جی شے Shell Shock کہتے  
ہیں۔ گھٹے ڈیڑھ کی گولہ باری کے بعد جب سپاہیوں کو ایک  
کے چار چار نظر آنے لگتے ہیں تو دشمن ٹینکوں اور پیادہ فوجوں  
سے حملہ کر دیتا ہے۔ اس وقت مورچوں میں بیٹھے ہوتے سپاہی  
زندہ لاشیں بنے ہوتے ہوتے ہیں۔ ان میں حملہ نہ کرنے  
کی تاب نہیں ہوتی۔

بھارتی توپخانے کی گولہ باری کا مقصد بھی یہی تھا۔ وہ  
چھ ستمبر کی صبح سے گولے برسا رہا تھا اور اب اس امید پر آگے  
بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پاکستانی جوان مفلوج ہو چکے  
ہوں گے لیکن پاکستانی جوانوں نے میڈیکل سائنس کو پیران  
کر رکھا تھا۔ بجاتے اس کے کہ مسلسل دھماکے ان کے دماغ  
اور اعصاب کو مفلوج کر دیتے، وہ ہر دھماکے سے سیدھا  
ہوتے چلے جا رہے تھے اور ان کے نرسروں میں جان  
پڑتی جا رہی تھی۔

۸، ۹ ستمبر کی رات بھی وہ دشمن کے انتظار میں بیدار رہے۔  
اپنی انفنٹری نے برکی سے آگے، دو طرف اور ہنراور برکی  
کے درمیان بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ اپنے "اوپن" سیدھا  
رہے اور روشنی کے گولے فائر کر کے گولہ باری کراتے رہے۔  
رات گزر گئی۔ دیکھا کہ دشمن ہڈیاہ ڈھیر پار کر آیا تھا



ستمبر

افنٹری پلاٹونوں کے فلیٹکوں پر آر آر (ٹینک شکن) پلاٹونیں لگا دی گئیں۔ برکی کے سامنے دائیں اور بائیں توپخانے نے چند اور تارگٹس رجسٹر کر لیے اور دشمن کے استقبال کا پورا پورا بندوبست کر لیا گیا۔

رات کو دشمن کے ٹینکوں کے چلنے کی آواز آئی پھر ٹینک فائرنگ بھی کرنے لگے اور اس کے ساتھ بھارتی سیننا کے جے کارے اور ست سری اکال کے نعروں کے لیے سنائی دیتے۔ ہر کوئی حملہ روکنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جوان انہی جے کاروں اور ست سری اکال کے نعروں کے منتظر تھے۔ ۱۹۴۷ میں بھی انہوں نے جے کارے سنے تھے مگر اس وقت یہ جے کارے نہتے مسلمانوں پر گرجے تھے۔ آج وہ ”یا علی“ اور ”اللہ اکبر“ کے نعروں کے مقابلے میں آتے تھے۔ کیپٹن انور نے روشنی کے گولے فائر کرائے لیکن اسے دشمن کی پلٹیتی نظر نہ آئی۔ تاہم جہاں اسے شک ہوا گولہ باری کرادی۔

تمام رات جے کارے سنائی دیتے رہے لیکن کوئی حملہ نہ ہوا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ دشمن کی چال تھی۔ وہ حملے کا دھوکہ دے کر پاک فوج کا یونیشن صانع کرانا چاہتا تھا اور یہ بھی کہ ایک دوسرے ایسے جے کاروں سے دھوکہ دیں گے، پھر ایک روز حملہ کر دیں گے۔ اس وقت بھی پاک فوج اسے دھوکہ سمجھ کر مورچوں میں بے سنکر بیٹھی رہے گی۔ لیکن پاک فوج بے فکر دوں کی فوج نہیں تھی۔ اپنے دشمن کو خوب پہچانتی تھی۔ وہ ہر گھڑی اور ہر لمحہ دشمن کے انتظار میں بے تاب ہو رہی تھی۔

۱۰ ستمبر کے روز غازی کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ دونوں طرف کے توپخانے گولہ باری کرتے رہے۔ کرنل سیال کہتے ہیں کہ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ آج رات دشمن مزور حملہ کرے گا اور یہ حملہ شدید ہوگا۔ کیپٹن انور چھ تارنگ

بسم ہو گئے۔ وہاں بہت دیر تک شعلے بلند ہوتے رہے اور گولے پھٹتے رہے۔

کیپٹن انور نے بیڑی کمانڈر سے کہا کہ غلط فائر آرڈر ہی کام کر گیا ہے۔ اب صحیح ریفرینس پر فائر کرو۔ چنانچہ اس نے بارودی نمرنگوں والے ٹرک کو بھی گولہ باری سے تباہ کر دیا۔ جب گولوں سے بارودی سرنگیں اکٹھی پھٹیں تو اس دھماکے نے سارے میدان جنگ کو ہلا ڈالا۔ دن کے پچھلے پہر دُور وٹینک نظر آئے۔ کیپٹن انور نے انہیں بھی تباہ کر دیا۔ تمام دن توپخانوں کی جنگ ہوتی رہی۔ دشمن کی غنڈی اور ٹینکوں کو کوئی حرکت نہ کرنے دی گئی لیکن اس نے حملے کا انتظار ہر لمحہ رہا۔ ذرا سی دیر کے لیے بھی اپنے پ کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہ کیا گیا کہ ہم نے دشمن کو پایا ہوا ہے۔ اسے نقصان یقیناً پہنچا یا چکا تھا اور اس کے گولہ بارود کے کئی ذخیرے اڑا دیے گئے تھے لیکن حقیقت سے ہر کوئی آگاہ تھا کہ دشمن شدید حملہ کرے گا۔ اس کے پاس نہ ایونیشن کی کمی تھی نہ تازہ مک کی۔

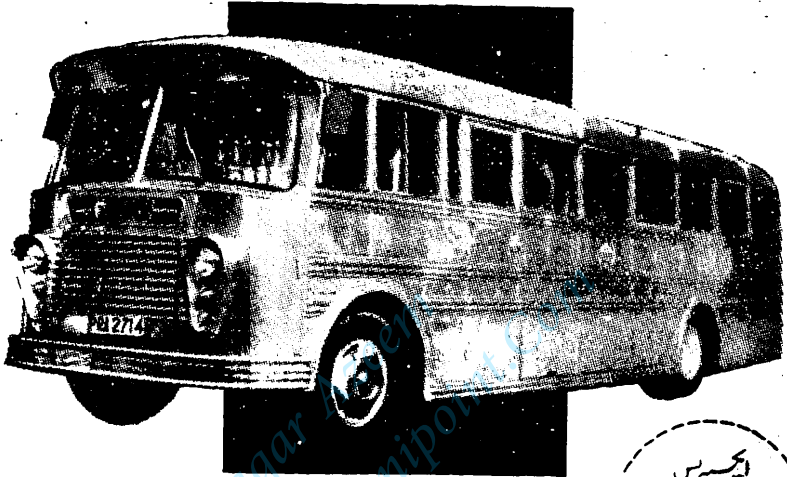
## شیروں اور دیدار سنگھ دوست تھے

۹، ۱۰ رات آگئی۔ دشمن بدستور گولہ باری کر رہا تھا۔ ب کے اس کی گولہ باری کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اس کا ہ توپخانہ قریب آگیا ہے اور دشمن کچھ کرگزرنا چاہتا ہے۔ پہچاننے کے علاوہ اپنی افسنری اور ٹینکوں کی پوزیشنوں پر پھر سے منظم کر دیا گیا اور انہیں چوکتا رکھا گیا۔ برکی کے مال میں نائب صوبیدار عالم زیب شہید ستارہ جرات کی اٹوں تھی، برکی میں میجر عجزی شہید کی ایک پلاٹون اور فوب میں میجر حبیب شہید کی کمپنی کی ایک پلاٹون تھی۔

زیادہ سے زیادہ آرام دہ

اور

پر آسائش سفر کے لئے



گو رنمنٹ ٹرانسپورٹ کی

ڈی ٹیکس

بسوں میں سفر کیجئے ۵ روزانہ سروس

لاہور — راولپنڈی — مری — پشاور

آپ کی خدمت  
اور حفاظت  
ہمارا  
نصب العین  
ہے

ایکسپریس  
سروس!  
مناسب  
کرایہ!

معلومات: ٹرانسپورٹ ہاؤس  
لاہور [مگر رنمنٹ ٹرانسپورٹ سٹینڈ فون نمبر ۶۴۲۰  
راولپنڈی — مگر رنمنٹ ٹرانسپورٹ سٹینڈ فون نمبر ۶۲۹۵۷  
مری — مگر رنمنٹ ٹرانسپورٹ سٹینڈ فون نمبر ۱۰۷  
پشاور — روڈ ویز ہاؤس فون نمبر ۷۷۳۹

کرایہ  
لاہور تا راولپنڈی ۲۵-۸ روپے  
لاہور تا مری ۵۰-۱۰ روپے  
لاہور تا پشاور ۵۰-۱۳ روپے  
راولپنڈی تا پشاور ۲۵-۵ روپے

RTC

روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

لاہور — مغربی پاکستان

عمر کی عورت بھی تھی۔ اس آدمی نے اس عورت سے کہا: "یہ ہیں وہ تو بچانے کے کمانڈر جنہیں تم ملنا چاہتی ہو"۔ وہ عورت تیزی سے آگے بڑھی اور کرنل سیال کے قدموں میں دو زانو ہو کر اس کے لوٹوں کو چومنے لگی۔ کرنل سیال کہتے ہیں کہ میں میدان جنگ میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں گھبرا یا تھا۔ مجھے دشمن کے آگے بڑھ آنے کا کوئی غم نہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ عجیب اور میرے تو بچپن میں اتنی ہمت اور جرات ہے کہ دشمن کا جہم کر مٹا بلکہ سکسکے گا لیکن جب اپنے وطن کی ایک بوڑھی عورت میرے قدموں میں گر پڑی تو مجھ پر سکھتہ طاری ہو گیا۔ مجھ میں ہمت رہی نہ جرات۔ وہ میری ماں تھی، میرے قدموں میں کیوں گر پڑی تھی؟

کرنل سیال نے بڑی مشکل سے اس عورت کو اٹھایا۔ وہ کہہ رہی تھی: "مجھے ان لوٹوں کی مٹی کو چوم لینے دو۔ یہ وہی گھوڑے کے سٹم میں جن کی مٹی کی قسم خدا نے بھی کھائی ہے"۔ اس عورت کے ساتھ ہوا آدمی تھے انہوں نے ایک واقعہ سنایا۔ وہ کہتے تھے کہ آٹھ ستمبر کی شام جب سورج غروب ہونے والا تھا، بھارتی افسروں اور سپاہیوں نے ہڈیاں سے بہت سے مردوں، عورتوں اور لڑکیوں کو پکڑ کر باہر عید گاہ کے قریبی میدان میں جمع کر لیا۔ انہوں نے تمام مردوں کے ہاتھ پٹے پیچھے باندھ دیے اور ایک افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان لڑکیوں کو سرحد پار لے چلو اور عورتوں کو ان مردوں کے سامنے یہیں بے آبرو کرو پھر سب گولی مار دو۔

بھارتی سپاہی سن گئیں اور سٹین گنیں تانے ہوئے مردوں کے ہاتھ باندھ رہے تھے۔ ہڈیاں سے کے ایک آدمی نے بھارتیوں کو لٹکا کر کہا: "تم جو کچھ کر رہے ہو۔ یہ مردانگی نہیں ہے۔ تمہارے پاس رائفلیں اور سٹین گنیں ہیں۔ ہم غالی ہاتھ ہیں اور تم نے ہمیں باندھ بھی دیا ہے۔ ہمارے ہاتھ کھول

سے مسلسل" اوپی" ڈیوٹی کر رہا تھا۔ کرنل سیال نے حملے کی توقع کے پیش نظر تازہ دم "اوپی" بھیجنے کا فیصلہ کیا اور نائب صوبیدار شیردل کو برکی کے چوہارے پر جانے کے لیے کہا اور اسے تمام تر ضروری ہدایات دے کر کہا کہ آخر دم تک پوسٹ نہ چھوڑے۔

صوبیدار شیردل کو بالکل علم نہ تھا کہ اس کا ایک پرانا ساتھی اور دوست صوبیدار دیدار سنگھ آج رات اس پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ شیردل اور دیدار سنگھ پرانی یعنی برطانوی ہند کی فوج کی پندرہ پنجاب رجمنٹ میں سپاہی ہوا کرتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں برما فرنٹ پر وہ کٹھ پالیوں کے خلاف لڑے تھے۔ کوہیما پر جوانی حملے میں وہ شریک تھے۔ شیردل زخمی ہو گیا تھا۔ آج بائیس برس بعد وہ فوج دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ شیردل کو علم نہیں تھا کہ اس کے دوست صوبیدار دیدار سنگھ کی کھینچی کا لاش نامک دو لہا سنگھ شیردل کو برکی کے چوہارے سے زندہ پکڑنے کے لیے آئے گا۔ دونوں دوستوں کی ملاقات جنگ کا ایک دلچسپ ڈرامہ ہے۔

## پاک عسکریوں کا معجزہ

لیکن میں اس سے پہلے جنگ کا ایک اور ڈرامہ سنانا چاہتا ہوں جو ایک معجزہ اور پاک وطن کی پاک عورتوں کی دعاؤں کا کرشمہ ہے۔ ۱۰ ستمبر کے روز کرنل سیال اپنے میڈیکل وارڈ میں تھے کہ ایک اسیٹھ عمر آدمی (جو شاید ہڈیاں مڈل سکول کا میڈیکل سٹرنٹ تھا) کرنل سیال کے پاس آیا اور پوچھا: "تو بچانے کے کمانڈر آپ ہیں؟"۔ کرنل سیال نے جواب دیا: "ہیں ہی ہوں"۔

اس آدمی کے ساتھ ایک اور دیہاتی آدمی اور ایک پرانی

کس رہے تھے۔ کہاں چلے مہاراج جی! ذرا ٹک تو جاؤ.....  
کھانا کھا کر مانا جاہاراج جی! — اور بعض دیہاتی انہیں  
ٹنگی گا لیاں دے رہے تھے۔ بہت سے بھارتی، سرحد کے اندر  
ہی مارے گئے۔ ان کے کئی ٹرک بل گئے اور سرحد تک وہ  
گولہ باری سے مرنے رہے۔

ہڈیارے کے مرڈ عورتوں اور لڑکیوں کو رات کی تاریکی  
میں بڑی مشکل سے لے کر بی آر بی کے اس کنارے آگئے۔ اس  
سے پہلے یہ لوگ نہیں نکل سکے تھے کیونکہ بھارتیوں نے ان  
پر پھرے بھڑاتے ہوئے تھے اور ان سے طرح طرح کی مشقت  
کراتے رہتے تھے۔ اس گولہ باری سے سب بھاگ گئے اور  
دیہاتی نکل آئے۔

یہ گولہ باری کرنل سیال نے کرائی تھی جو محض ایک اتفاقاً  
چڑھتی کہ گولے وہاں گسے جہاں بھارتیوں نے عورتوں کو گھیرا  
ہوا تھا۔ پاکستانی توپخانے کو تو وہ جگہ نظر ہی نہیں آتی تھی نہ  
کسی کو معلوم تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ہوائیوں کو کرنل سیال  
سورج غروب ہونے سے پہلے نقشہ سامنے رکھے ہوئے دشمن  
کی ان تمام کارروائیوں کا جائزہ لے رہے تھے جو وہ ۶ ستمبر  
سے ۸ ستمبر تک کر چکا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ دشمن ابھی ہڈیارہ  
ڈیرین پار نہیں کر سکا۔ شاید آج رات پار کرے۔ اسی خیال کے  
پیش نظر کرنل سیال نے قیاس آرائی کی کہ ہو سکتا ہے دشمن  
رات کے حملے کے لیے ہڈیارہ کے قریب فوج اور سازوسامان  
کو جمع کر رہا ہو۔ چنانچہ کرنل سیال نے فیصلہ کیا کہ ہڈیارہ سے  
لے کر سرحد تک گولہ باری کرا دی جائے۔ اگر وہاں دشمن ہوا  
تو بھی گولہ باری کام کر جائے گی اور وہاں نہ ہوا تو اسے یہ  
احساس مزور ہو جائے گا کہ پاکستانی توپخانہ اُسے آگے  
نہیں آنے دے گا۔

کرنل سیال نے بہت سی توپوں کو ریفرینس اور فائر  
آرڈر دے کر دو باڑیں فائر کر وا دیں۔ یہ باڑیں اُس میدان

میں خالی ہاتھ متبارہ مقابلہ کریں گے۔ ہم مر جائیں تو ہماری  
عورتوں سے جو سلوک چاہیے کر لینا۔

اس بنیور مسلمان کو ہندو نے چیلنج کا جواب یہ دیا کہ اس  
کے منہ پر رائل فل کاٹ مار کر اس کا جیڑا ٹوڑ دیا۔ بھارتی سپاہی  
لڑکیوں اور عورتوں کی طرف لپکے۔ تمام عورتیں اور لڑکیاں  
سمجھدے میں گر گئیں۔ ہڈیارے کے اس آدمی نے سنایا کہ عیب  
در دناک منظر تھا۔ عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں اور بلند آواز  
سے خدا سے مخاطب تھیں۔ — یا پروردگار! تجھے زینب  
اور فاطمہ کی آبرو کا واسطہ اپنی مسلمان بیٹیوں کی عورت، بچا  
لے..... یا خدا! ہم نے اپنے بیٹے تیری راہ میں قربان کر دیے  
ہیں۔ — ایسا منظر تھا جیسے کائنات کا نپ رہی ہو۔ عورتوں  
اور نوجوان لڑکیوں کی آہ و زاری اور ان کی بے تابانہ دعاؤں  
سے عرش کے کنگرے بھی کانپ رہے ہوں گے۔

بھارتی سپاہیوں نے چند ایک لڑکیوں کو پکڑ لیا۔ اتنے  
میں اس میدان میں حبیب دھماکے ہوئے۔ زمین نے شعلے  
اُٹھے۔ گولوں کے ٹکڑوں کے زنائے سناٹی دیے اور تین چار  
بھارتی جو پرے کھڑے تھے ہول بان ہو کر تڑپنے لگے۔ یہ  
پاکستانی توپخانے کی باڈھتی جو اس طرح گری کہ اپنے کسی آدمی  
کو کوئی نقصان نہ ہوا۔ بھارتی بد کے۔ اتنے میں ایسی ہی ایک  
اور باڈھتی اور میدان گرد و غبار میں روپوش ہو گیا۔ چند اور  
بھارتی مارے گئے اور ان کا ایک ٹرک جلنے لگا۔ بھارتیوں  
کو عورتوں کا کچھ ہوش نہ رہا۔ وہ چلانے لگے۔ حملہ آ رہا ہے۔  
پاکستانی آ رہے ہیں! اور وہ تتر بتر ہو کر بھاگنے لگے۔

اس آدمی نے سنایا کہ جب بھارتی بھاگے تو توپوں کے  
گولے ان کا تعاقب کرنے لگے۔ ہر باڈھتی ان کے اوپر چلتی تھی  
حد یہ کہ وہ سرحد سے بھی باہر نکل گئے لیکن گولے ان کے  
تعاقب میں ان کے اوپر پیچھے رہے۔ عورتوں نے مردوں  
کے ہاتھ کھول دیے۔ وہ بھاگتے ہوئے بھارتیوں پر آواز سے

میں جا چلیں جہاں بھارتی مسلمان عورتوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان ہاڑوں نے عورتوں اور مردوں کو سجات دلا دی اور بھارتی بھاگ اٹھے۔ اور کرنل سیال نے توپوں کا رنچ بڑھا کر دو تین سو گز آگے دو ہاڑیں فائر کر دیں پھر وہ رنچ بڑھاتے ہوئے سرحد تک کو گولہ باری کی زد میں لے گئے۔ یہ یقین وہ ہاڑیں جو بھاگتے دشمن کا تماقب کر رہی تھیں اور جنہوں نے مسلمان عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی آبرو بچالی — یہ ان مصنوم عورتوں کی دعا اور آہ وزاری کا کرشمہ تھا۔

## پراسرار ٹرک

نائب صوبیدار شیردیں بری کے چوبارے پر چلے گئے اور کیپٹن الزواہس آگئے۔ دشمن برک خرد اور برک کلاں کے درمیان علاقے میں دفاعی جنگ لڑ رہا تھا۔ بظاہر اس میں جارحیت کی برکت نہیں رہی تھی لیکن ہر کسی کو یقین تھا کہ دشمن بہت جلد شدید حملہ کرے گا۔

شام پانچ بجے کے قریب بھارت کا ایک سولیلین ٹرک برکی کے اندر آگیا۔ اس کا ڈرائیور فوجی تھا اور تین اور فوجی بھی ساتھ تھے۔ دو سگھتے اور دو ہندو۔ برکی میں انہیں پکڑ لیا گیا اور انہیں ٹرک سمیت اپنے پھیلے مورچوں میں بیچ دیا گیا۔ اس ٹرک میں ریت سے بھری ہوئی پھٹی بوریوں (سینڈ بیگ) تھیں، لوہے کے گارڈز غارڈز اور ایسا ہی بے کاد سامان تھا جسے دیکھ کر سب سوچنے لگے اس سامان کو آگے بھیجنے سے بھارتی کمانڈروں کا مقصد کیا ہے، ان چاروں بھارتیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ انجینئرز بتالین کے سپاہی ہیں اور انہیں صرف اتنا حکم دیا گیا تھا کہ بی آر پی ٹنک چلے جاؤ، وہاں اپنی فوج موجود ہے، وہ تم سے یہ سامان لے لے گی۔

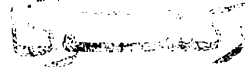
فائر بندی کے بعد ہر حال اس ٹرک کا راز کھل گیا۔ بھارتی کمانڈروں نے اس ٹرک اور اپنے چار سپاہیوں کو داؤ پر لگایا تھا۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو دھوکے میں رکھ کر اس لیے ہزیمٹ ٹرک نے جانے کو کہا تھا کہ معلوم ہو جاتے کہ پاکستانیوں نے برکی کی ٹرک پر تو بارودی ٹرنگیں نہیں بچھا رکھیں؟ انہوں نے سوچا تھا کہ اگر ٹرک اٹا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ٹرک پر بارودی ٹرنگیں بھی ہوتی ہیں اور اگر نہ اٹا تو پاکستانی اسے پکڑ لیں گے۔ چنانچہ بھارتی کمانڈروں کی اس خواہش کو رد نہ کیا گیا۔ برکی کے چوبارے کے ادنیٰ اس انوکھے ٹرک کی وجہ سے اور زیادہ ہو گئے۔

صوبیدار عالم زیب شہید کی پلاٹوں کے سامنے کے علاقے میں کچھ حرکت نظر آئی۔ دُور بین سے دیکھا تو ایسے لگا جیسے بھارتی بارودی ٹرنگیں بچھا رہے ہوں۔ اتنے میں عالم زیب شہید نے بتایا کہ دشمن مشین گن کے لیے پوزیشن کھود رہے۔ نائب صوبیدار شیردیں نے تو پچھانے کے حوالدار فضل داؤی فیلڈ گن سے فائر کر دیا۔ فائر ایسا ٹھکانے پر پڑا

کہ بھارتی سپاہی کھڑے ہوتے سوچے سے ہار آ پڑے شام کے وقت کرنل سیال گن پوزیشنوں کے ممانے کے لیے آگئے۔ وہ ایک گن کے پاس کھڑے تھے کہ دشمن کی شدید گولہ باری شروع ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دشمن کا تو پینا د ہمارے تو پچھانے پر فائر کر رہا تھا۔ گولہ باری شدید تھی اور بہت تیز جو بہت بڑے حملے کا پیش خیمہ تھی۔ دشمن نے پاکستانی تو پچھانے سے بہت نقصان اٹھایا تھا چنانچہ اب وہ اس تو پچھانے پر جوابی گولہ باری کر رہا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنی فوج کو ہماری گولہ باری سے محفوظ رکھنے کے آگے بڑھائے۔

کرنل سیال نے اپنے توپچیوں کو بچانے کے لیے اپنی توپوں کی گولہ باری کو راکوادی اور حکم دیا کہ تمام توپچی مورچوں





مشمول شدہ کیڈل \* آپ کے قدرتی حسن کو نکھارتا ہے۔

یونانیوں ایک خاص مرکب کیڈل شامل ہے جو آپ کی جلد کی قدرتی چمکانا ہٹ قائم رکھ کر اسے ایک کھلتے ہوئے  
 کی مسدود نرم، ملائم اور شگفتہ رکھتا ہے۔ یہی نہیں۔ سبز و کستھونا کی دل فریب خوشبو  
 ہم پر دیر تک مہکتی رہتی ہے، اور آپ کو تازہ رکھتی ہے۔



یہ دواؤں کا نام ہے

\*  
 چارجڈی یونیوں کے تیلوں کا ایک خاص مرکب  
 جو جلد کو صحت مند اور شگفتہ رکھتا ہے!

۔۔۔ آپ کی جلد کے لئے لاجواب ہے۔

رہی تھی۔ پھر اوروں کے دیکھتے ہوئے آہنی ریزے گولیوں کی طرح اڑ رہے تھے۔

کرنل سیال نے تمام توپخانے کو کم دبا کر مورچوں سے نکل کر اپنی اپنی گنتوں پر چلے جاؤ اور اپنی "بنتا فائر" مالتے ہیں اور توپخانے کی پوزیشنوں میں دشمن کے گولوں کے دھماکے موت کے تھقبے بنے ہوئے تھے۔ توپچیوں نے فائرنگ شروع کر دی کسی کو کم نہیں تھا کہ وہ کھٹے لٹے اور زندہ رہے گا۔ اور جو گولہ لٹو کیا ہے وہ فائر کرنے کی بھی موت مہلت دے گی یا نہیں۔ توپچیوں نے بلند آواز سے کھڑے شہادت کا درد شروع کر دیا اور اس مقدس درد کے ساتھ وہ گولے لٹو اور فائر کرنے لگے۔ یہ زندگی اور موت کا بھیانک معرکہ تھا۔

گولے تیار کر کے توپچیوں کو دینے والوں کے پاس گراں پر لکیریں ڈالنے کے لیے جاتا پھرتے تھے۔ انہوں نے ہر گولے پر اللہ و رسول کے نام لکھنے شروع کر دیے۔ کسی پر یا اللہ لکھا، کسی پر یا محمدؐ یا علیؑ یا پاک پروردگار اور بعض گولوں پر انہوں نے لکھا۔ "اے گولے ہم اگلے جہان تم سے حساب لیں گے۔" اس طرح ہر گولے پر کچھ نہ کچھ لکھ کر اسے فائر کیا گیا۔

برکی سے صوبیدار شیردل نے جس تارگیٹ کے لیے فائر مالا لگا وہ اس کی پوسٹ (چو بارے) سے صرف دو سو گز دور تھا دشمن کے ٹینک اور الفنتری برکی میں داخل ہو رہی تھی۔ برکی کے دائیں اور بائیں گھسان کا معرکہ لڑا جا رہا تھا۔ ایک طرف میجر حبیب شہید کے نعروں تھے اور دوسری طرف نائب صوبیدار عالم زیب شہید کے۔ عالم زیب شہید کے ساتھ کئی چھبیس (۶۶) جوان تھے جو دشمن کی پوری پلٹن کو روکے ہوئے تھے۔ اسی طرح حبیب شہید کی پلاٹن بھی پوری پلٹن کو روکے ہوئے تھی لیکن دشمن کے ٹینک پہلوؤں سے آگے نکل آئے

Fox Holes میں چلے جاتیں۔ کرنل سیال بھی ایک قریبی مورچے میں چلے گئے۔ یہاں یہ دغاوت مزوری ہے کہ جب گولہ آتا ہے تو اس سے پہلے اس کے فائر ہونے کی آواز پہنچ جاتی ہے، ایک دو سیکنڈ میں گولے کے آنے کا زانا سنا دیتا ہے، پھر گولہ آکر گرنا اور پھٹتا ہے۔

کرنل سیال نے مجھے بتایا کہ پاک فوج کی کامیابی کا راز جذبہ اثبات ہے۔ اس کی ایک ہی مثال پیش کرتے ہوئے کرنل سیال نے سنایا کہ جب وہ مورچے میں جا بیٹھے تو جو ہنی دشمن کی توپیں فائر ہونے کی آواز آتی تو وہ اپنا سر نیچے کر لیتے۔ ایک بار انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی بیٹھ پر ہر بار وزن سا آجاتا ہے۔ انہوں نے دیکھا، یہ نائب صوبیدار محمد اسلم شہید تھے جو باڑ فائر ہوتے وقت کرنل سیال کے اوپر ہو جاتے تھے۔ کرنل صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ محمد اسلم شہید نے جواب دیا۔ "جناب! آپ تو پچانے کے کانڈر ہیں اور مجھ سے زیادہ قیمتی۔ میں مر گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ کو زندہ رہنا چاہیے۔" محمد اسلم شہید اپنے کانڈر کو گولہ باری سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

## زندگی اور موت کا

## بھیانک معرکہ

گولہ باری شدید ہوتی چلی گئی۔ برکی کا "ادنی" صوبیدار شیردل فائر مانگ رہا تھا۔ وہ اطلاع دے رہا تھا کہ دشمن نے اچانک پورے بریگیڈ کی قوت سے برکی پر حملہ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ پوری ٹینک رجمنٹ ہے۔ کرنل سیال اپنے توپخانے کو زیادہ دیر خاموش نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ مورچوں سے باہر کا منظر بمبیت ناک تھا۔ زمین کا پتہ ہی تھی۔ گولے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ رہے تھے۔ ہر طرف آگ برسن

ہے جو دم کا مستحق نہیں۔ دشمن کے انہروں کا وادیا صاف سنائی دے رہا تھا۔ اس طرح کی آوازیں آرہی تھیں۔

”یہ رجسٹرڈ تارگیٹ ہے۔ آگے نکلو“

”پچھے نکلو“

”اس تارگیٹ سے نکلو۔ آگے۔ آگے۔“

اور اسی واویلے میں کوئی بھارتی چلا آیا کہہ رہا تھا:

”کرنل جوشی مارا گیا ہے۔ کوئی اور آگے آؤ..... کرنل صاحب

مارے گئے..... مارے گئے۔“

ایک آواز یہ بھی آئی۔ ”تم کہتے تھے کہ پاکستانی

توپوں کا مزہ بند کروں گا۔ بھاگتے کیوں ہو؟ اور بھارتی ایک دوسرے کو گالیاں بھی دے رہے تھے۔ لیکن بل بل کر مرنے

والوں کی آہ و بکا بڑی دردناک تھی۔

دشمن کے توپخانے کی گولہ باری نہرا اور نہر سے پیچھے

قیامت بپا کئے ہوئے تھی۔ برکی کے چوہارے پر اب دشمن

کے ٹینک بھی فائر کر رہے تھے۔ صوبیدار شیردل، میجر عمر بڑھی

مشید اور ان کے جوانوں کا پریچ نکلنا کسی صورت ممکن نہ تھا۔

لیکن صوبیدار شیردل کا مزہ ڈالیں سیٹ کے ساتھ اور

آنکھیں دشمن پر تھیں۔

برکی کے داہیں بائیں جنگ ستمبر کا خنزیر ترین مرکز لڑا

جار رہا تھا کچھ علم نہ تھا کہ کون زندہ ہے اور کون شہید ہو گیا

ہے۔ یا علی کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ ہر طرح کا ایوٹیشن

اور گریمنڈ بارش کی طرح برس رہے تھے۔ آج کی رات دشمن

پیچھے ہٹنے کے لیے مہینے آیا تھا۔ اُس کی تین پلٹوں کو کم دیا گیا

تھا کہ ایک پلٹوں کی آربی پارکر کے برج ہیڈ قائم کرے گی۔

دوسری آگے نکلے گی اور تیسری برکی میں رہے گی حقیقت ہے

کہ دشمن کے آگے نکل آئے میں کوئی شک نہیں تھا۔

صوبیدار شیردل نے دیکھا کہ دشمن رجسٹرڈ تارگیٹ سے

بھی آگے نکل آیا ہے اور چوہارے تک پہنچے ہیں اب چند

تھے۔ آمد پہلا ٹوئیں بے جگہ سے لڑ رہی تھیں۔ یہ تو پوری ٹینک رجمنٹ تھی اور ساتھ پورا بریگیڈ تھا۔ ٹینک رجمنٹ کا کمانڈر کرنل جوشی تھا۔

جب برکی میں داخل ہونے والے ٹینک اور دستے برکی

کے قریب آئے تو صوبیدار شیردل سے ان کا فاصلہ دو سو گز

تھا اور وہ ہیں چوہارے میں کھڑا فائر آرڈر دے رہا تھا۔ وہ دشمن

کی گولہ باری کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ تین چار گولے اس بالائی کرے کی

دیواریں چھاتے ہوئے گزر گئے۔ جن کرے میں شیردل دشمن کے

غلاف ڈٹا ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ رات کا وقت تھا۔ ہندوؤں

کے بے کارے اور سکھوں کی ست سری اکال بہت قریب

سنائی دے رہی تھی۔

جوہنی ٹینک اور دستے دو سو گز قریب آئے تو یہ

جگہ توپخانے کا جڑ کیا ہوا تارگیٹ تھی۔ صوبیدار شیردل نے

تارگیٹ نمبر دے کر فائر کر دیا۔ پہلی ہی باڑ ٹھکانے پر پڑی کرنل

جوشی کھلی جیب میں اپنی ٹینک رجمنٹ کی قیادت کر رہا تھا۔

وہ پہلی باڑ میں ہی مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دو ٹینک ہٹ

ہو کر جلنے لگے۔ دشمن برکی میں داخل ہو چکا تھا بلکہ توپخانے

کے پچھلے میں آگیا تھا۔ صوبیدار شیردل دائیں پرچینا۔

’دی تارگیٹ... فائر۔‘ پاکستانی توپچیوں نے باڑ پر باڑ فائر کی

تو دشمن کے ایک دو ٹرک جلنے لگے۔ ٹینک پہلے ہی بل رہے

تھے۔ ان سے سڑک بند ہو گئی اور بھارتی سپاہی مشغلوں میں

پھنس کے رہ گئے۔

صوبیدار شیردل نے مجھے وہ بھیانگ منظر سنا تے مجھے

بتایا کہ دشمن اسی بری طرح ہماری گولہ باری اور اس کی لگائی

ہوئی آگ میں پھنس گیا کہ بھارتی سپاہی زندہ جلنے لگے۔ دائیں

اور بائیں سے مکالوں کی وجہ سے بھاگنے کی جگہ نہیں تھی۔ زمینیں

کی پیچ و پکارا تھی دردناک تھی کہ شیردل کو رحم آگیا۔ لیکن اسے

فوتنا احساس ہو گیا کہ یہ اس کے ملک اور قوم کا بدترین دشمن



ہنری سینڈوز

کی  
خصوصی پیشکش

ماڈل

721

پاکستان بھر میں

ہر جگہ دستیاب ہے

اسٹاکسٹ :

انٹرنیشنل واپحہ کمپنی

لکھنؤ، بنگلہ دیش،  
کراچی

فون : ۳۴۶۴۷



## چہ بھارتی اکبلا شیردل

جب یقین ہو گیا کہ دشمن برکی میں چھایا ہے اور صوبیدار عالم زیب شہیدی کی طرف سے دشمن کے ٹینک آگے نکل گئے ہیں تو میجر عزیز بھی شہید اور صوبیدار شیردل نے فیصلہ کیا کہ پوسٹ چھوڑ کر پھیل Alternate پوسٹ یعنی نہر کے قریب چلیں۔ ٹیلی فون کلابا پ بھی ٹھیک تھا۔ شیردل نے کرنل سیال کو رپورٹ دی کہ میں پوسٹ چھوڑ رہا ہوں۔ انہوں نے اپنے جوانوں کو ایک ایک کر کے بی آر بی کے کنارے تک پہنچنے کو کہا، جب وہ نکل گئے تو صوبیدار شیردل جو بارے سے نیچے والی منزل میں آیا اور اس طرف کے دروازے سے نکلنے لگا جو گاؤں کی طرف نکلتا ہے۔ میجر عزیز بھی شہید ابھی پیچھے تھے جو بھی شیردل نے دروازے سے باہر قدم رکھا کسی سپاہی نے ان کی بائیں ران پر ٹین گن کی نالی رکھ کر چلیج کیا۔ ”مینیڈر اپ“

یہ جانتے ہوئے کہ برکی عملاً دشمن کے قبضے میں آ گیا ہے صوبیدار شیردل کو یقین نہ آیا کہ کوئی بھارتی سپاہی اس قدر جرأت کر سکتا ہے کہ ایک مسلمان کو یوں چلیج کرے۔ شیردل کو یہ خیال بھی آیا کہ شاید کسی پاکستانی جوان نے اُسے ہندو سمجھ کر روک لیا ہے۔ رات کا وقت تھا اور دھماکوں سے دماغ ماؤن ہوئے بارے تھے۔ جو بھی شیردل نے ”مینیڈر اپ“ کا چلیج سنا اور دان پر سٹین گن کی نالی دھجی تو سٹین گن کو ہاتھ سے پرے کر کے بڑے اطمینان سے بولا۔ ”اے انسان بزدل کیا کر رہے ہو“

دوسرے ہی لمحے انہیں نظر آ گیا کہ یہ تو بھارتی سپاہی ہے۔ شیردل کی اپنی سٹین گن سناٹک سے اس کے کندھے سے ٹک رہی تھی۔ اسے اتار کر سیدی کر کے فائر کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے بھارتی سپاہی کی سٹین گن کی نالی کو بائیں ہاتھ میں پکڑا

منٹ لگیں گے۔ اُس نے دائر لیس پر اپنے تو سچانے کو کہا کہ پس اس گز اور قریب فائر کرو۔ اس فائر سے بھی دشمن میں بہت تباہی مچی لیکن انڈین آرمی اپنی لاشوں پر بڑھی آرہی تھی۔ دشمن اور قریب آ گیا تو شیردل نے پھر فائر آڈر دیا۔ ”ڈراپ ہفتی Drop Fifty“ یعنی پس اس گز اور قریب فائر کرو

ریج پیٹ ہی کم تھا۔ یہ فائر آڈر کرنل سیال نے سن لیا تو انہوں نے دائر لیس پر شیردل کے ساتھ براہ راست بات کی اور پوچھا۔ ”شیردل! اپنے سر پر فائر کرنا چاہتے ہو؟“ ان کا خیال تھا شاید شیردل دشمن کے ٹینکوں کے سامنے گھبرا کر غلط فائر آڈر دے رہا ہے۔ ایسا کہ ”اوپر“ ہوگا جو توپوں کی ہڈا اپنے منہ کے سامنے فائر کراتے گا؛ لیکن شیردل کے ہوش ٹھکانے تھے۔ اس نے کرنل سیال کو جواب دیا۔ ”ہاں صاحب! میں اپنے سر پر فائر مانگتا ہوں۔ دشمن سر پر آ گیا ہے۔ جب تک زندہ ہوں فائر آڈر دیتا رہوں گا۔ آپ فائر بتے رہیں۔“ شیردل نے کرنل صاحب کو بتایا کہ برکی کی بستی اور ارد گرد کا علاقہ دشمن سے بھر گیا ہے۔ ہر طرف جنگ جھوم رہی ہے۔

کرنل سیال نے صوبیدار شیردل سے کہا۔ ”شیردل! تم جہاں ہو، میں وہیں تمہارا مقبرہ بناؤں گا۔ مرد کے بچے! ابھی پوسٹ نہ چھوڑنا“

میجر عزیز بھی شہید برکی کے شمال میں گولہ باری کر رہے تھے۔ شیردل کی تمام تر توجہ برکی پر تھی۔ کرنل سیال نے برکی کے سامنے یعنی مشرق میں اس طرح کی تیز Rapid گولہ باری شروع کر دی کہ آگ کی دیوار کھڑی کر دی۔ اس آتشیں دیوار سے اب نہ کوئی پیچھے نکل سکتا تھا نہ آگے آ سکتا تھا۔ دشمن بستی کے پہلوؤں سے آگے نکل آیا تھا۔ نہر کے کنارے اپنے ٹینک اور پیادہ دستے جان کی بازی لگا کر دشمن کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دو بھارتی مرگے لیکن وہ دوسری نہیں تھے۔ ان کے پیچھے چار اور بھارتی اس طرح آگے بڑھتے نظر آئے کہ چاروں نے رائفلیں گولہوں سے لگائی ہوئی تھیں، سسٹینیں چڑھی ہوئیں اور چاروں کی نالیاں شیردل کی طرف تھیں۔ ان میں دو سکھ تھے۔ ان میں سے کسی نے لگا کر کہا: "مینڈر آپ"۔

اتنے میں میجر بھٹی شہیداندر سے دروازے میں آئے اور پوچھا: "شیردل کیا ہو رہا ہے؟" شیردل نے جواب دیا: "باہر آ کے دیکھیے،" میجر بھٹی شہید نے ریوا اور نکال کر ٹریگر دیا لیکن گولی نہ چلی۔ ریوا اور جام تھا۔ شیردل نے سٹین گن کو دھانسی سے بائیں حرکت دے کر ٹریگر دیا یا تو اسے مینڈر آپ کرانے والے تین سپاہی گر پڑے اور پوچھا (سکھ) بے طرح بھاگ اٹھا، اور گلیوں کے اندھیرے موڑ میں غائب ہو گیا۔

چار بھارتی تو فوراً دور سے پڑے تھے۔ ایک ان سے ذرا آگے اور جس نے شیردل کی دان پر سٹین گن رکھی تھی وہ بڑا کے قدموں میں پڑا تھا۔ شیردل اسے دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اس کے پیٹ پر چڑھ کر اس کی بھٹی ہونی گردن کو چیرنے پھاڑنے لگا۔ وہ غصے میں کہے جا رہا تھا: "مہندو کی بر جڑاں کہ مسلمان کو سٹین گن دکھائے؟" شیردل کو بالکل احساس نہیں تھا کہ اس کی اپنی انگلی کٹ گئی ہے۔ وہ بھارتی کو قہر آلود طریقے سے چیر پھاڑ رہا تھا۔ میجر بھٹی شہید نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا: "کافر مرا ہوا ہے، دف کر دو"۔ لیکن شیردل کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔ بڑا مشکل سے اسے اٹھایا گیا۔ بھارتی کی سٹین گن بھی لے لی گئی۔

جو ذرا پرے چار مرے ہوئے تھے ان میں ایک سا حوالدار تھا گلیے میں دو برہمن بھی جو شیردل نے اتار دی۔ بیشتر اس کے کہ میں میجر بھٹی شہید اور صوبہ شیردل کے متعلق لکھوں کہ برکی کے آتش فشاں پہاڑ سے طرح نکل کر وہ بی آر بی تک پہنچے، میں ان بھارتیوں کے



اور بجلی کی سی تیزی سے گن کو سپاہی کی طرف دھکیلا۔ پاکستانی صوبہ دار کے دھکے سے گن کے ساتھ ہی بھارتی سپاہی پیچھے کو گرنے لگا۔ شیردل نے سٹین گن کو اپنی طرف کھینچا۔ گن کوڑ اور کا کھٹی اور سپاہی کی انگلی ٹریگر میں تھی۔ گن فائر ہو گئی شیردل کا ہاتھ نالی کے آگے تھا۔ گولیاں اس کے ہاتھ سے اس طرح گزریں کہ انگوٹھے کے اوپر والے پٹھے کو چیرتی چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی کو توڑ گئیں۔

بھارتی سپاہی شیردل کے آگے اور پیچھے کے دھکے سے سنبھل نہ سکا اور گر پڑا۔ شیردل نے اس کی گن چھوڑی اور اپنے کندھے سے سٹین گن اتار لی۔ اس کی گن میں میگزین لگی ہوئی تھی اور گن کا کھٹی۔ دوسرے بھارتی سپاہی اٹھا اور شیردل نے گن فائر کر دی۔ پورا برہمن بھارتی کی گردن سے گزر گیا۔ اس کے پیچھے ایک اور بھارتی سپاہی تھا۔ گولیاں آگے سپاہی کی گردن سے گزر کر پیچھے سپاہی کی کھوپڑی سے پار ہو گئیں۔ ایک بوجھاڑ سے



متعلق جو شیردل اور میجر عروبہ بھی مشہد کو "ہینڈ زاپ" کر لے آئے تھے، ساری بات یہیں بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ اس واقعے کا یہ پہلو قابل غور ہے کہ چھ بھارتی سؤرے شین گنیں اور رائفلیں تانے شیردل کے سامنے کھڑے رہے لیکن گولی نہ چلائی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ شیردل ان کے دو ساتھیوں کو ہلاک کر چکا ہے پھر بھی باقی چار بھارتیوں نے اس پر گولی نہ چلائی۔ ان چھ میں سے جو بھاگ گیا تھا وہ لانس نامک ڈولہا سنگھ تھا۔ اس نے (بعد میں پتہ چلا کہ) اپنی یونٹ میں جا کر یہ رپورٹ دی تھی کہ وہ برکی کے چوبارے والے پاکستانی "اوپی" کو مار آیا ہے۔ چنانچہ آل انڈیا ریڈیو سے چند دنوں بعد "برکی کی فتح" کے عنوان سے ایک فیچر نشر کیا گیا جس میں کہا گیا کہ "ہمارے جوانوں نے برکی کے 'اوپی' کو گولیوں سے چھلین کر دیا۔" حقیقت یہ تھی کہ بھارتیوں سے نہ برکی فتح ہوا نہ وہ ہمارے "اوپی" کو گولیوں سے چھلین کر سکے۔

## دو دوستوں کی ڈرامائی ملاقات

فاترہ بندی کے بعد صوبیدار شیردل کو پیغام ملا کہ سکھ رجمنٹ کا صوبیدار دیدار سنگھ اسے ملنا چاہتا ہے۔ شیردل نے اپنے افسروں سے اجازت لی اور دیدار سنگھ کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔ پاکستانی شہرلوں نے عافوں پر بڑھتے ہیجے تھے ان میں مٹھائی کے ڈبے بھی تھے۔ صوبیدار شیردل نے مٹھائی کے دو ڈبے دیدار سنگھ کے لیے تختہ تیار کیے اور اسے حاملہ صوبیدار دیدار سنگھ اس کے لیے دونی چادریں تختے کے لیے لایا تھا۔ دونوں دست بہیں برس بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنسی ہو کر ملے۔ جب دیدار سنگھ نے شیردل کو چادریں پیش کیں تو شیردل نے اسے کہا "دیدار سنگھ! میں تمہارا

صوبیدار دیدار سنگھ نے صوبیدار شیردل کو بتایا۔ "بھے قطعاً علم نہ تھا کہ برکی کے چوبارے پر تم 'اوپی' ہو۔ میری باتیں کو حکم ملا تھا کہ ایسے دلیر آدمی بھیجو جس 'اوپی' کو زندہ پکڑ لائیں۔ اس طرح ان چار سپاہیوں، ایک لانس نامک اور ایک توالدار کو یہ ہدایت دے کر بھیجا گیا تھا کہ وہ 'اوپی' کو زندہ پکڑ کر لائیں اس پر گولی نہ چلائیں۔"

ہمارے "اوپی" کو زندہ پکڑنے سے بھارتیوں کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو اس "اوپی" کی حاضردماغی نے ان کا بہت نقصان کیا تھا اور دوسرے یہ کہ وہ اس سے توپخانے کا فائر پلان اور گن پوزیشنوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے اپنے توپخانے نے اس روز تک ان کا جو حشر کیا تھا اس کے خوف سے وہ آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔ گیارہ تاریخ کی رات کی اس ندر شدید گولہ باری سے توپخانے کی زبان میں

اور Counter Bombardment

کھتے ہیں، پاکستانی توپخانے

Intense Fire

کو خاموش نہیں کر سکی تھی۔ چنانچہ وہ ہمارے "اوپی" کو پکڑ کر پوچھنا چاہتے تھے کہ ہمارے توپخانے کی کامیابی کا راز کیا ہے۔

صوبیدار دیدار سنگھ نے صوبیدار شیردل کو بتایا۔ "میرے لانس نامک ڈولہا سنگھ نے آکر رپورٹ دی کہ وہ 'اوپی' کو ہلاک کر آیا ہے کیونکہ وہ اتنا نہیں آرا تھا۔ چنانچہ اس کی رپورٹ کو سرکاری حیثیت دے دی گئی۔ یہیں کسی نہ کسی طرح پنڈل لیا کہ اس 'اوپی' کا نام شیردل ہے۔ میں نے یہ نام

اپنی آکاش والی کو نہ بتایا کہ اپنے فیچر میں ترمیم کرو۔ آکاش والی سے دوسرے نمبر سے روز کسی دہائی کی پیشین گوئی سے "برکی کی فحش" کا فیچر نشر ہوتا رہا اور یہ رٹ جاری رہی کہ "ہمارے حوالوں نے برکی کے 'اولی' کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔"

## عالم زیب کے چھبیس جاں نثار

صوبیدار شیردل ان پانچ بھارتیوں کو ختم کر کے میجر عزیز بھٹی شہید کے ساتھ بستی سے نکلے گئے۔ زندہ لکڑی آٹا لٹا کر ممکن نہ تھا۔ ہر طرف شدید جنگ جاری تھی۔ رات کا وقت تھا اپنے پرانے کی تیر ختم ہو گئی تھی۔ اب اپنے توپخانے کے گولے برکی کے اندر بھی گر رہے تھے۔ صوبیدار شیردل اور میجر عزیز بھٹی شہید ایک گلی میں سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک سپاہی بھاگتا آیا۔ اس کے چہرے پر واڈھی تھی۔ صوبیدار شیردل نے سین گن سیدھی کرنی، بڑی دبانے ہی لگے تھے کہ اس سپاہی نے چلا کر کہا — "فائر نہ کرنا، میں پاکستانی ہوں۔" اس نے قریب آکر بتایا کہ صوبیدار عالم زیب شہید ہو گئے ہیں۔ دشمن کے ٹینک ان کے مورچوں کے اوپر سے گزر گئے ہیں۔ اس سپاہی نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنی پلاٹون کا واحد سپاہی ہے جو بچ کر نکل سکا ہے۔

صوبیدار عالم زیب شہید صوبیدار شیردل کا دوست تھا۔ وہ اس کی لاش اٹھانے کے لیے چل پڑا۔ میجر عزیز بھٹی شہید نے اسے روکا کہ اس خود بڑے معرکے میں جہاں دوست اور دشمن کی تیر ختم ہو گئی ہے آگے جانا بے فائدہ مرنے والی بات ہے۔ لیکن شیردل پر ایسے جذبات غالب آ گئے کہ وہ اس طرف بھاگ اٹھا جہاں عالم زیب شہید کے مورچے تھے۔ عالم زیب اس کا

سنا تو تم یاد آگئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شیردل میرا بھری اور پرانا دوست ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے مہاری دوستی یاد آئی تو میں برکی کے اس چوباسے پر گیا، پھر برکی کی گلیوں میں گھومتا رہا اور مہاری لاش کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ میں نے ہکا ارادہ کیا تھا کہ مہاری لاش اٹھا لاؤں گا اور باقاعدہ قبر کھود کر تنہا اپنے ماتحتوں پورے احترام سے دفن کروں گا لیکن مہاری لاش نہ ملی۔ مہاری الفنزئی کے دو تین سپاہیوں کی منتیں کیں اور انہیں دوستی کا واسطہ دے کر مہارے متعلق پتہ کرایا تو انہوں نے پتہ کر دیا کہ تم زندہ ہو۔

صوبیدار شیردل نے اسے سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح صوبیدار دیدار سنگھ کے سڑے اُسے زندہ پکڑنے آتے تھے مگر خود مر گئے اور ایک بھاگ گیا۔ دیدار سنگھ نے یہ سن کر اپنے ایک سپاہی کو بلایا اور غصے سے گالی دے کر اسے کہا کہ لائن نامک دولہا سنگھ کو بلا لاؤ۔ ذرا سی دیر میں دولہا سنگھ بھاگتا آیا تو صوبیدار دیدار سنگھ نے اُسے تین چار گالیاں دے کر کہا — "یہ ہے مہارا باب وہ اپنی جیسے تم مار آتے تھے۔"

صوبیدار شیردل نے دولہا سنگھ سے کہا — "میں نے مہارے پانچ ساتھیوں کو سین گن سے مار دیا تھا تو تم نے مجھ پر گولی کیوں نہیں چلائی؟ بھاگ کیوں آتے تھے؟ دولہا سنگھ نے مصمصیت سے کہا — "میں نے گولی تو چلائی تھی۔ میں مہارا خدا تو نہیں تھا کہ تم میرے حکم سے مر جاتے۔"

معلوم ہوا کہ لائن نامک دولہا سنگھ بالین کا چنٹ ہوتا ایتھلیٹ ہے اور جو آدمی "اولی" کو زندہ پکڑنے گئے تھے وہ سب چنے ہوئے لڑاکا جوان تھے۔

صوبیدار شیردل کو زندہ دیکھ کر بھی بھارتیوں نے

# Cereals

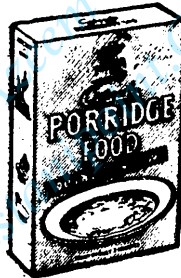


خوش و خرم گھرائوں  
میں سب کی پسند

سیریلز  
اوٹس  
غذائیت سے بھرپور  
اور بین الاقوامی معیار  
کے عین مطابق



سیریلز  
پورینج فوڈ  
توت بخن ناشتے  
کے لئے دُنیا بھر  
میں مانا ہوا۔



سیریلز  
کورن فلیکس  
خوش ذائقہ برتنے  
اور کڑکڑے۔ براہ راست  
ڈبے سے استعمال کیجیے۔



(منوفے نام و منڈیشے کا ایک پروڈیکٹ)  
پوسٹ بکس نمبر ۵۷ : راولپنڈی

بیڑی کو فائر آرڈر دیا اور سکول اور شفا خانے کے قریب کوئے فائر کرائے۔ برکی کے بھانے اور ہسپتال کے درمیان دشمن کی نہ جانے کتنی نفری اکٹھی ہو گئی تھی۔ اس کے پیچھے ان کے ٹینک اور ٹرک جل رہے تھے۔ ساتھ ہی بھانے کو آگ لگ گئی۔ صوبیدار شیردل نے بھانے اور ہسپتال کے درمیان گولہ باری کرائی۔ بھارتی سروسے آگ کے شعلوں میں جھلس کر رہ گئے۔ آگے کوئے پیچھے اور واپس باقی آگ۔ کوئی سرگئے اور باقی زندہ چلے گئے۔ وہ صبح پنج بج کر ایک دوسرے کو بلارہے تھے۔ کئی آوازیں اس طرح کی بھی سنائی دیں کہ سپاہی اپنے دوستوں کو نام لے کر پکارتے تھے اور کہتے تھے۔ ”ارے مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو“ ان آوازوں میں سپاہیوں کے رونے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ بچوں کی طرح بلک رہے تھے اور صوبیدار شیردل گولہ باری کر رہے تھا۔ کوئی اندازہ نہیں کہ دشمن کی کتنی نفری گولوں سے مری اور کتنی زندہ بل گئی۔

برکی کے جنوب میں میجر عبد الجبیب شہید کے گھر سے گرج رہے تھے۔ ان کے جوان دشمن کو روکے ہوئے تھے۔ جبیب شہید کے جواؤں کا ایونٹیشن ختم ہونے لگا تو وہ خود بی آر بی میں کود گیا۔ پیچھے سے ایونٹیشن کے مکس لیے اور کندھے پر اٹھا کر تیر کر پار پہنچا اور مورچے مورچے میں ایونٹیشن پہنچا مارا۔ جبیب شہید کے ساتھ تو بھانے کا صوبیدار نذیر احمد اپنی بھانے اس سے پرے کیپٹن انظر الطاف اور بوڑھے خانے کے قریب نائب صوبیدار ربانی ”اوپنی“ تھے۔ شمال میں بی آر بی کے پدروی پل پر میجر حسن العزیز ”اوپنی“ تھے اور تو بھانے کے میجر گیلانی اس قدر فائرنگ میں غلغلہ جھپ میں دشمن کے سامنے گھوم پھر کر گولہ باری کو مار رہے تھے۔ یفرض شامی اور حب الوطنی کابلے مثال مظاہرہ تھا۔ دشمن کا زور اس قدر تھا کہ کوئی انسان مورچے سے باہر ایک لمحے کے لیے بھی ٹھہر نہیں سکتا تھا لیکن

صرف دوست ہی نہیں مطلقاً شیردل کو یہ احساس پاؤا کہ جارہا تھا کہ عالم زیب شہید دشمن کے ٹینکوں کا مقابلہ کرتے شہید ہوا ہے اور اس کے چھپیں جوان پیچھے آ جانے کی بجائے ٹینکوں کا مقابلہ کرتے کھتے وہیں شہید ہوئے۔ جہاں ان کے قدم جم گئے تھے۔ لیکن وہ اب کہاں تھے؟

عالم زیب شہید کے مورچوں میں گئے تو دواں دشمن کے گولے پھٹ رہے تھے۔ ٹینک آگے نکل گئے تھے، کچھ پیچھے چلے آ رہے تھے۔ فضا میں گولیاں سنسنار ہی تھیں اور شیردل موت کے اس جھیاٹک منظر میں چلا رہا تھا۔ ”عالم زیب، عالم زیب“ وہ عالم زیب کو پکارتا، دل دلا دینے والے دھماکوں اور آگ کی بادش میں ان جاں نثاروں کے مورچوں ٹنگ گیا۔ دواں کوئی انسان نہیں تھا۔ ان کا کچھ سامان بھرا ہوا تھا، جگہ جگہ خون پھیلا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ فدا یان اسلام مورچوں سے نکل کر پھر کر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اگر مورچوں میں شہید ہونے تو لائشیں مورچوں میں ہی ہوتیں۔

ان میں سے چودہ شہید ہو گئے تھے، گیارہ شدید زخمی اور صرف ایک جوان سلامت رہا تھا۔

میجر عزیز بھٹی شہید اور صوبیدار شیردل بی آر بی کے کنارے پہنچے اور ایک پکے بنکر کے اوپر بیٹھ گئے۔ دواں سے دیکھا کہ برکی کے سکول کے قریب سے دشمن کا ایک ٹینک ٹین گن فائر کر رہا ہے۔ دشمن کے ٹرک جل رہے تھے اور نہ جانے کہاں کہاں آگ لگی ہوئی تھی جس کی روشنی میں برکی کے اندر کا منظر نظر آتا تھا۔ دشمن کے اس ٹینک کے ساتھ جیسے جیسے جن پرلٹ ہوئی آواز گنیں بھی فائر کر رہی تھیں۔ دشمن کا ایک اور ٹینک موتیوں کے شفا خانے کے قریب سے گولے برسا رہا تھا اور اس کی مشین گنیں بھی فائر کر رہی تھیں۔

صوبیدار شیردل کو بتایا گیا کہ اپنے تو بھانے کے ساتھ ٹینڈا ٹیلی فون کا رابطہ ابھی تک قائم ہے۔ انہوں نے فون سے اپنی

پر عتاب تھا کہ بھارتی ان کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے۔

جب دشمن نہر پر ان پانچواں اور اس کا توپ خانہ ہمارے توپ خانے کو خوشنک طریقے سے زد میں لینے لگا تو اس میں کوئی شک نہ رہا کہ دشمن نہر پار کر آئے گا جب صورت حال انتہائی تشویشناک ہو گئی تو جنرل سرفراز خان کو اطلاع دی گئی کہ دشمن برکی سے آگے نکل کر نہر کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا ہے جنرل سرفراز خان نے اس پیغام کے جواب میں فوراً کوہلے میں کہا "تم لوگ دشمن کو نہر کے کنارے کس طرح برداشت کر رہے ہو؟ اسے برکی سے پیچھے دھکیلو" اس حکم کے ساتھ ہی جنرل سرفراز خان نے ٹینکوں کے

دوسکوارڈن اور ایک دستہ بکتر بند گاڑیوں Armoured Personnel Carrier کا بھیج دیا۔ ٹینکوں کے کمانڈر کرنل بشیر احمد بیٹ تھے اور بکتر بند گاڑیوں کے کرنل رحمان جنرل سرفراز خان نے انہیں حکم دیا کہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو عام انداز سے دھپلائے نہ کریں بلکہ بی آر پی کے اس طرف کنارے پر دیوار کی طرح کھڑا کر کے دشمن کا مقابلہ کریں۔ یہ ایک دیرانہ فیصلہ تھا۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑی (اسے پی سی) کو متحرک طریقے سے لڑا جاتا ہے یہی ان دونوں کا فائدہ ہے انہیں توپ کی طرح ساکن رکھ کر استعمال کیا جائے تو دشمن انہیں فوراً نشانہ بنالیتا ہے لیکن برکی فرنٹ کی صورت ایسی ہو گئی تھی کہ خطرہ مول لینا پڑا جنرل سرفراز خان نے ایک دیرانہ حکم تو دے دیا لیکن جس طرح ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے سواروں نے اس حکم کو عملی جامہ پہنایا وہ پاک فوج کے جذبہ جہاد اور جنگی مہارت کا دلورانیہ مظاہرہ ہے۔

جوں ہی ٹینک نہر پر گئے یکے بعد دیگرے اپنے ڈیوٹیک جہٹ ہو گئے لیکن کسی ٹینک سوار کے جذبے میں کوئی فرق نہ آیا۔ انہوں نے فی الواقع آگ اور بوسے کی دیوار کھڑی کر دی اور کمال یہ ہے کہ ٹینکوں کو متحرک بھی رکھا۔

اپنے توپخانے کے "او پی" جان کی بازی لگا کر، کمال مافرد مافی سے، اپنے توپخانے کو صحیح فائر آؤر دیتے تھے۔ یہ ان ہی کا کارنامہ ہے کہ دشمن کا زور ٹوٹنے لگا۔

بھارتی ٹینک رجمنٹ کا کمانڈر کرنل جوشی مارا گیا تو ہجر ہیرا سنگھ نے بی آر پی پار کرنے کا پلان بدل دیا اور اپنے ٹینکوں اور دستوں کو برکی کے شمال کی طرف سے آگے بڑھا پلاس چال میں وہ اس حد تک کامیاب ہو گیا کہ برکی اور بی آر پی کے درمیان پوزیشن نے لی اور اس طرف سے نہر تک آن پہنچا۔

صوبیدار شیردول اور میجر ع۔ ریز بھی شہید کشی میں بیٹھ کر پیچھے آگے کشی میں سوار ہوئے وقت میجر ع۔ ریز بھی شہید نے صوبیدار شیردول کا ہاتھ پکڑا تو بوسے "شیردول" انتہار ہاتھ شاید زخمی ہے، شیردول کو اس وقت ہاتھ کے زخم کا احساس ہوا اور دیکھا کہ ایک انگلی کٹی ہوئی ہے۔ انہوں نے پی ہانڈ لی۔ پیچھے آئے تو انہیں ہسپتال بھیجے کا فیصلہ ہوا کیونکہ بالبال ہاتھ بیکار ہو گیا تھا۔ ان کی ڈیوٹی کپٹن انور نے سنبھال لی اور وہ ہسپتال چلے گئے۔ ان کی انگلی جوڑ دی گئی ہے لیکن میڈیسی ہو گئی ہے۔

## جب دشمن نہر پر آ گیا

دشمن پوری قوت اور عزم سے نہر پار کرنے آیا تھا۔ اس نے بے ستھارہ جانی نقصان کرایا لیکن وہ بار بار نہیں تھا۔ بھارتیوں کے اس انداز کو دیکھتے ہوئے کدوہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر کو دتے پھلانگتے اور شعلوں میں بڑے آہے تھے، یہ کہنا کہ بھارتی بزدل تھے جو دم و باکرہ جہاگ جاتے تھے کس قدر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارتی جہاں بھی لڑے جہم کر لڑے۔ ان کے لیے یہ شکل یہ تھی کہ پاک فوج کے غازیوں کا جذبہ اس قدر بلند اور

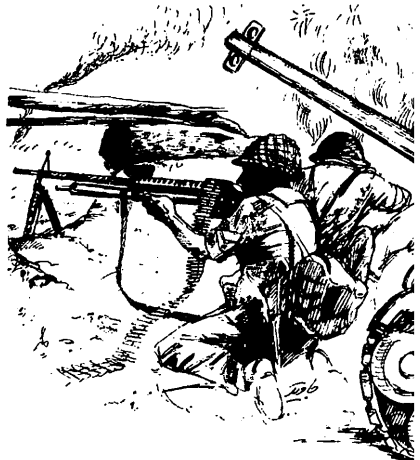
توپ خانے نے ہمارے توپخانے کو خاموش کرنے کی سرنوڈ کوشش کی لیکن پاک فوج کے سرفروش آج رات جیسے زندگی کا آخری معرکہ لڑ رہے تھے اپنے ٹینکوں اور برتر بند گاڑیوں کے توپچیوں اور مشین گنزوں نے بے مثال تیزی سے فائر جاری رکھا۔ ڈھینکوں اور گاڑیوں کی پوزیشنیں بھی بدلتے رہے۔ باری باری ٹینک پیچھے ہٹ کر نئی پوزیشن پر آگے جاتے اور آگ برساتے تھے۔ انفنٹری کے آر آر ٹینک شکن اگنر اور راکٹ لانچر فائر کرنے والے موت کے خوف کو نہر میں ڈبو کر دشمن کے ٹینکوں پر گولے برسا رہے تھے۔

توپ خانے کا کال یہ تھا کہ گولہ باری کی بائیں جنوب سے شمال تک اور شمال سے جنوب تک منتقل ہو رہی تھیں کرنل سیال نے لاہور کی تمام بڑی توپوں، رانیوں اور شیرنیوں کو بھی اپنی کان میں لے لیا تھا۔ ان توپوں کے اپنے اپنی تھے جو دشمن کی پچھلی صفوں کا ستیا ناس کر رہے تھے۔

جنگ ستمبر میں بعض مجازوں پر خصوصاً سیالکوٹ کے میدان میں بعض بڑے ہی شدید اور تیز معرکے لڑے گئے ہیں لیکن برکی کا یہ معرکہ بجلی کی سی تیزی سے لڑا جاتا تھا۔ فیصلہ کن معرکہ تھا۔ پاک فوج کے یہ جانا بزار آج رات ہی فیصلہ کرنا چاہتے تھے کہ دشمن نہ آج رات نہر پار کر سکے گا نہ کبھی آئندہ نہر کے قریب آنے کی جرأت کرے گا اور دشمن اس بے جگری سے لڑتا تھا جیسے وہ منیہ کر چکا تھا کہ وہ آج رات ہر قیمت پر لاہور میں داخل ہو جائے گا معرکے کی تیزی، خونریزی اور شدت کا یہ عالم تھا کہ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس معرکے کے بعد دونوں طرف کی فوجیں آئندہ کوئی معرکہ لڑنے کے قابل نہیں ہیں گی۔

کمانڈروں کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ جب بکتر بند گاڑیاں آئیں تو بریگیڈیئر محمد اصغر پہلی گاڑی پر جس میں کرنل رحمن سوار تھے چڑھ بیٹھے۔ کرنل سیال نے انہیں روکا اور کہا کہ ان کے لیے آگے جانا ضروری نہیں۔ اگر جانا ہی ہے تو سب سے آگے والی گاڑی میں بیٹھیں لیکن بریگیڈیئر محمد اصغر کو اپنی جان کی نہیں لاہور کی فکر تھی۔ وہ پہلی ہی گاڑی میں بیٹھ کر دشمن کے سامنے چلے گئے کہ اپنی آنکھوں سے صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔ کرنل سیال دوسری گاڑی میں بیٹھے۔ انہوں نے میدان جنگ کا جائزہ تو پیمانے کی نگاہ سے لیا اور بریگیڈیئر محمد اصغر نے صورت حال کو بہت قریب سے دیکھا۔

نہر کے پرے کنارے پر دشمن کا عملاً قبضہ ہو چکا تھا۔ برکی پوری طرح اس کے قبضے میں تھا۔ برکی سے نہر تک کے علاقے میں دشمن کے ٹینکوں کی حکمرانی تھی۔ شمال میں مدری کے پل تک کے علاقے میں دشمن پھیلا ہوا تھا۔ اپنے ٹینکوں اور اسے بی سی (بکتر بند گاڑیوں) نے ڈو ڈو Duel معرکہ لڑا۔ کرنل سیال کے توپ خانے نے برکی سے پرے تیز اور شدید گولہ باری Intense Fire جاری رکھی۔ دشمن کے



برکی پر

بھارتی لاشوں کا قبضہ



کرنل سیال بتاتے ہیں کہ وہ برکی کی ہستی میں گئے تو گھبرا کر باہر نکل آئے۔ ایک تو لاشوں کا تعفن تھا، دوسرے یہ کہ لاشوں کی حالت نہایت خوفناک تھی۔ ان کی آنکھیں اور منہ کھلے ہوئے تھے اور سب سے زیادہ روح کش منظر یہ تھا کہ ان لاشوں کو کتے پیر بھاڑ رہے تھے۔



صبح طلوع ہو رہی تھی، جوان رات بھر لڑتے رہے تھے۔ وہ اب بھی لڑ رہے تھے۔ توپچی حسب معمول رات بھر کلہر شہادت کے بلند ورد کے ساتھ گولے فائر کرتے رہے تھے۔ تمام توپچیوں کے ہاتھ گولے لٹاؤ اور فائر کر کے سوچ گئے تھے۔ توپوں کی رس انگارے کی طرح پتی ہوئی بریچوں نے ان کے ہاتھ جلا ڈالے تھے۔ ہاتھوں پر چھالے اٹھے بھی اور پھٹ بھی گئے۔ خون رستا رہا لیکن ان پر کلہر شہادت کا وجد اور شہادت کا نشہ طاری رہا۔ یہی حال راکٹ لانچروں اور آر آر گنزوں کا تھا۔ انفرنٹری کے چھوٹے ہتھیار فائر کرنے والوں کی حالت ان سے بھی زالی تھی۔ بعض جوان دونوں ہاتھوں میں ایک ایک گرینیڈ پکڑ کر، دانتوں سے پن نکال کر گرینیڈ پھینکتے رہے۔

آفرین ہے مجھ عبدالعجیب شہید پر جو تمام رات نہر سے آگے لڑا۔ وہ مورچے مورچے میں جا کر جوانوں کو ملکا تا رہا۔ نعرے لگا لگا کر اس کے گلے کی رگیں سوج گئی تھیں۔ سحر کے اڑھائی بجے عجیب شدید زخمی ہو گیا۔

صبح طلوع ہوئی تو میدان جنگ کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ نہر کے اس طرف درخت نیچے ہو گئے تھے۔ ڈال ٹوٹ کر گر پڑے تھے۔ زمین کا یہ حال جیسے بھارتی گولہ باری سے نیچے کی ساتویں تہ اوپر آگئی ہو اور نہر کے پرے کا یہ عالم تھا کہ نہر کے کنارے سے لے کر برکی ٹنک اور شمال کے تمام میدان میں دشمن کی لاشیں بھری ہوئی تھیں۔ اس قدر زیادہ لاشیں کہ چپے چپے پر لاش پڑی تھی۔ ان لاشوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ دشمن کس طرح ہجوم درہجوم فوج لایا تھا۔ لاشوں کے ساتھ کئی تباہ شدہ ٹینک کھڑے تھے۔

رات کے معرکے کا انجام یہ تھا کہ دشمن برکی سے سپاہیوں کو روک کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ برکی میں اب وہی بھارتی رہ گئے تھے جو مرے ہوئے تھے۔ بے شمار لاشیں جلی ہوئی تھیں۔

برکی میں اپنے جہان بھی گئے تھے تاکہ اپنے کسی شہید کی لاش متوڑا تھا لاشیں لیکن وہاں کسی شہید کی لاش نہیں تھی۔ اس کے بعد جوانوں کو گاؤں میں جانے سے روک دیا گیا تھا کیونکہ لاشوں کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی تھی جس کے تعفن سے بیماری کا خطرہ تھا۔

فدا ہندو کی درندگی دیکھ کر انڈین آرمی نے اپنے ان سپاہیوں کی لاشیں بھی اٹھانا گوارا نہ کیا جنہوں نے رات بھر جان کی بازی لگا کر معرکہ لڑا تھا یہ سپاہی اس لیے مرے تھے کہ وہ بھاگے نہیں تھے۔ ان کے ساتھ یہ سلوک کہ ان کی لاشوں کو لاہور کی دلیہز پر گتے کھا رہے تھے۔

رات کے اس معرکے میں اپنی پنجاب جرنٹ کے مجر

# گلیکسو

کئی پشتوں سے قابل اعتماد  
صحیح معنوں میں صحت بخش  
زود ہضم اور  
خالص غذائی دودھ



بوتل سے دودھ پینے والے بچے کیلئے صحیح دودھ کا انتخاب ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ ماں تازہ دودھ میں علاوہ اس کے کہ بچہ  
شکل سے ہضم کر سکتا ہے بیماریوں کے جراثیم اور ملاوٹ کا خدشہ رہتا ہے ان خطرات سے بچنے کے لئے والدین کئی پشتوں  
سے گلیکسو کا استعمال سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔  
جراثیم سے پاک ہونے کا ضمانت شدہ گلیکسو ایک ایسے مخصوص طریقے سے تیار کیا جاتا ہے کہ بچے اس کو آسانی سے ہضم کر سکیں۔  
تندرست و توانا اس میں ڈامن ڈی اور فولاد شامل کئے گئے ہیں تاکہ آپ کے بچے کی صحت مند نشو و نما و تندرستی کی حفاظت ہو سکے۔  
ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ اتفاق کریں گے کہ جدید حفظانِ صحت اور سائنس کے اصولوں پر تیار کردہ گلیکسو  
بنا آتا ہے۔  
ہی آپ کے بچے کے لئے غذائی دودھ کا بہترین انتخاب ہے۔

گلیکسو لیبارٹریز (پاکستان) لمیٹڈ، کراچی — لاہور — چٹانگ — کلکتہ — ممبائی

تھی جس نے دشمن کو نہ صرف پسپا کیا بلکہ اسے اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ آئندہ برکی میں داخل ہونے کی جرأت کرے۔

## آج کی رات ہار نہ جانا

تمام دن توپ خانوں کی جنگ ہوتی رہی کرنل بشپھر کے ٹینکوں اور کرنل رحمان کی بجڑنگ گاڑیوں نے ایک دوسری معرکہ دار کھائی برکی کے لوکل ٹینکوں کے حوالے کیا اور فائنل چال چلتے باپا پوری طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں ابھی کسی اور طرف بھی لڑنا تھا۔

اب دشمن کو ایک اور راستہ نظر آ رہا تھا یہ تھا ہڈیاں کا سائیفن۔ اس پر پل بھی تھا ہماری ایک کھنچی بھجور رزاق کی زیر کمان اس پل سے بہت آگے مورچہ بند تھی جو اس راستے کو بند کیے ہوئے تھے۔ بھارتی توپ خانے نے اسے آگے روڑ گولہ باری کو اس سائیفن پر مرکوز کر دیا۔ ادھر برکی کے دستوں نے پداری سے برکی تک نہر سے آگے پوزیشنیں قائم کر لیں۔

یہاں میں ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جنگ میں افسروں اور جوانوں کو کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فوجوں کو صرف دشمن کی فوجوں کا ہی سامنا نہیں ہوتا بعض اوقات زمین کے نشیب و فراز دشمن بن جاتے ہیں۔ رات کی تاریکی میں اپنے اپنے جی دستوں سے ٹکراتے ہیں بعض اوقات شدید معرکہ کے دوران بالائی کمان کے احکامات غلط سمجھے جاسکتے ہیں۔ گاہے یوں بھی ہوتا ہے کہ احکامات سمجھتے ہوئے بھی نتائج نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ تبرک کی جنگ ایک تیز جنگ تھی اور بے حد خونریز۔ دشمن کے پاس نفری اور اسلحہ بارود

عبدالحیہ ہسپتال میں شہید ہو گئے۔ ان کی کپنی بی آر بی سے آگے تھی وہ دشمن کو پسپا کر کے آگے ہی رہی۔ ان کے ساتھ تو بچانے کے صوبیدار نذیر احمد اپنی تھے۔ یہ دونوں افسر اکٹھے تھے جب توپ کا ایک ایئر برسٹ (تو میں پھٹنے والا گولہ) ان کے اوپر آ پھٹا۔ دونوں زخمی ہو گئے لیکن دونوں دشمن کو روکنے میں اس قدر محو تھے کہ انہیں دشمنوں کا احساس تک نہ ہوا۔ صوبیدار نذیر احمد نے دیکھا کہ میجر حبیب شہید کی فولادی ٹوپی میں خلاصہ اڑا سوراخ ہو گیا تھا اور ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ نذیر احمد نے کہا کہ صاحب آپ تو زخمی ہیں لیکن حبیب شہید نے کہا۔ ”فکر نہیں صوبیدار صاحب۔ دشمن پر نظر رکھو۔“

صوبیدار نذیر احمد نے اپنی پیچ پر گرم گرم سی می محسوس کی۔ ہاتھ لگا کر دیکھا تو یہ خون تھا۔ ان کی پیچ پر کندھے کے قریب خلاصہ لڑم آیا تھا۔ اتنی دیر میں میجر حبیب شہید پریشی طاری ہونے لگی۔ ان کے سگنلنگ ٹاک باغ علی نے انہیں کہا کہ صاحب آپ کو پیچھے لے جاتے ہیں یلین حبیب شہید نے بے ہوش ہوتے ہوئے سرگوشی کی — ”دشمن کو روکو آگے نہ آنے دینا۔“ وہ بے ہوش ہو گئے اور چند گھنٹوں بعد ہسپتال میں اپریشن ٹیبل پر شہید ہو گئے۔

صوبیدار نذیر احمد کا کنسلٹنگ سبب بہت بہادر وادی تھا۔ اس کی کھوپڑی کی ہڈی نے ٹوٹ کر دماغ کو بھی یہ کار نڈیا تھا لیکن حبیب کہہ رہا تھا — ”فکر نہیں، دشمن پر نظر رکھو، آگے نہ آجائے۔“

ادھر میجر حبیب شہید نے جان نثار کے سپرد کی۔ ادھر بھجور بھٹی شہید دشمن کے ایک گولے سے شہید ہو گئے۔ انہوں نے بی آر بی کے کنارے پر جان کا نذرانہ دیا۔

اللہ کے ان شیروں نے ناؤں کے دودھ حلال کر دیئے ان کے خون کے نذرانے خدا کی بارگاہ میں قبول ہوئے اور دشمن بے پناہ نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ ایسی جوش

کی گئی نہیں تھی۔ وہ جنگ کے تنور میں نئے سے نیا ایندھن جھونک سکتا تھا۔ اس کے برعکس پاک فوج کے جوان جو چھ مہرے کی صبح میدان میں اترے تھے، آخر دم تک وہی لڑتے رہے۔ انہیں ایک لمحہ ستانے کی بھی ہمت نہ ملی انہیں صرف ایک تبدیلی میسر آتی رہی۔ وہ یہ کہ ایک ٹھپنی کو ایک محاذ سے ہٹا کر دوسرے محاذ پر بھیج دیا گیا اور یوں تاش کے باؤں پتوں کا کھیل جاری رہا۔ ان حالات میں بھیانک لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن پاک فوج میں ایک دو واقعات کے سوا کوئی ایسی لغزش نہیں ہوئی جس سے نقصان ہوا ہو۔

برکی کے محاذ پر ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی لیکن ہمارے افسروں اور جوانوں نے اس صورت حال میں بھی کارنامے کر دکھائے۔ یہ جبت الوطنی اور فرض شناسی کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ ورنہ جنگوں میں ایسی صورت حال میں بریگیٹ ڈاور ڈوئین بھی بھاگ جاتے ہیں۔

ہزاروں کمر برکی کے معرکے کی اگلی رات دشمن نے ہڈیارہ سائیفن پر گولہ باری اور شدید کر دی۔ اس کے ساتھ ہی انغشڑی اور ٹینکوں کو آگے لے آیا۔ یہ ساتویں اندین انغشڑی ڈوئین کا ایک تازہ دم بریگیٹ تھا جو جے کارے لگا رہا تھا۔ سائیفن سے آگے بند پر ہماری ایک ٹھپنی پوزیشن میں تھی ٹینکوں کو رات کے وقت استعمال نہیں کیا جانا کیونکہ رات کے وقت ٹینک اندھا ہوتا ہے۔ بھارتی کمانڈروں نے سیالکوٹ سیکٹر میں رات کے وقت بھی ٹینک استعمال کیے تھے اور اس رات وہ ہڈیارہ سائیفن پر بھی ٹینک لے آیا جنہوں نے بے تماشا گولہ باری کی۔ ہماری ٹھپنی کے تمام رابطے ٹوٹ گئے اور ٹھپنی برطرف سے کٹ گئی۔

اپنے توپ خانے نے دشمن پر گولہ باری کر کے اسے روک تو دیا لیکن اپنی ٹھپنی پر اس قدر دباؤ پڑ چکا تھا کہ ٹھپنی پوزیشن سے پیچھے ہٹ آئی۔ اس کے ساتھ ایک غلط فہمی

شامل ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ برکی محاذ کو مزید تقویت دینے کے لیے والہگہ سیکٹر سے چند ایک ٹینک برکی پیچھے گئے۔ یہ ٹینک چھاؤنی سے برکی کی سڑک پر جانے کی بجائے آگے نکل گئے اور لڈکی سڑک پر جا پہنچے۔ رات کا وقت تھا اور ٹینکوں والے جلدی میں بھی تھے۔ ان کے لیے جلد بازی ضروری تھی لیکن جلد بازی انہیں غلط راستے پر لے گئی جب وہ آگے جا کر سڑک کے کنارے پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ وہ واپس چھاؤنی میں جائیں اور وہاں سے برکی ہڈیارہ روڈ پر ہوں۔ سکھاؤن کمانڈر نے سوچا کہ یہ بڑا المبا راستہ ہے۔ انتہی دیر میں محاذ پر ٹپٹے کیا ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ٹینکوں کو قریبی راستے پر ڈال دیا جو سڑک کے اس کنارے کے ساتھ ساتھ آتا تھا یہ فرض شناسی کا مظاہرہ تھا۔

جب برکی محاذ نے دیکھا کہ ہڈیارہ سائیفن کی طرف سے ٹینک آ رہے ہیں تو انہیں دشمن کے ٹینک سمجھ لیا گیا کیونکہ ادھر سے اپنے ٹینکوں کا آنا ناقابل فہم تھا۔ چونکہ سائیفن کی ٹھپنی پہلے ہی پیچھے ہٹ آئی تھی، اس لیے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ دشمن سائیفن کے پل سے آگے آگیا ہے۔ حقیقت دشمن سائیفن کے سامنے بند تک پہنچ چکا تھا۔ اپنے یہ ٹینک ابھی دور تھے۔ دشمن نے سائیفن کے قریب بے تحاشہ گولہ باری سے قیامت بپا کر رکھی تھی، اپنے دستوں نے ات کوئی ایک خوزیر معرکہ لڑا تھا۔ ان حالات میں یہ غلط فہمی حیران کن بات نہیں تھی۔

غلط فہمی سے پیدا شدہ صورت حال ایسی نازک ہو گئی کہ کرنل سیال کو حکم دے دیا گیا کہ تمام توپیں مورچوں سے نکال کر پیچھے لے جائے۔ ایسا آدڑ دینے والے حق بجانب تھے کیونکہ توپوں کو ٹینکوں کے سامنے رکھنا انہیں تباہ کرنے والی بات تھی۔ کرنل سیال نے دہری کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ اگر ہم ذرا سا بھی پیچھے ہٹ گئے تو دشمن ہمیں کہیں بھی پوزیشن میں سمجھنے

کی عزت تئیسارے ہاتھ میں ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔  
پچھند فقرے سنتے ہی تمام میدان میں لعوہ حیدری اور  
پاکستان زندہ باد کے نعرے گونجنے لگے۔ توپچی ٹینکوں سے  
لڑنے کے لیے بے تاب ہونے لگے۔

ذرا سی ویر بعد کسی نے رپورٹ دی کہ جو ٹینک آ  
رہے ہیں ان کی تیاں حل رہی ہیں اور وہ فائر نہیں کر رہے  
گو لوں کی جوا آوازیں آرہی ہیں وہ منہ سے پرے ٹینک فائر کر  
رہے ہیں کرنل سیال نے فوراً حکم دیا کہ ابھی کوئی توپ فائر  
نہ کرے۔ پہلے دیکھ لو کہ ٹینک اپنے ہی تو نہیں؟ ایک ٹیپ  
آ رہی تھی۔ اسے روکا گیا تو اس میں ایک رسالہ اور چند  
جوان بیٹھے تھے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ وہ خاکی وردی  
میں تھے لیکن دھوکے کا شک کیا جاسکتا تھا۔ پھر ٹینکوں  
کو روکا کر دیکھا گیا تو راز کھلا کہ یہ اپنے ٹینک میں جو جلدی  
میں غلط راستے پر چلے گئے تھے۔

جنگ شہر جمی تیز، شدید اور مسلسل جنگ میں ایسی  
غلط فہمیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ انہیں بھی جنگ کی دشواریوں  
میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ  
برکی کے افسروں اور جوانوں نے اس خطرناک صورت حال  
میں بھی حاضر دماغی اور جذبے سے کام لے کر حالات پر قابو پایا۔

## فضل حسین آگ میں کووگیا

اسی صورت حال میں توپ خانے کے ایک وائٹس  
اپریٹر، سپاہی فضل حسین تغہ جرات کا کارنامہ خاص طور  
پر قابل ذکر ہے۔ فضل حسین توپ خانے کے اوپریٹنگ  
اعظم الطاف کے ساتھ ہڈیاہ سائینس سے آگے بند پر تھا  
اس کے پاس چھوٹا وائٹس ہیٹ تھا جب پنجاب جہنم

نہیں دسے گا چنانچہ کرنل سیال نے اپنے توپ خانے کو  
ٹینک الارم دے دیا۔ اس الارم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ  
توپچی ٹینکوں سے لڑائی میں توپچی کسی اوپریٹنگ یا افسر کے فائر  
آرڈر کے پابند نہیں رہتے۔ وہ توپوں کو اپنے اپنے ٹارگیٹ  
پر داخل یا ٹینکوں کی طرح فائر کرتے ہیں۔ اسے توپخانے  
کی زبان میں اوپن سائٹ Open Site کہتے ہیں۔

توپخانوں کے محاذ پر اوپن سائٹ جنگ سے  
ہمیشہ گریز کرتے ہیں اور ٹینکوں کے قریب آ جانے سے پہلے  
ہی توپوں کو پیچھے لے آتے ہیں کیونکہ ٹینک تو متحرک ہوتا ہے  
اور پوزیشن بدل سکتا ہے لیکن توپ کو متحرک نہیں کیا جاسکتا  
ہے۔ وہ توپ پر کئے ہوئے پرنسپل کے طرح سا منہ بٹھی رہتی  
ہے جب تک شہر میں سیالکوٹ محاذ پر پاکستانی توپ خانے  
کی کئی بٹریوں نے ٹینکوں سے اوپن سائٹ، معرکہ لڑے  
ہیں یا اس رات برکی میں اپنے توپ خانے کو ٹینکوں سے  
دو بدو معرکہ لڑنے کا حکم دیا گیا۔

محاذ پر کسی لمانڈر کو تقریر کرنے کا وقت نہیں ملتا وہاں  
مختصر ترین فائر آرڈر یا جنگی احکام دیئے جاتے ہیں۔ کرنل  
سیال نے اس رات محسوس کیا کہ توپچیوں کو شاید جوصلہ  
افزائی کی ضرورت ہو۔ وہ ہر ایک گن پوزیشن میں تو جانیں  
سکتے تھے۔ انہوں نے وائٹس پر تمام گن پوزیشنوں کو کہا  
کہ وائٹس سیمٹوں کے وائٹس، بلند کرو تاکہ میری آواز مبرا  
ایک توپچی سن سکے۔

کرنل سیال نے وائٹس پر توپچیوں سے مختصر ترین  
مطلب کیا اور کہا۔ "جوانو! آج تم دشمن کے ٹینکوں سے  
آمنے سامنے دو لگے۔ کوئی گن پیچھے نہیں جھانے کی خواہش  
میری ہی کیوں نہ آجائیں۔ تم بڑے کڑے امتحان میں سے  
نڈرے ہو لیکن آج خدا تم سے بہت ہی کڑا امتحان لے  
رہا ہے۔ آج کی رات مار نہ جانا۔ لاہور کی اور سارے پاکستان



**A big  
personality  
in the  
making**

Children need good nourishment to build up their minds and bodies in the early stage of their growth. Food cooked in Sona Banaspati is highly nutritive and full of energy. Children enjoy dishes cooked in this rich, and flavoury medium.



**let your child grow  
with a per SONA lity**

**SONA**  
**BANASPATI**

*Manufactured by:*

**BENGAL VEGETABLE INDUSTRIES LIMITED KARACHI.**



چوڑی ہے۔ سہاؤ خاصا تیز ہے سپاہی فضل حسین تیر کر منہ پار کر گیا اور کیپٹن احمد لطافت نے اس کے لیے فاتحہ پڑھا اس کے واپس آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

فضل حسین نہر سے دوسرے کنارے پہنچا یہ تھا کہ دو بھارتیوں نے اسے روکا اور اسے پھونسنے کے لیے آگے بڑھے فضل حسین نے گریفینڈ چھینک کر دونوں کو اڑا دیا۔ وہ خود بیٹھ گیا اور ریٹکا ہوا آگے بڑھا چھپ چھپ کر سیٹ کے بل آگے گیا تو دیکھا کہ دو بھارتی ایک طرف لیٹے ہوئے فائر کر رہے تھے۔ رت کا وقت تھا۔ فضل حسین کی طرف ان کا کوئی دھیان نہیں تھا۔ فضل حسین نے ان پر بھی گریفینڈ چھینک کر انہیں اڑا دیا اور خود ریٹکا ہوا اس جگہ کی طرف بڑھنے لگا جہاں وہ وائرلیس سیٹ چھوڑا تھا۔

ریات خاص طور پر زمین میں رکھے کہ یہ میلان جنگ تھا جہاں بھارتی سپاہی جگہ جگہ پوزیشن لیے ہوئے تھے اور ہر طرف گولیاں سنسناری تھیں۔ وہ کسی بھی گولی سے شدید ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ گولہ باری بھی ہو رہی تھی۔

سپاہی فضل حسین چھپتا، ریٹکا وہ مورچہ ڈھونڈتا رہا جہاں وائرلیس سیٹ ہو چکا جینیہ تھا۔ اس نے ایک پرائم گریفینڈ مٹھی میں لے رکھا تھا اس کا اللہ مددگار تھا۔ اسے وہ مورچہ مل گیا۔ وہاں اس کا وائرلیس سیٹ سلامت پڑا تھا۔ اس نے سیٹ اٹھا کر اس کے سلسلہ کنندہوں سے کہے اور سید کو پیٹھ سے باندھ لیا۔

وہاں سے چلا ہی تھا کہ دو بھارتی سپاہیوں نے اسے روک لیا۔ وہ شاباسے زندہ پکڑا جاتے تھے۔ اس نے گریفینڈ چھینکا اور بھاگ اٹھا۔ اس گریفینڈ نے بھی دونوں بھارتیوں کے پرچے اڑا دیے۔ فضل حسین گولیاں اور گولوں کی برساتی بوچھاڑوں میں ریٹک کر نہر تک آیا، نہر میں کودا اور اس طرف آگیا۔ کنارے کی اوٹ میں بیٹھ کر وہ اس طرح اطمینان

کی یعنی بندر سے بٹھ کر آئی کے اس طرف آگئی تو کیپٹن احمد لطافت اور سپاہی فضل حسین بھی واپس آگئے۔ کئی گولہ باری شدہ یعنی اس میں ٹینکوں کی گولہ باری بھی شامل تھی اور دشمن تیزی سے بڑھ چلا آ رہا تھا۔ اوپلی کے لیے وہاں ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ اسے وہاں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ وہاں سے پیچھے آتے ان کا وائرلیس سیٹ وہیں رہ گیا۔ انہیں اس کا کوئی علم نہ تھا۔ کیونکہ نہر کے اس کنارے ان کی جیب کھڑی تھی جس میں بڑا وائرلیس سیٹ نصب تھا۔ انہیں اس سیٹ کی بے تحاشا ضرورت تھی۔ یہ دشمن بڑھا آ رہا تھا۔ اپنی ٹپنی تیچھے بٹھ آئی تھی اور خطرہ یقینی ہو گیا تھا کہ دشمن سائینٹس کے پل سے منہ پار کر آئے گا۔ دشمن کو توپ خانہ تی روک سکتا تھا لیکن توپ خانے تک فائر آرڈر پہنچانے والا وائرلیس سیٹ نہر سے پار رہ گیا تھا۔

کیپٹن احمد لطافت اور سپاہی فضل حسین نہر سے ادھر آئے تو بڑے وائرلیس سیٹ کی جیب کی طرف بھاگے۔ پیٹھ اس کے وہ جیب تک پہنچے۔ دشمن کی کسی توپ کا ایک گولہ جیب تک پہنچ گیا اور اس میں لٹے ہوئے وائرلیس سیٹ کو تباہ کر دیا۔ صورت حال بالکل ہی واپس کن ہو گئی۔ اب توپ خانے کی اسٹھانی ہو رہی نہیں سکتی تھی۔ سپاہی فضل حسین نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے جانبازی کا اٹھنا منظر ہوا۔ اس نے کیپٹن احمد لطافت سے کہا کہ میں نہر سے پار چلا کر گیا وائرلیس سیٹ اٹھا لاتا ہوں۔ احمد لطافت نے اسے روکتے ہوئے کہا کہ جہاں تم سیٹ چھوڑا آئے ہو وہاں اب دشمن پہنچ چکا ہو گا۔ لیکن فضل حسین نے اپنے افسر کی بات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے بتوں کی جعبوں اور پلوچوں میں جھنڈے گریفینڈ ڈال سکتا تھا اڑال لیے اور اندھا دھند نہر میں کود گیا۔

یاد رہے کہ بی آر بی نہر پندرہ فٹ گہری اور تیس گز

باک فوج کے برکی کے بریگیڈ نے جوابی حملے کی تیاری مکمل کر رکھی تھی، مگر واقعہ نامی سیکٹر میں دشمن کو توڑ نقصان اٹھا کر بھی آگے بڑھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنے تیسویں (۲۳) موٹیل ڈویژن اور اپنے وکریک بریگیڈ پر پنجال چھانہ برو کو بھی میدان میں لے آیا تھا جزل سرفوڈ خان اس طرف ایک شدید جوابی حملہ کر کے بی آر بی سے آگے دفاعی پوزیشنیں قائم کر چکے تھے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے سالنامہ "سیارہ ڈائجسٹ" اپریل ۱۹۹۸ء) ان حالات کے پیش نظر برکی کی طرف سے جوابی حملہ متوی ہو تا رہا اور نہ اس طرف کے افسروں اور جوانوں کی ذاتی شجاعت اور احساس فرض کا یہ عالم تھا کہ وہ اس قدر شدید حملے روک کر جوابی حملہ کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔

اب برکی کے محاذ پر دشمن برکی سے دور پیچھے دفاعی پوزیشن میں ہینچا لڑ رہا تھا تو پ خانے نے اسے پوری طرح دبا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس پر پھر دسہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کب حملہ کر دے۔ اس کے پاس نفرضی اور اسلحے کی تو کمی نہیں تھی۔



سے سیٹ کو ختم کرنے بیٹھ گیا جیسے کچھ تو اسے نہ ہو کہ پیش نظر الطاف نے اس وائر لیس سیٹ سے فائر آرڈر دیے اور ساتیفن کے اگلے علاقے میں زیادہ سے زیادہ توپوں کی گولہ باری کرائی جس سے دشمن کی پیش قدمی نہ صرف رک گئی بلکہ بے شمار لاشیں چھوڑ کر بند سے دور پیچھے ہٹ گیا۔ اس نظر نگ صورت حال پر قابو پانے میں سپاہی فضل حسین کا کارنامہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس جانباز سپاہی کو اپنی جان خطرے میں ڈال کر اتنا عظیم کارنامہ سرانجام دینے کے صلے میں تمغہ جرات عطا کیا گیا۔

## وہ دشمن کے پیٹ میں چلے گئے

۱۲ ستمبر کے روز یعنی اگلے ہی دن اپنے ایک دستے نے منہ سے آگے جا کر ساتیفن کے بند پرازم پوزیشن قائم کر لی اور اسی روز منہ سے آگے چند اوچکوں پر پوزیشنیں قائم کر لی گئیں۔ دشمن کے لیے برکی پر حملے کا تجربہ بہت ہی ہلکا ثابت ہوا۔

دیکھا گیا کہ دشمن کچھ ٹینک اور انفنٹری کے دستے دور پرے سے بیدیاں کی طرف لے جا رہا تھا۔ یہ ساتویں انڈین انفنٹری ڈویژن کا ایک تازہ دم بریگیڈ تھا۔ اس کے وریگیڈوں کو ختم کیا جا چکا تھا۔ بیدیاں کی طرف دشمن کے رخ کرنے سے دو بائیں واضح ہوئیں، ایک یہ کہ وہ برکی کی طرف سے مار کر منہ موڑ گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اب وہ بیدیاں کے ساتیفن پر قسمت آزمائی کرے گا۔ بیدیاں الگ سیکٹر تھا۔ جہاں کے پاکستانی جوانوں سے پوری توقع تھی کہ وہ دشمن کو پسپا کر دیں گے۔ دشمن نے وہاں طیاروں سے بمباری کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے لیے بیدیاں کا دروازہ بھی بند تھا

طرح کہ اب اپنے جوان بڑھ چڑھ کر رات کی گشتی پارٹیوں کے لیے رضا کارانہ آگے آ گئے۔ ہر کوئی اس جانباز پارٹی کا ریکارڈ توڑنے کے لیے بے چین تھا۔

اور

اسی رات جب دشمن کے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی، اس کا توپ خانہ آگے آچکا تھا۔ دشمن نے تقریباً تمام میڈیم توپوں کو آگے کر لیا اور جس قدر دوزخ گولہ جاسکتا تھا وہاں تک توپوں کا رینج کر کے لاہور چھاؤنی پر نہا دھند گولہ باری شروع کر دی۔ جنگی لحاظ سے یہ گولہ باری محض بیکار تھی جہاں گولے گر رہے تھے وہاں نہ کوئی اپنی فوج تھی نہ کوئی فوجی تار گریٹ تھا۔ دشمن اب اچھی حرکتوں پر اتر آیا تھا وہ فائر پارٹی کی فائش کر رہا تھا۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ لاہور کے شہریوں کو براہ سال کیا جائے۔

گو اس گولہ باری سے اپنی فوجوں کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا لیکن بریگیڈیئر محمد اصغر بیرہداشت کرنے کو تیار نہیں تھے کہ دشمن شہریوں کو پریشان کرے۔ گو لے لاہور کے مصافحات میں گر رہے تھے توپ خانے کو حکم ملا کہ دشمن کے توپ خانے کو خاموش کر دے۔ گولہ باری کرائی گئی لیکن بھارتیوں نے توپوں کو دور دور بکھر کر کھدی ہوئی پوزیشنوں میں رکھا ہوا تھا جس سے جوابی گولہ باری پوری طرح کارگر نہ ہوتی پاک فضائیہ کو اطلاع دی گئی تو دو بمبار طیارے بی ۵ آگئے توپ خانے نے اس علاقے پر روشنی کے گولے فائر کیے جہاں دشمن کا توپ خانہ بکھرا ہوا شدید گولہ باری کر رہا تھا۔ ایک شام بپا نے وائرلیس پر توپ خانے کو کہا کہ ہم نے تار گریٹ دیکھ لیا ہے۔ اپنے توپخانے کا فائر روک دو۔ فائر کوادیا گیا۔

دونوں بمباروں نے گھوم گھوم کر حملے کیے اور پانچ پانچ

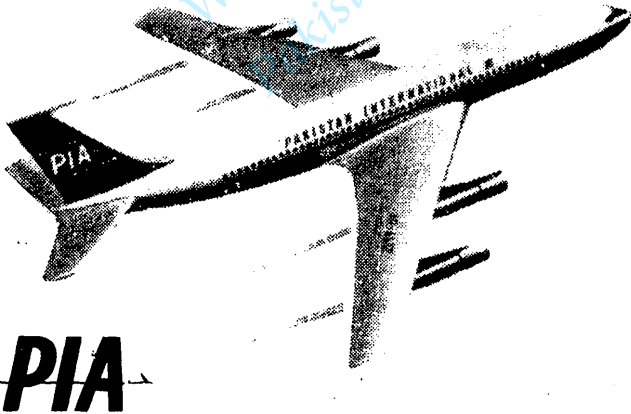
اس دوران اپنی انفنٹری کی گشتی پارٹیاں رات کے وقت دشمن کی پوزیشنوں میں جا کر اس کا نقصان کرتی ہیں ۱۵۔ ستمبر کی رات پنجاب رجمنٹ کا ایک لیفٹیننٹ تین جالوں کو سناٹے سے کرنا کا گشتی مہم کے لیے دشمن کی صفوں میں جا گھسا۔ ان کے پاس ایک راکٹ لائیو اور گرنیڈ تھے۔ یہ پارٹی اس قدر آگے نکل گئی کہ انیس وائرلیس کے پیغامات کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ذرا پرے ایک ٹرک پر کھڑا تھا جس کے اندر وائرلیس سٹیٹوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ لیفٹیننٹ نے راکٹ لائیو فائر کر کے ٹرک کو تباہ کر دیا پھر گرنیڈوں سے اس کے جوالوں نے تین چار اور گاڑیاں تباہ کر دیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ لیفٹیننٹ اپنے جوالوں کو دشمن کے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں لے گیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دشمن کے پیٹ کے اندر چلے گئے تھے جہاں سے ان کا زندہ نکلنا ممکن نہ تھا۔

دشمن میں کھلبلی مچ گئی۔ اس کے افسروں نے پاکستانی جوالوں کو پھرنے کے لیے بہت گہرے ڈالے لیکن ہمارا لیفٹیننٹ اور جوان گرنیڈیوں اور راکٹ لانچروں سے تباہی مچائے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے ایسی دہشت پھیلا دی کہ اب بھارتیوں میں انہیں تلاش کرنے کی ہمت نہ رہی بلکہ نفسیاتی کا عالم پیدا ہو گیا۔ یہ دراصل لڑاکا گشتی پارٹی کا رول نہیں بلکہ یہ گوریل آپریشن تھا۔ دشمن کے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر تک جا کر ہیڈ کوارٹر کو ہی تباہ کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اس مہم پر جانے سے پہلے موت کو قبول کر لیا جائے یہ پارٹی دشمن کے پیٹ سے نکل آئی اور میرے دن واپس اپنی پوزیشنوں میں پہنچی۔ ان جانبازوں کا گوریل مہم کہ اس حد تک کارگر ثابت ہوا کہ یہ بریگیڈ آئندہ دور و زمانے کی لڑنے کے قابل نہ رہا کیونکہ اس کا اعصابی مرکز تباہ ہو چکا تھا اس پارٹی کی جانبازی کا دوسرا اثر اپنے جوالوں پر ہوا۔ وہ اس

# ”غالباً کوئی دوسری ایئر لائن ایسی نہیں جو ایک نئے ملک کی تعمیر و ترقی میں اتنی بھرپور امداد دینے میں پی آئی اے کا مقابلہ کر سکے“

ایئر لائنز وولس  
ڈیفنس اور ایوی ایشن کارپوریشن  
اخبار ”آبزرور“ لندن

وہ اپنے حالیہ شانے شدہ مضمون میں کہتے ہیں:-  
”پی آئی اے کے موجودہ ہوائی بیس پر  
نظر ڈالنے سے ہمیں صرف اس کی وسعت ہی پر  
حیرت نہیں ہوتی بلکہ اس بات کا اندازہ بھی  
ہوتا ہے کہ کس طرح اس نے ہمیشہ قابل اعتماد  
آرام دہ اور اعلیٰ کارکردگی کے طیاروں کے  
حصول میں براہ کوشش کی ہے جو مختلف  
پروازوں میں استعمال کئے جاسکیں۔“  
”ایک طرف تو پی آئی اے نے اندرونی اور  
بین الاقوامی پروازوں کا جال بچھا کر ملک کے  
مواصلاتی نظام کی ترقی میں مدد دی تو  
دوسری طرف اس نے ملک کی ٹیکنالوجی  
کے لئے بھی ایک بنیاد ڈال کر اتنی ہی اہم خدمت  
انجام دی ہے۔“  
”اہلی کارکردگی کی سب سے نمایاں مثال کراچی  
ایئر پورٹ پر انجینئرنگ کا کارخانہ ہے جہاں  
گر دو غبار سے محفوظ ایئر کسٹ ڈیشز  
ورکشاپ میں عظیم جیٹ ٹرینوں سے نیکر  
چھوٹے الیکٹرونک پروازوں کی دیکھ بھال  
ہوتی ہے جن پر جدید طیاروں کے تحفظ کا  
انحصار ہے۔“  
”اور اسی طرح پی آئی اے نے جدید منجیریل  
ٹیکنیک کی بھی نئی بنا ڈالی ہے۔“  
”اگر یہ سچ ہے کہ ترقی یافتہ مواصلاتی نظام  
سیاسی اور جغرافیائی بندشوں کو توڑ دیتے ہیں  
تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ پی آئی اے اور پاکستان  
نے اس امر کی سچائی کو منوایا ہے۔“



کے وقت گمن پوزیشنوں کو وہ ابھی طرح پہچان سکتے تھے۔  
تین توپچیوں کی پہلی پارٹی گئی جو دور کا چکر کاٹ کر  
دشمن کے پیچھے پہنچ گئی۔ تینوں جانا بازوں نے متعدد توپیں  
تباہ کر دیں اور دشمن کے تعاقب اور گھیرے سے بچتے ہیچ  
تک واپس آ گئے۔

جوانوں کی ذاتی شجاعت اور شوق شہادت نے  
اس تجربے کو کامیاب ثابت کر دیا اور ہر روز تین تین جوانوں  
کی پارٹیاں مختلف سمتوں میں جانے لگیں۔ یہ گوریلا پیریشن  
تھا۔ جانا باز دشمن کے عقب میں جا کر ہر رات کی کئی توپیں تباہ  
کرتے تھے۔ دشمن نے توپوں کو بچانے کے لیے ان کے گرد  
ٹینک کھڑے کرنے شروع کر دیے۔ یہ حفاظتی تدبیر دشمن کو  
خاصی ہنگامی پڑی کیونکہ ہمارے سرفروزش ٹینکوں کو بھی راکٹ  
لاہجروں سے تباہ کر دیتے تھے۔

یہ تھے وہ مٹھی بھر سرفروزش جنہوں نے ملک و ملت  
کی آبرو کی خاطر اپنی جانیں بازی پہ لگائے رکھیں۔ جب قوم  
سوئی ہوئی ہوتی تھی، ماؤں کے یہ لاڈلے بیٹے دشمن کی  
مشین گنوں کے سامنے ریختے موت کے مزہ میں جا رہے ہوتے  
تھے۔ وہ کبھی واپس آنے کے لیے جانتے تھے اور شہادت  
سے پہلے دشمن پر ایک دو کاری فز میں لگانے کو بے تاب  
رہتے تھے۔ انہوں نے دشمن کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور  
اسے اگلے حملے کی سکیم بھی تیار کرنے کی جہالت نہ دی۔ ان  
کا خون تو سرحد کی مٹی میں جذب ہو گیا ہے لیکن ان کا نام  
تاریخ میں زندہ رہے گا۔ اسلام ابھی سرفروزشوں کے جذبہ  
اثبات سے تابندہ و پابندہ رہا ہے اور رہے گا۔

## ایک اور جانا باز شہید ہوا

سویڈن کے بہت سے ہجر گئے۔ ہمارے طبیاروں پر دشمن  
طیارہ شکن گنوں کا بے پناہ فائر کرتا رہا لیکن شاہبازوں کی ولیرن  
اور صحیح مباری نے دشمن کے تمام کے تمام میڈیم توپچانے  
کو خاموش کر دیا۔

کرنل سیال بتاتے ہیں کہ فائر بندی کے بعد وہ اس  
علاقے میں گئے تو اپنے شاہبازوں کے فنی کمال اور ذاتی  
شجاعت کا ثبوت دیکھا۔ دشمن کی توپوں کے ٹکڑے ہر  
سوکھڑے ہوئے تھے۔ ہم کئی توپوں کی پوزیشنوں میں گرے  
تھے۔ تباہی کے ان آثار سے پتہ چلتا تھا کہ دشمن کی شاید  
ہی کوئی توپ بھی ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ توپچی توپیں چھوڑ کر  
جھاگ گئے تھے۔ کئی جگہوں پر گرے کونوین بن گئے تھے۔

دشمن کی اس قسم کی اوجھی گولہ باری کے پیش نظر یہ  
فیصلہ لیا گیا کہ اپنی انفنٹری کی گشتی پارٹیاں جس طرح دشمن کی  
انفنٹری پر حملے کرتی ہیں، بالکل اسی طرح رات کے وقت  
توپچانے سے توپچیوں کی لڑاکا پارٹیاں بھیجی جائیں جو دشمن  
کے توپچانے کو ہراساں کریں۔ یہ ہم آسان نہیں تھی کیونکہ  
لوہجاندہ انفنٹری اور ٹینکوں سے پیچھے ہوتا ہے۔ دلوں تک  
پہنچنے اور نقصان کر کے لنگل آنے کے لیے دشمن کی انفنٹری  
کی پوزیشنوں سے بھی پیچھے جانا تھا۔ یہ ایک طرح کی خودکش  
مہم تھی جس میں بچانے والے جوانوں کو یقینی موت قبول کرنی تھی۔  
۱۶ ستمبر کی رات توپچانے کی ایک بیڑی سے رضا کا  
مانگے گئے۔ انہیں مہم کے خطرات سے آگاہ کیا گیا۔ صرف تین  
جوانوں کی مزدورت تھی لیکن بیڑی کے تمام جوان اٹھ کھڑے  
ہوئے۔ ان میں سے تین جانا بازوں کا انتخاب محال ہو گیا۔  
دلوں ہر کوئی جانا باز تھا جسے پیچھے بھٹاتے تھے وہ مایوس  
ہو جاتا تھا۔ بڑی مشکل سے تین توپچیوں کو منتخب کیا گیا  
جو راکٹ لاہجروں اور گرینڈیلوں سے مسلح ہو کر چلے گئے۔ اس  
مہم میں توپچیوں کو اس لیے بھیجے کا فیصلہ ہوا تھا کہ رات

میں بے پناہ گولہ باری ہو رہی تھی اور زمین میں بارودی سرنگیں بھی دبی ہوئی تھیں۔ نائب صوبیدار محمد اسلم شہید نے نہ گولوں کی پروا کی نہ بارودی سرنگوں کی۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں لگن رکھا اور ایک گولے اور ایک بارودی سرنگ کے بیک وقت پھٹنے سے شہید ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ڈرائیور اور وائٹریس اپر میز بھی شہید ہو گیا۔

بلوچ رجمنٹ کے کمپنی کمانڈر نے محمد اسلم شہید کے کمانڈر کرنل سیال سے کہا تھا: "اس شخص میں اس قدر ہوش و خروش تھا کہ بعض اوقات مجھے یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے اس کا جسم اپنے ہوش سے ہی چھٹ جاسے گا۔ دشمن کو دیکھ کر وہ آگ گولہ ہوجاتا تھا۔"

نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کو بے مثال جرات اور فنی مہارت کے صلے میں بعد از شہادت ستارہ جرات عطا کیا گیا۔ وہ پھول خلع جہلم کے رہنے والے تھے۔

## فاتر بندی کے بعد بھی

فاتر بندی کی صبح منہر سے آگے برکی عمارت کا منظر بہت ناک تھا۔ تمام میدان میں بھارتیوں کی لاشیں پڑی تھیں اور ہتھیاروں کا کوئی شمار نہ تھا۔ دشمن میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ لاشیں اور ان کے ہتھیار اٹھائے جائے۔ الزبتھ کے روز میجر حبیب شہید منہر سے آگے شہید ہوئے تھے اور جب کمپنی کو وہ پوزیشن چھوڑنے کے لیے کہا گیا تو کمپنی کی دو آرا گئیں جو جلیوں پر نصب تھیں، وہیں چھوڑ دو گئی تھیں۔ فاطر بندی کی صبح دولو جیپیں بھر گئیں واپس پڑی تھیں جو گیارہ روز دشمن کے سامنے پڑی رہیں لیکر دشمن کو جرات نہ ہوتی کہ ان کے قریب بھی آنا حالانکہ ما

۱۶ سے ۲۲ ستمبر صبح تین بجے تک یہ جہانڈ دشمن پر شہنشاہ مارتے رہے اور حملہ کرنا تو دور کی بات ہے، اسے دفاع میں بھی اطمینان سے بیٹھنے نہ دیا۔

۲۱ ستمبر کے روز برکی کے توپخانے کا نائب صوبیدار محمد اسلم وطن پر قربان ہو گیا۔ یہ وہی جہانڈ تھا جس نے چھ ستمبر کیسلی توپ سے دشمن کے تین ٹینکوں کا مقابلہ کیا تھا شہادت کے وقت وہ واپک سیکٹر میں محسبین سے آگے بلوچ رجمنٹ کی ایک کمپنی کے ساتھ "اوپنی" تھا۔ فاطر بندی کے معاہدے (۲۰ ستمبر) کے بعد بھارت نے لاہور پر شدید حملے شروع کر دیے تھے۔ بھارتی حکمران ایک طرف تو منمن سماجیت کر کے فاطر بندی کا معاہدہ کراچیکے تھے اور دوسری طرف وہ فاطر بندی سے پہلے پہلے ہی آدہی پار کر کے لاہور کے محفوظے سے حصے پر قافلہ ہوجانا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ لاہور پر اس قدر زیادہ دباؤ ڈالا جائے کہ پاک فوج لاہور کو سچانے کے لیے کھیم کرن سے گرفت ڈھیلی کر دے۔ چنانچہ ۲۱ ستمبر کی صبح انہوں نے توپخانے کی زیادہ سے زیادہ توپوں کی گولہ باری شروع کر دی جس کا مرکز راولی سائنس سے لے کر برکی کے شمال تک کا علاقہ تھا۔ یہ جنگ ستمبر کی شدید ترین گولہ باری تھی۔

دشمن کی توپوں کو خاموش کرنے کے لیے پاک فضائیہ کی بھی مدد لی گئی تھی اور اپنے توپخانے کو بھی کمک دے دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں نائب صوبیدار محمد اسلم شہید کو واپک اٹاری سیکٹر میں بھیج دیا گیا تھا۔ "اوپنی" ٹوٹا ایک جگہ چپ کر دشمن کو دیکھتے ہیں لیکن محمد اسلم شہید چپ کو سارے میدان میں دوڑا دوڑا کر دشمن کی حرکات کو دیکھتا اور فاطر ڈرویتا تھا کہ دو غبار کی دھیر سے کوئی پتہ نہیں چلتا تھا کہ دشمن کس طرف سے آگے آجائے۔ محمد اسلم شہید جان پر کھیل کر دشمن کو گرد و غبار میں تلاش کر رہا تھا اور نہایت کارگر گولہ باری کرا رہا تھا۔ اس علاقے



کے وقت انہیں سے جاناکوئی مشکل نہ تھا۔

اس سے بڑھ کر دشمن کو اور کتنی کچھ شکست دی جاتی کہ جنگ کے دوران بھارتیوں کے حملہ آور ڈویژن کی ایک بٹالین کا ایک مرہٹہ لیفٹیننٹ اپنی پوری پلاٹون کو لے کر بڑاوساٹن کے سامنے نمبر پر آیا۔ وہاں ہماری اپنی انٹرنی پوزیشن میں تھی۔ اس مرہٹہ لیفٹیننٹ نے ہمارے آفیسر کے سامنے ہتھیار

دکھ کر کہا — ”میں اپنی پلاٹون کو اس مقصد کے لیے لایا ہوں کہ ہمیں قید کر لیں۔ میں اس جنگ سے اکتا گیا ہوں کیونکہ میں اس کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میرا ایک بھائی اس جنگ میں مارا جا چکا ہے۔ میرا باپ بوڑھا ہے۔ وہ مصوبہ ذرہ میری پیش آنی تھا۔ اگر میں بھی مارا گیا تو میرا باپ اس صدمے سے مر جائے گا۔ بہتر ہے کہ مجھے اور میری پلاٹون کو قید کر لیں“ اس مرہٹہ لیفٹیننٹ کی خواہش کو رد نہ کیا گیا اور اسے قید کر کے اسے جنگ کے ختم سے نجات دلا دی گئی یا وہ رہے کہ اس لیفٹیننٹ کو اپنی پلاٹون سے ہماری پوزیشن پر حملے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس لیفٹیننٹ نے (میں اس کا نام مصطفیٰ مہیں لکھ رہا) اپنی فولادی ٹوپی اتار کر کرنل سیال کے قدموں میں رکھ دی تھی اور کہا تھا کہ میں پاکستانی تو سچانے کو عقیدت مندانہ سلام کرتا ہوں۔

مخاطر پر سکوت طاری ہوا تو لوگ گھٹوں اور کٹوں نے بھارتیوں کی لاشوں پر لہ بول دیا — بھارتیوں نے مر کے بھی چین نہ پایا۔

برکی کی کہانی ۲۳ ستمبر کی صبح ختم نہیں ہوئی۔ ہندو لوگر جو فتح حاصل نہ کر سکا اسے وہ ہندوانہ طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ ۲۳ ستمبر کی شام جب سورج غروب ہوتا چاہتا تھا، ایک ہندو کرنل پاکستانی

مردہوں کے قریب آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ انڈین آرمی کی مشہور کمپنوں کا بٹالین کمانڈر ہے۔ ہمارے یہ مورچے نہر

سے آگے تھے۔ اس ہندو کرنل نے ہمارے انڈروں سے کہا — ”تم لوگوں نے یہ پوزیشن فائر بندی کے بعد لی ہے، یہ غالی کر کے نہر سے پرے چلے جاؤ“

اس دلچسپ دھمکی کو سن کر ہمارے انڈروں نے اس ہندو سے کہا کہ ہمارا ج یہ مورچے تازہ کھدے ہوئے ہوتے تو ممی سے صحت پتہ چل جاتا۔ آپ ذرا غور سے دیکھیں لیکن ہندو ایک ہی رٹ لگاتا رہا کہ یہ مورچے چند گھنٹے پہلے کھودے گئے ہیں۔ دیکھا کہ اس کی پوری بٹالین نہر کی طرف چلی آ رہی تھی ہمارے انڈروں نے اس ہندو کرنل سے کہا کہ آپ اپنی بٹالین کو روک لیں۔ اگر آپ کے سپاہی ہمارے علاقے میں آگے تو پھر صلح صفائی کی بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی لیکن ہندو میں ڈھیٹ پن تو کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے، وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے یہ دلیل پیش کی — ہمارے گشتی دستے رات کو نہر تک آتے رہے ہیں اس لیے نہر تک کا علاقہ ہمارا ہے۔“

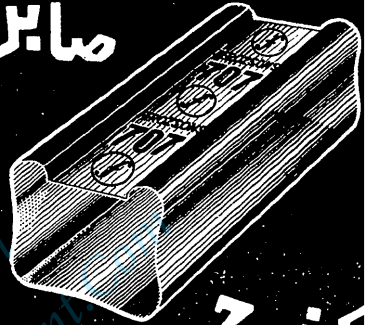
کرنل سیال نے اسے جواب دیا — ”جناب! ہمارے گشتی دستے تمہارے بٹالین ہیڈ کوارٹر تک جاتے رہے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تمہارے بٹالین ہیڈ کوارٹر تک کا علاقہ ہمارا ہو گیا ہے۔“

ہندو پوری ہٹ دھرمی اور ڈھیٹ پن سے کام لے رہا تھا۔ آخر اقوام متحدہ کے مقرر کو بلایا گیا۔ وہ ایک آسٹریلوی تھا۔ اس کا نام ”کے“ تھا۔ اس نے تمام جھگڑا سن کر گینتی سے خنڈی سی ممی کھودی اور ہندو کرنل سے کہا کہ تازہ کھدے ہوئے مورچوں سے اس قسم کی ممی نکالا کرتی ہے۔ یہ مورچے کم و بیش دس روز پہلے کے کھدے ہوئے ہیں اور پاکستانی پوزیشنیں یہیں ممی ہیں۔

ہندو کرنل نے دیکھا کہ ہٹ دھرمی ناکام ہو گئی ہے تو اس نے ہمارے انڈروں کی منت سماجت شروع کر دی کرنل

# 707

صابن



کم خرچ  
بلا تعداد  
آجلی دھلائی



فیروز سنز لدا ریز سید نوشہرہ



مورچوں میں کھانے کا یہ عالم تھا کہ لامبور کے شہری پلاؤ، درزے اور فورس وغیرہ کی دیکھیں پکار بھجوا کرتے تھے۔ فروٹ کے گرمیوں اور مٹھائی کے ڈاول کے انبار لگ جاتے تھے اور سرکاری راشن بھی بافراط اور باقاعدہ پہنچ رہا تھا۔ پاک فوج کے افسروں نے اپنے جوانوں سے کہا کہ اللہ کے شہداء آج تمہارا دشمن تمہارا جہان ہے اور سات آٹھ روز سے بھوکا ہے۔

ہمارے جوانوں نے یہ بات سنی تو پکی ہوئی دیکھیں فروٹ کے کمریٹ اور مٹھائی کے ڈبے اٹھا کے ایک ہزار ہندوؤں کے آگے جا رکھے۔ ہندو سپاہی اور افسر کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس بھارتی رجمنٹ کے کمانڈر نے پاکستانیوں کا کھانا قبول کرنے میں کوئی عار یا قباحت محسوس نہ کی۔ ہندو کھاتے چلے گئے اور مسلمان کھاتے چلے گئے۔ مسلمان اپنے رسولِ صلح کی سنت پوری کر رہے تھے اور ہندو اپنی ذہنیت سے مجبور تھے۔

ہمارے افسروں نے سوچا تھا کہ دشمن کی آؤ بھگت کرنے میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ دوبارہ جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ جانتے تھے کہ دشمن کو بھجکا سکتے ہیں۔ چنانچہ انڈین آرمی کی یہ بٹالین مسلمان کے گوشت، چاول، فروٹ اور مٹھائی سے پیٹ بھر کر بغیر سوچے کھودے میدان میں بے مددہ سو گئی۔

اگلادین بھی آرام سے گزر گیا۔ شام کے وقت یعنی ۲۲ ستمبر کی شام ساتویں انڈین انفنٹری ڈویژن کا کمانڈر جنرل سیل، بریگیڈیئر سپاراسنگھ اور چیف اور بھارتی افسر مہاری اگلی پوزیشنوں تک آگئے اور ہمارے افسروں سے کہا کہ تم منبر سے پار چلے جاؤ، منبر سے آگے کا سارا علاقہ ہمارا ہے۔ اتفاق سے کرنل سیال بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے بھارتی جرنیل

کو قاتل کرنا چاہا کہ ہمارے یہ مورچے بارہ تیرہ تاریخ سے یہاں ہیں لیکن جنرل سیل نے دھکی دی — ”اگر آپ پیچھے نہیں مٹھیں گے تو ہم پھر حملہ کر دیں گے“ — کرنل سیال

سیال سے التجا کے لیے میں کہا — ”مجھ پر ایک کلمہ کر دیں کہ بری بٹالین جہاں پہنچ گئی ہے اسے یہیں بیٹھ جانے کی اجازت دے دیں۔ کیونکہ یہ میری فوکر اور عزت کا سوال ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بٹالین کو کسی مذکورہ طرح آگے لے جاؤ اور کسی مذکورہ جنگ سے کچھ علاقے پر قبضہ نہ کرو۔“

مسلمان کشادہ ظرف ہوتا ہے۔ کرنل سیال اور دوسرے افسروں نے جب ایک ہندو کرنل کو یوں بھیک مانگتے دیکھا تو انہوں نے اسے کہا کہ جہاں تمہاری بٹالین کھڑی ہے اس سے آگے نہ آتے۔ ہماری پوزیشن ہی رہے گی۔

اس کے ساتھ ہی ہمارے بلند کردار افسروں نے جب بھارت کی اس لکاوڑی رجمنٹ کے سپاہیوں کو قریب سے دیکھا تو انہیں ان پر ترس آ گیا۔ ان کے چہروں پر ہوا تپاں اتر رہی تھیں، آنکھیں کھوپڑی میں دھنسی ہوئی، کندھے آگے کو جھکے ہوئے اور انہوں نے رائفلیں وغیرہ یوں پکڑ رکھی تھیں جیسے یہ ہتھیاراں کے ہاتھوں میں زبردستی دے دیے گئے ہوں۔ ورنہ انہیں ان کے ساتھ کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی تھی، جب ان کے بٹالین کمانڈر نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا وہ دھڑام سے بیٹھ گئے جیسے گر پڑے ہوں۔

ہمارے افسروں نے آگے ہو کر چند ایک سپاہیوں سے پوچھا کہ انہوں نے کھانا کھا یا ہے، سب سپاہی مرل مرل سی آوازوں میں بولے کہ جناب سات آٹھ روز سے بھوکے ہیں۔ پیچھے سے راشن نہیں آ رہا تھا۔ پانی بھی کبھی کبھی ملتا تھا۔ دراصل ان کی پسلیاں کو ہماری بڑی توپیں ”رانی“ اور ”شیرنی“ اور پاک فضائیہ کے شاہیں دور پیچھے تھبہ کر دیتے تھے۔

مسلمانوں میں روایتی جہان نوازی کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ انہوں نے اس بھوکے پیاسے دشمن کو جہاں سمجھ کر رات کا کھانا پیش کیا یعنی ایک ہزار سپاہیوں کو کھانے کی دعوت دی۔ ہمارے



گوئج گرج ہے جس نے اسلام کو زندہ رکھا اور ناقیامت زندہ  
دنا بندہ رکھے گی۔

میرے دوستو! میں بلوچ رجمنٹ کے شہداری  
آواز ایک بار پھر آپ تک پہنچاتا ہوں۔

”یہ نہ بھولیے گا کہ ہم نے اپنا آج آپ  
کے گل کے لیے قربان کر دیا ہے“



صرف ایک فیصلہ



پیردے اور صوفے کے  
کمپڑوں کا  
اولین مرکز

SHOP  
101

شفیق سنز

نمبر ۱۰۱ موچی گلی - صدر کراچی ۷۲  
دنزد پاکو سیل ڈپو کلارک اسٹریٹ، فون ۵۰۲۴۴

عملہ نامکن ہو گیا۔

آکاش وانی سے بھارتی حکمران کچھ ہی کیوں نہ کہتے  
رہیں، مگر ان کا جزیل سبیل اور سبیل کے تمام بریکٹ کا نڈر  
نصو صتا بریکٹیر پیار سا سنگھ اس حقیقت سے کبھی انکار  
نہیں کرے گا کہ لاہور کی برکی والی دہلیز پر پاکستانیوں نے  
کس طرح جان کی بازی لگا کر انہیں روکا اور اس خوفناک  
طریقے سے روکا تھا کہ انہیں لاشیں اٹھانے کی بھی فرصت  
نہ دی اور برکی کے میدان میں ان کی لاشوں کو برکی بڈیارہ  
نور پور، برکہ خورد، برکہ کلاں، برہمن آباد اور لاہور چھاؤنی  
کے کتے کھاتے رہے۔

برکی کے تاریخی چوہارے پر جنگ کے زخموں کے  
نشان آج بھی موجود ہیں۔ یہ نشان ہمیں دکھ نہیں دیتے۔ یہ  
توپاک فوج، پاک آرٹلری اور پاک فضا تیہ کی شجاعت،  
حریت، حب الوطنی اور وطن کی لنگ کے منہ بولنے نفوش  
ہیں۔ اسی چوہارے پر دشمن کی توپوں اور ٹینکوں کے سامنے  
کھڑے ہو کر میر میر بھٹی شہید، کیٹن انور، صوبیدار شریل  
لانس نامک الیاس، سپاہی علی محمد، سپاہی خان محمد سنگھ،  
سپاہی محمد اقبال، نامک محمد اقیاس، سپاہی خان محمد، سپاہی  
خان عالم اور سپاہی محمد اکرم نے توپوں کی زبان میں دشمن  
کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ بھارتیہ! اتنی ہی فوج اور لے  
آؤ، تم ہی آ رہی کا پانی نہ دیکھ سکو گے۔

برکی کے چوہارے پر کھڑے ہو کر دیکھو تو سرحد تک  
پھیلے ہوئے وسیع میدان میں کھیتوں اور پیڑوں کی ہریالی  
کا سندر نظر آتا ہے۔ پتی پتی، خوشے خوشے سے شہیدوں  
اور غازیوں کے پاک لہو کی ہبک اٹھتی ہے اور جب ہری بھری  
جھاڑیوں سے ہوا کے جھونے گزرتے ہیں تو ان کی مترنم آواز  
میں پاکستانی توپچیوں کے کلمہ شہادت کی ایمان افروز گونج  
اور ان کی توپوں کی گرج سنائی دیتی ہے۔ یہ تاریخ اسلام کی

# ANALYTICAL AND EXTRA - PURE

## *Reagents*

- ★ Hydrochloric Acid
  - ★ Sulphuric Acid
  - ★ Magnesium Sulphate
  - ★ Ferrous Sulphate
- 

**PAK CHEMICALS LIMITED**  
**KARACHI**

Office :  
West Wharf  
Phone : 227121-4

Factory :  
S. I. T. Estate  
Phone : 63108

# شیر مار خاں

دراج الدین

شیر کے شکاریوں کا پالا اکثر ایسے شیر سے پڑ جاتا ہے جو عمر اور تجربے کی وجہ سے بہت ہوشیار اور چوکنا ہو جاتا ہے۔ ایسے شیر کو مارنے کے لیے شکاریوں کو طرح طرح کے ڈھنگ کھیلنے پڑتے ہیں۔ وہ نہایت دلچسپ طریقوں سے شیر کو سدھا لیتے ہیں شیر کے قریب جانے کے لیے اسے سدھا لینا ایک صبر آزمائے کا عمل ہوتا ہے۔

پیدل فوج کے کچھ دستے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دور دراز جنگلوں سے شیر کو گھیر کر ایک مخصوص جنگل میں لے آتے ہیں جہاں لمبے عرصے تک اس کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ سائے دار گھنے درخت ہوتے ہیں ٹھنڈے اور صاف پانی کا چشمہ یا تالاب ہوتا ہے اور کھانے کا انتظام بھی معقول کر دیا جاتا ہے۔ اس پاس کے جنگلوں سے سانپ، چیتل اور سور گھیر کر اس جنگل میں دھکیل دیئے جاتے ہیں

ہندوستان کی ان ریاستوں میں جہاں شیر کمزرت سے پائے جاتے ہیں اور جن کے راجے اور نواب یا خود شکار کے شوقین ہوتے ہیں یا اپنے مہمانوں کے لیے جن میں کبھی زیادہ تر انگریز حکمران طبقے کے لوگ ہوا کرتے تھے، شیر کو شکار کے لیے تیار کرنے کا انتظام نہایت وسیع پیمانے پر کیا کرتے تھے ہزار ہا آدمی اس کام پر لگادیتے جاتے ہیں ریاست کے شکار خانے کے مستقل عملے کے علاوہ





متم

”مارچ ۱۹۱۳ میں مجھے گویا رجانے اتفاق ہوا۔ ایک روز شام کے کھانے پر ہڑ ہائینس نے مجھے کہا کہ کل صبح وہ مجھے ایک ایسے جنگل میں لے جائیں گے جہاں میں پانچ شیر دیکھوں گا۔ یہ سن کر میں بے اختیار ہنس پڑا اور سمجھا کہ شاید میرے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو“

دوسرے روز وائسرائے اور مہاراجہ ایک جنگل میں پہنچ گئے اور پارٹی کے دیگر افراد کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مقررہ جگہ پر ہاتھیوں کا ایک نصف دائرہ بنا کر پوزیشن لے لی۔ یہ کام نہایت خاموشی سے ہوا تاکہ شیروں کو کسی خطرے کا احساس نہ ہو۔ جنگل کے داییں اور بائیں آدمی کھڑے کر دیئے گئے اور مخالف سمت سے ہانکا شروع کر دیا گیا۔ مصنف لکھتا ہے۔

”جوں ہی ہانکا شروع ہوا ایک دلچسپ اور خوشوار منظر سامنے آ گیا۔ پندرہ منٹ کے عرصے میں پانچ شیر جنگل سے باہر نکل آئے اور ہاتھیوں کی نظار میں سے نکل کر جھاگ نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ میرے قریب سے جو دو شیر گزرے وہ میں نے ماریے میرے علیے کے ارکان نے بھی دل کھول کر فائرنگ شروع کر دی

جو میرے لیے کافی دلچسپی کا باعث تھی۔ ہم سب نے مل کر بیس منٹ کے عرصے میں آٹھ شیر مارے اور جیسا کہ ہانکے والوں نے بتایا، دو شیر ہانکا لائن توڑ کر پیچھے نکل گئے۔ گویا اس چھوٹے سے جنگل میں جس کی وسعت نصف میل سے زیادہ نہیں تھی شیروں کی تعداد دس تھی“

خیال فرمائیے کہ وہ کھیل جو صرف بیس منٹ میں ختم ہو گیا اس کی تیاری میں ریاست کو کیا کچھ کرنا پڑا ہو گا۔ اسی کتاب میں مصنف نے آگے چل کر ایک اور طریقہ بیان کیا ہے جس کا انتظام اس کے اعزاز میں ریاست میسور نے کیا تھا وہ لکھتا ہے:

”رتی خوراک کی کمی کی صورت میں درجنوں بھیڑے قربان رو دیئے جاتے ہیں جن کو جگہ جگہ باندھنے کی بجائے آزاد ہوڑ دیا جاتا ہے اور وہ ایک ایک کر کے شیر کا لقمہ بنتے جتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ اسے مفت خوری کی مادہ پڑ جاتی ہے اور وہ عیش و عشرت میں دن گزارنے لگتا ہے۔ اسے کسی دوسری جگہ جانے کا خیال بھی نہیں آتا۔ درجب شیر ایک ہی جنگل کا ہو کر رہ جاتا ہے تو شکار خانے کا تربیت یافتہ عملہ اپنے مخصوص انداز میں اسے قتل میں جانے کا ڈھنگ سکھانا شروع کر دیتا ہے۔ کئی مرتبہ گھیر کر اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں شکار کرنا مقصود ہو۔

اگر ماہرین یہ دیکھتے ہیں کہ شیر شکار کی جگہ سے تیزی سے گزر جاتا ہے تو ہانکے کا دباؤ کم کر دیا جاتا ہے۔ یہ کارروائی کئی بار دہرانے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیا طریقہ استعمال کیا جائے کہ شیر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہو شکاری کے سامنے آئے اور اپنا چوڑے سے چوڑا حصہ شکاری کی جانب رکھے اور دونوں کے درمیان فاصلہ بھی چند گز سے زیادہ نہ ہو تاکہ اناڑی سے اناڑی کا نشانہ بھی خطا نہ جائے۔

باہر سے آنے والے مہمان شکاری کو بظاہر یہ بات معمولی نظر آتی ہے لیکن حقیقتاً ریاست کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے اس کام میں حصہ لیا ہو۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ سینما کا ایک شو جو دو گھنٹے میں ختم ہو جاتا ہے اسے دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ فلم بنانے والے نے اس پر کتنا روپیہ اور وقت صرف کیا ہو گا۔ وضاحت کے لیے..... ایک سابق وائسرائے ہند کی کتاب ”اون دی ہلز اینڈ پلینز“ سے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں وہ لکھتا ہے:

گزرنا رہتا ہے۔ یہاں ایک بھینسا باندھ دیا جاتا ہے، جسے شیر ایک دو روز میں ہی مار کر اطمینان سے کھاتے ہیں۔ اس کے بعد ہر تیسرے یا چوتھے روز ایک تازہ دم بھینسا باندھ دیا جاتا ہے اور شیر پروگرام کے مطابق مارنا اور کھانا شروع کر دیتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد وہ اس مفت خوری کا عادی بن جاتا ہے۔ شیر کو اس طرح فریب دینے میں کم از کم ایک ماہ مزدور لگ جاتا ہے اور اس عمل کو شکاری بلانا یا سدھانا کہتے ہیں۔ یہی اس مضمون کا موضوع بھی ہے۔ سات یا آٹھ بھینسے قربان کرنے کے بعد جب آخری بھینسے کی باری آتی ہے تو پہلے ہی جنگل کو تین طرف سے جال سے گھیر لیا جاتا ہے اور چوتھی سمت جدھر سے شیر کو داخل ہونا ہوتا ہے کھلی چھوڑ دی جاتی ہے۔ یہ بھینسا یقینی طور پر پہلی ہی رات مارا جاتا ہے اور جب شیر کھانے میں مصروف ہو جاتا ہے تو جال کا باقی ماندہ حصہ بھی نہایت خاموشی سے بند کر دیا جاتا ہے اور فردا ہی چاروں طرف آگ کے الاؤ روشن کر دیئے جاتے ہیں اور بلم برداروں کا گھیرا کھل کر دیا جاتا ہے۔ اس شیر کے مارنے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ شکاری ہاتھی پر سوار ہو کر جال کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور گولی چلا دیتا ہے۔ اس کام کے لیے نڈر اور سدھائے ہوئے ہاتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بگڑا ہوا شیر اکثر حملہ کر دیتا ہے اور اگر ایسے موقع پر ہاتھی بھی بگڑ جائے تو شکاری کو سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہندوستانی دالیان ریاست کی مہمان نوازی مشہور ہے۔ اگر کوئی ریاست گوالیار اور میسور جیسا انتظام کرنے کے قابل نہیں ہوتی تھی اور کسی انگریز مہمان کو شکار کھلانا ضروری ہو جاتا تھا، جس کو بالفاظ دیگر رشوت کہنا بے جا نہ ہوگا، تو وہ شیر قیمتاً خرید لیا کرتے تھے اور اسے

”شیر بھینسے کو مار کر جب اسے کھانے میں مصروف تھا تو اس جنگل میں کچھ فاصلے پر چاروں طرف رستے سے مٹنے ہوئے جال کو موٹی ملیٹوں کے سہارے کھڑا کر دیا گیا اس طرح شیر سب طرف سے اس جال کے گھیرے میں آگیا۔ گھیرا ہوا کل رقبہ میرے اندازے کے مطابق پلو گراؤنڈ سے بڑا نہیں تھا۔ جال کے باہر جگہ جگہ جلا دی گئی اور مقامی کاشت کاروں کی ایک بہت بڑی تعداد لمبے لمبے بانس، جن کے سروں پر بھالے لگے ہوئے تھے، لے کر پہرے پر کھڑی کر دی گئی تاکہ شیر کسی جگہ سے بھی جال توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش نہ کر سکے۔ میری اطلاع کے مطابق یہ شیر دو روز سے اس قید میں تھا اور غالباً پولیس کی وجہ سے بے حد تند اور جھلجا ہو گیا تھا۔ اس نے کئی بار جال توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن ہر بار دیہاتیوں نے اسے بلم مار مار کر اندر دھکیل دیا۔“

انجام کار یہ شیر اس طرح مارا گیا کہ مصطف کو ایک مہمان پر بٹھا دیا گیا اور قریب ہی جال کا ایک بھانٹک فاصہ کھول دیا گیا۔ اور شیر کو مہمان کی طرف بھاگنے کی جگہ دے دی گئی۔ شیر جس کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہو عام طور پر مہمان کے قریب سے نہایت تیزی سے گزرتا ہے اور اس کو مارنے کے لیے مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیر کو جال میں گھیر کر شکار کرنے کا ڈھنگ ہندوستان کی ادویاتوں میں بھی رائج ہے۔ طریقہ سب کا ایک ہی ہے۔ اس کے لیے منوں بلکہ نٹوں رستے کا جال اور بلیاں درکار ہوتی ہیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں بلم بردار دن اور رات پہرہ دیتے ہیں۔ تب جا کر ایک شیر کو قابو کیا جاتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت شکار گاہ کے لیے ایک مناسب جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ ایک گھنے جنگل کا خطہ ہوتا ہے۔ جس میں سے شیر اکثر

کے گولوں اور آتش بازی سے جلا کر رکھ کر دیا جاتا ہے۔ اس آتشزدگی کی پہل لازمی طور پر راجہ کو کرنی ہوتی تھی جن کو عوام کی طرف سے اوتار رام کی جگہ دے دی جاتی ہے۔ ہزار ہا شہری یہ تماشا دیکھنے رام لیلا کے میدان میں جمع ہو جاتے تھے جن میں ایک میں بھی ہوا کرتا تھا۔

راجہ کی سواری اس کے محل سے روانہ ہو کر روایتی شان و شوکت کے ساتھ شہر کے بڑے بازاروں سے گزر کر اس میدان تک پہنچتی تھی اور جس باغی پر راجہ سوار ہوتا تھا اسے خوب سجایا جاتا تھا۔ اس پر جو جھول ڈالی جاتی تھی اس کی قیمت کئی ہزار روپیہ بتائی جاتی تھی۔ باغی کی پشت پر راجہ کے ہودے کے پیچھے ایک مردہ شیر رسیوں سے باندھ دیا جاتا تھا جو سواری کے ساتھ ساتھ تمام شہر کے بازاروں سے گزرا جاتا تھا۔ مجھے اور چیزوں سے زیادہ اس شیر کو دیکھنے کا شوق ہوتا تھا۔ یہ شیر مہاراجہ راجہ خود اسی روز صبح شکار کیا کرتا تھا۔

شکار ایک غیر یقینی چیز ہے چنانچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دوسرے کے دن باغی کی کمر پر شیر کی جگہ خالی رہ جاتی تھی جسے دیکھ کر راجہ کے ساتھ ساتھ عوام بھی بالوس ہو جاتے تھے۔ چونکہ ہندوؤں کا اعتقاد کمزور ہوتا ہے اس لیے وہ آنے والے سال کو منوس قرار دیتے تھے۔ اکثر کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا تھا کہ "ہے رام بھلی کریو" ہندو خوفزدہ ہو کر تیرات کرنے لگتے تھے۔ ریاست اور میں شیروں کی کوئی کمی نہیں تھی اور راجہ بہت اچھے شکاریوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ شیر کی نمائش کا سلسلہ راجہ نے شوقیہ شہر سے کیا ہو لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اسے ایک روایت کا درجہ دے دیا گیا اور دوسرے کے روز شیر کا مارنا نہ ہی فریضے کی طرح ضروری سمجھا جانے لگا۔ راجہ خود بھی اس

پنجرے میں بند کر کے درختوں کے سائے میں چھپا دیا کرتے تھے۔ قریب ہی ایک چمان پر شکاری کو بٹھا دیا جاتا تھا اور شیر کا پنجرہ کھول دیا جاتا تھا۔ انتظامات ایسے کیے جاتے ہیں کہ شیر پنجرے سے نکلنے کے بعد صرف وہی راستہ اختیار کرے جو اسے سیدھا چمان کے قریب لے جائے۔ جھوکار پنہنے کی وجہ سے وہ اس قدر لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے کہ بھگانا تو درکنار اس سے چلا بھی نہیں جاتا لہذا نہایت آسانی سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

شیر کو نشہ پلا کر بھی شکار کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے زیادہ مشکل اور صبر آزما ہے۔ اور اس کے لیے ماہر کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دہلی سے ایک سو بیس میل دور اور نام کی ایک ریاست ہے جہاں میں نے طالب علمی کے زمانے کے شروع کا حصہ گزارا تھا اور جہاں شیر کو نشی بنا کر شکار کرنے کا طریقہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

مہاراجہ جے سنگھ والے ریاست اور خود بھی شکار کا بہت شوقین تھا اور مہاتوں کو شکار کرنے کے لیے بڑے عجیب اور دلچسپ طریقے استعمال کرتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا اس ریاست میں دوسرے کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ شہر کے باہر ایک وسیع میدان میں میلہ لگا کر تھاجو رام لیلا کا میلہ کھلاتا تھا۔ یہاں ایک بہت اونچا انسان نما مجسمہ بانس کی پٹریں اور رنگین کاغذ سے بنا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ یہ راؤن کا مجسمہ ہوتا تھا جو کسی زمانے میں لنکا کا راجہ ہوا کرتا تھا اور جس نے سیتا کو اغوا کر کے ہندوؤں کے وقار پر ایک ایسا وجہ لگایا جو آج تک نہیں دھویا جاسکا۔ اسی دشمنی کی بنا پر ہر سال راؤن سے بدلہ لینے کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ راؤن کی روح کو صدمہ پہنچانے کی غرض سے اس کے مجسمے کو آگ

# اپنا انکم ٹیکس خود ہی تشخیص کیجئے

خود تشخیص شدہ گوشوارے برائے سال ۶۹-۱۹۶۸ء  
۱۵ ستمبر ۱۹۶۸ء تک داخل کر دیجئے۔

خود تشخیص طریق کار کی سہولتوں کے تحت آپ کا خود پیش ہونا  
یا کھاتے پیش کرنا ضروری نہیں: اپنا انکم ٹیکس خود  
تشخیص کر کے آپ غیر ضروری مالی اخراجات اور اچھنوں  
سے بچ سکتے ہیں  
ان سہولتوں سے وہ تمام لوگ منافع اٹھا سکتے ہیں جن کی  
کل آمدنی چھ ہزار سے زیادہ اور جو پچاس ہزار روپے تک  
۶۰۔ یہ چھپس ہزار روپے کی بالائی حد ان لوگوں پر مائد نہیں  
مقرر ہیں کی کل آمدنی ۵ لاکھ ۵۰ ہزار روپے سے زیادہ ہو۔  
مکان کا گریہ اور کوئی ڈیڑے حاصل ہوتا ہے۔  
خود تشخیص طریق کار ان لوگوں پر بھی عائد  
ہوتا ہے جن کی تنخواہوں سے انکم ٹیکس کاٹ لیا  
جاسا ہے۔

آمدنی کے گوشواروں کے فارم اور طریق خود تشخیص کے تحت ٹیکس کی ادائیگی کے  
چالان کسی بھی انکم ٹیکس دفتر سے بلا قیمت حاصل کیے جاسکتے ہیں

آخری تاریخ ۱۵ ستمبر یاد رکھیے

مزید تفصیلات کے لئے قریب ترین انکم ٹیکس آفس سے رجوع کیجئے

شائع کردہ:- سینٹرل ریوینو بورڈ - حکومت پاکستان

یاجادو کا کرشمہ سمجھتے تھے۔ مجھ پر ان کے خفیہ طریقہ کار کا انکشاف ان کے بیٹے سے ہوا جو میرا ہم جماعت تھا اور جو اپنے والد سے خاندانی پیشے کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ میرا ان کے گھر بھی آنا جانا تھا۔ بلکہ ایک دو مرتبہ ان کے بیٹے کے ساتھ میں بھی ان کی شکاری مہم میں شریک ہوا اور اس طرح مجھے ان کے شیر کے شکار کا انتظام قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

شیر مارخاں جسے میں خاں صاحب کہا کرتا تھا اور جوہر کا اصلی نام معلوم کرنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جنگل میں جو بندوق اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا وہ پرانے زمانے کی توڑے دار ایک نالی تھی۔ اس سے جب بھی موٹیڑ ہوتا تھا عجیب عجیب کمالات دکھایا کرتا تھا۔ مثال کے طور پر نالی میں چھروں کی جگہ پانی بھر کر سانپ کا مارنا، یا نالی پر پارہ بھر کر لوبے کی باریک جالی کے پیچھے ایک بڑا کھٹ کر کے اس پر فائر کرنا، یا اگر جانا تھا لیکن جالی بالکل سا رہتی تھی۔

شیر کا شکار کرانے کا طریقہ یہ تھا کہ شیر مارخاں اپنے حملہ اور ریاست کی پیدل فوج کی مدد سے شیر کو دور دراز جنگلوں سے گھیر کر سرسک کے جنگل میں لے آتا تھا۔ سرسک مہاراجہ اور کی دل پسند شکار گاہ تھی جہاں اس نے ایک خوبصورت جنگل بنوایا تھا اور جس میں شکار کے دوران ان اور ان کے مہمانوں کا قیام ہوتا تھا۔ شیر کو اس جنگل پر کراس کی ہر ضرورت پوری کی جاتی تھی۔ آرام گاہ کے گھنے درختوں کا سایہ بکثرت تھا۔ خوراک کے لیے جگہ بھینسے بندھوا دیئے جاتے تھے کہ جہاں بھی بھوک۔ خوراک مل جاتے۔ باقی البتہ دور دور نہیں تھا جنگل اندر بھی جن گڑھوں میں برساتی پانی رک جاتا تھا اسے ڈال کر خشک کر دیا جاتا تھا۔ اس حکمت عملی کی ایک

بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ جنگل کا ایک جانور اتنے بڑے مہاراجے کو جسے وہاں کے لوگ پر بھوکا نام دیتے تھے چمکے دے جاتے اور ساری مخلوق کی نظروں میں وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتے۔ چنانچہ جواڑہ کا مینہ کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ خواہ کچھ بھی خرچ ہو اور کوئی بھی جائز یا ناجائز طریقہ اختیار کیا جائے لیکن دوسرے والے روز ایک شیر ضرور مارا جائے۔ یہاں تک کہ سننے میں آیا تھا کہ اگر کچھ بھی نہ ہو تو کپڑی باغ کے پلے ہوئے شیروں میں سے ایک کو مار کر ہاتھی پر باندھ دیا جائے تاکہ راجہ کی عزت کا تحفظ کیا جاسکے۔ بہر حال اس سکیم کے تحت ایک بار شکاری کی ضرورت کا اعلان کیا گیا جو دوسرے کے روز ایک مرا ہوا شیر مہیا کرنے کا فہم لے یا ایسے انتظامات کئے کہ شیر خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو مہاراج کو چمکے نہ دے سکے۔

ایک ایسا شکاری مل گیا جسے سور وہیہ مہاراجہ پر منتظم شکار خانہ مقرر کر دیا اور جس نے پہلے ہی سال نہایت خوبی سے راجہ کے ہاتھوں ایک شیر کا شکار کر دیا اور اپنے عہدے پر قدم جمالیے۔ تین سال تک شیر مرتے رہے۔ مہاراج صاحب نے خوش ہو کر بھرے دربار میں اس شکاری کو ایک خلعت اور ایک پیش قبض کے ساتھ شیر مارخاں کا خطاب عطا کیا۔ اس روز سے ان کی ایسی شہرت ہوئی کہ وہ بازار سے گزرتا تو بیڑ لگ جاتی۔ وہ اکثر ٹم گھوڑا گاڑی، میں نکلا کرتا تھا جو اسے سہ کار کی طرف سے سواری کے لیے دی گئی تھی۔ وہ اسی میں جنگل کا دورہ کیا کرتا تھا۔ تنخواہ کے کاغذ پر دستخط کی جگہ انگوٹھا لگایا کرتا تھا لیکن تنخواہ بڑا وضع دار آدمی۔ اپنے لباس کا خاص خیال رکھتا تھا شیر کے معاملے میں اس کی نمایاں کامیابی کو لوگ کسی بھی طاقت

میں صرف ایک مرتبہ پانی پیتا ہے جس کے لیے وہ رات کے دو بجے سے لے کر چار بجے تک کسی وقت بھی پانی پرا جاتا ہے۔ چنانچہ شیر مار خاں کا شیر پانی کی کرکسی لیلدار جگہ پر جا کر سو جاتا تھا اور تمام دن سو رہتا تھا۔ افیون کی صحیح مقدار کا تعین شیر مار خاں خود شیر کی حالت کا جائزہ لے کر کیا کرتا تھا۔ وہ گھر سے ایک بوتل لاتا تھا جس میں گہرے رنگ کا محلول ہوتا تھا جو کئی منشیات اور جڑی بوٹیوں کا مرکب ہوتا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا، افیون اس محلول کا اہم جزو تھی۔ مسلسل نشہ آور محلول پی کر شیر، شیر نہیں رہتا تھا بلکہ اس کی حالت ایک عام چرسہ یا افیون انسان کی سی رہ جاتی تھی۔ جس روز شکار کرنا ہوتا اس رات اس محلول کی مقدار کو بڑھا دیا جاتا۔ ظاہر ہے نشہ میں دھت شیر کو مارنا کوئی مشکل کام نہیں۔ وہ گوشت کھانے سے پہلے ہی آدھا مچکا ہوتا تھا۔

شکار والے روز افیون کی مقدار کا تعین کرنا بھی ایک مشکل کام تھا۔ اس کے لیے وقت سے پہلے ہی کئی مرتبہ ری ہرسل کیا جاتا تھا۔ وہ خود ایک مچان پر بیٹھ جاتے اور شیر کو ہانکا کر کے اس کی خواب گاہ سے باہر نکالا جاتا اگر وہ کافی چست و چالاک میدان میں آتا تھا تو شکار کے لیے افیون کی مقدار بڑھا دی جاتی تھی۔ اگر وہ بہت زیادہ سست اور نڈھال ہو کر نکلتا تھا یا کبھی کبھی اس قدر کمزور ہو جاتا تھا کہ نکلنے سے انکار ہی کر دیتا تھا۔ ایسی صورت میں، افیون کی مقدار کم کرنی ہوتی تھی۔ شکار سے دو ہفتے پہلے راجہ کو یہ اطلاع دے دی جاتی کہ شیر تیار کیا جا چکا ہے۔

راجہ کے شکار کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ سرسکہ میں جنگل کی ایک میل لمبی اور دو فرلانگ چوڑی پٹی تھی اس کے ایک جانب خشک پہاڑ تھا اور دوسری جانب کھلا

دھرتی۔ پانی کا انتظام شیر مار خاں خود کرتا تھا چونکہ شیر مار خاں کا سارا کھیل اس پانی سے ہی ہوتا تھا۔ اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ شیر کہیں اور جا کر پانی نہ پئے۔ چنانچہ وہ شیر کی آرام گاہ کے قریب مٹی کی ایک ناند جس سے دھوٹی بھٹی چڑھانے کا کام لیتے ہیں اور جس میں تقریباً بیس گیلن پانی کی گنجائش ہوتی ہے، رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ نصف زمین کے اندر ہوتی تھی اور نصف باہر۔ شیر مجبور ہو کر روزانہ اس میں سے پانی پینے کا عادی ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ضروریات زندگی شیر کو بغیر کسی محنت اور جانفشانی کے نصیب ہو جاتی تھیں تو اسے یہ جنگل چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کا خیال نہیں آتا تھا اگر وہ کبھی ایسی غلطی کر بھی جاتا تھا تو فوراً خود بخود واپس آ جاتا تھا اس لیے کہ اس پاس کے جنگلوں میں معقول انتظام اس بات کا کر دیا جاتا تھا کہ وہ وہاں جا کر بھوک اور پیاس سے گھبرا جائے۔ ایک ماہ کے اندر وہ یہاں مستقل رہائش اختیار کر لیتا تھا۔

جب اسے شکار کے لیے تیار کرنے کا عمل شروع ہوتا تھا تو سب سے پہلے پانی کی نالی میں گتے کے رس کی کچھ مقدار گھول دی جاتی تھی۔ اس خیال سے نہیں کہ شیر میٹھاس کا شائق ہوتا ہے بلکہ ایک دو ہفتے کے بعد جب پانی میں افیون گھولی جاتی تو گتے کی بو اور ذائقہ افیون پر حاوی ہو جاتا تھا اور شیر کو شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی شرارت کی جا رہی ہے۔ پانی کی مقدار روزانہ پوری کی جاتی تھی اور یہ پانی آخری مرحلے تک شیر مار خاں کی لوجہ کار مکنز بنا رہتا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے کمالات دکھاتے تھے ایک ماہ تک افیون کی چاشنی کا سلسلہ جاری رہتا تھا جسے ذرا سی مقدار سے شروع کر کے بتدریج بڑھا یا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شیر افیون کا اس قدر عادی ہوتا جاتا تھا کہ اس کے بغیر اسے زندگی کا لطف ہی نہیں آتا تھا۔ وہ باقاعدگی سے مقررہ وقت پر پانی پینے نادر آ جاتا تھا۔ شیر چوبیس گھنٹے

ستبر

میدان دونوں جانب فوج لگادی جاتی تھی اور شیر کے ان کے درمیان سے نکل بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اہتمام اس لیے کیا جاتا تھا کہ کسی کو شک نہ فزیرے کہ شیر نشے سے نیم مرده ہے بلکہ وہ غور خوار شیر ہے جسے مارنا بہت ہی خطرناک ہے۔ ایک سرے سے ہانکا شروع کیا جاتا جنگل کی پوری لمبائی میں ہر فلاںک پر چھاڑیاں مٹا کر کے ایک لمبی پٹی کھول دی جاتی جسے فائر لائن کہتے ہیں۔ اس میں گھاس تک نہیں مڑتی تھی اور خرگوش بھی صاف نظر آ جاتا تھا۔ اس ایک فائر لائن پر راجہ اور ان کے ساتھی ہاتھیوں پر سوار ہو کر بندوقیں تان کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ شیر کے نکلنے ہی اس پر گولیوں کی پوچھاڑ پڑھاتی تھی جس سے پنج نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پہلی گولی مہاراج چلاتے تھے۔ شیر مارخان دراصل پیشہ ور شکاریوں کے اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس نے کسی زمانے میں دلی کے مغل بادشاہوں کو شکار کھیلوایا تھا۔ وہ بھی شاہزادوں کی تفریح کے لیے شیر کو اسی طرح تیار کرتے تھے کہ وہ گھوڑا سے مار لیا جاتا تھا۔ بعد میں ہندوق سے شکار ہونے لگا۔ بہر حال شیر تو تیاری میں ہی آدھا مر چکا ہے اس کے بعد لاشیوں سے بھی مارا جائے تو کیا تعجب ہے۔ شیر مارخان بڑے فخر سے بیان کیا کرتا تھا کہ اس کے بزرگ جنگلی شیر کو رسی سے باندھ کر دلی کے بازاروں میں گھما دیا کرتے تھے۔

زیر تربیت افسروں میں سے ایک نے ان کی باتوں سے منظور ہوتے ہوئے پوچھا: پھر تو آپ پاکستان سے بھی بخوبی واقف ہوں گے، صوبیدار نے فوراً جواب دیا: ”کیوں نہیں میں پاک بھارت جنگ میں وہاں قیدی رہ چکا ہوں!“

شیر دھن، استنابازار، لاہور

## دونے ناول



نشاط  
فالمہ

السنو  
چوبہ زندگے

اگر دو بے تفریق اور دائیں سے چوکا شکار ہے لیکن یہ موشل اور توتلی ہیں۔ گھٹا ٹپ انجیر میں بھی کبھی نہیں کریں، روٹی کی کرن پھوٹ پٹی نکلتی ہے۔

حکومت میں برسوں میں وقفہ وقفہ سے یہ چوکا دھڑلایا ہے۔  
• خدائی سٹی • آگ کا دریا • آنگن • آداس نیلیں  
جیسے بین الاقوامی شہرت کے ناول اس کی مثال ہیں۔

اگر اب پانچ سال بعد نشاط فالحہ نے اس چوکا پر ایک بار پھر ضرب کاری لگائی ہے۔

انصاف سے  
السنو  
چوبہ زندگے  
نشاط فالحہ  
تخلیق کے لحاظ سے

دنیا کے عظیم کلاسیکی ناول کی صفیں بھی جاسکتی ہے۔ 6.50

لنگر افروشتہ  
تقدیر جتار



فرشتہ، انسان اور شیطان تخلیق کائنات کی تین اہم کڑیاں ہیں۔ ان میں صرف انسان ہی ہر خواص کا حامل ہے۔ کہیں اس میں فرشتوں کی ملکی خصوصیات ملتی ہیں تو کہیں اس میں شیطان کی اسفل ترین ولتیں۔ مگر یہ بتانے کے لیے کہ انسان مخلوق فرشتوں سے ایسی گھٹیں میں گر رہا ہے اور کون کون کی گہرائیوں سے آئے و اعدا میں فرشتہ بن جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک کہانی ہے جس میں ان سوالوں کا لنگر افروشتہ جواب آپ اپنے تجربے اور محسوسات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ قیمت 2.50



لاہور، راولپنڈی، بہاولپور، پشاور  
ملتان، حیدرآباد، کراچی

فایو سنس



# آنکھیں دکھا رہے ہیں مسلمان کو ہنود



ہندو نے ہمیشہ ہر نئے آنے والے کا استقبال کیا اور  
 ہر نئے کو تہنیت کیا چنانچہ اس نے مسلم دشمنی میں  
 انگریز کا ساتھ دیا۔ وہ مسلمان کو مٹا توڑ سکا لیکن انگریز  
 کے زیر سایہ اس کی نفرت کا سارا سیلاب ہندو کو سم  
 شادات کی شکل میں مسلمان ہی کے گھر کی طرف بہنے  
 لگا اور پرنسپلری تقسیم کے بعد بھی بدستور بہ رہا ہے۔

سراج نظامی

یہاں داخل ہوئے۔ مظلوم اور مشہور عوام کی ایک بڑی تعداد نے خوشی خوشی اسلام قبول کر لیا اور ان کی آمد کو اپنے لیے رحمت سمجھا۔ مگر برہمن مت اور اس کے پیرو حینہ مسلمانوں کو اپنے علاقے میں اجنبی اور غاصب سمجھتے رہے۔ مسلمانوں کو جب تک ملک میں اقتدار حاصل رہا، یہ بظاہر مسلمانوں کے دوست بنے رہے۔ مگر ذہنی طور پر انہیں کبھی قبول نہیں کیا۔

عقلمند نور مشید عالم نے اپنے مبسوط اور جامع مضمون "بھارت کا عالمی کردار" میں اس مسئلے پر بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ چنانچہ آپ ہندو ذہنیت اور برہمن کے کردار کے متعلق فرماتے ہیں: "برہمن نے درن آشرم کا جالاتق کے یہ تصور تحت الشہور

تک پہنچا دیا تھا کہ سب کچھ برہمن کے استغاثہ کے لیے پیدا کیا گیا اور ہر کوئی اس کی خدمت پر مامور ہے۔ اس استغاثہ اور خدمت کے لیے برہمن کسی قسم کی اخلاقی قبول کا پابند نہیں تھا۔ بلکہ اخلاقی، معاشرتی اور انسانی قدروں اس کی خواہشات کی نذر ہو جایا کرتی تھیں۔ اس نے انسانوں کو اپنے علاوہ کشتریہ ویش، شہور کے طبقات میں تقسیم کیا تاکہ وہ حکومت، سپہ گری، تجارت اور عام خدمت کا فریضہ انجام دیتے رہیں اور وہ خود بلاروک ٹوک ہر طرح کی خیرستی میں لگا رہے۔ برہمن نے کبھی حکومت کا لالچ نہیں کیا بلکہ مکرانوں کو اپنا محاذ نظر اور خادم بھا بھی وہی وجہ ہے کہ حکومت کے معاملے میں اس نے کبھی کسی سے تعرض نہیں کیا، جو بلادست آیا وہ غیر شعوری طور پر اس کا مبیع ہو گیا۔ البتہ اس نے اس سے بھی لگائی کہ حکمران کی قوت اس کے مفاد کے تحفظ کے کام آئے گی۔ ایسا نہیں ہوا تو اس نے مقابلہ نہیں کیا بلکہ منافقت سے کام لیتے ہوئے اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب حکمرانوں میں فتنہ پھیل آئے۔ جو مہی ایسا وقت آیا اس نے تو اس وقت کی اور قتل و غارت پر آمنا ہوا جس پر کھٹ پر وہ ہاتھ رگوئے نہیں تھکتا تھا، اسے اٹھاڑ پھینکنے میں وہ کوئی عار محسوس

پنڈت گنگا دھر تلک ہمارا شہری برہمن تھا اور ہندوؤں کا بہت بڑا لیڈر، اس کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ مرنے لگا تو اس نے ایک دوست سے کہا: میرا یہ پیغام مہاتما گاندھی جی کو پہنچا دینا کہ میری طرح ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ جس طرح بھی ہوسکے ہندوستان کی سب حالتوں بندوؤں کے قبضے میں آ جائیں۔ پھر صرف ایک حکومت کا مسئلہ باقی رہ جائے گا جس کا حل بالکل آسان ہوگا مقدم بات یہ ہے کہ ملکیت ہندو قوم کی ہو۔ (ہندو راج کے منصوبے از ملک فضل حسین)

۱۹۳۶ء میں ایک اور برہمن پنڈت ہوامرل منہرو نے طاقت کے نشے میں مست ہو کر کہا: "برصغیر میں دو مہی طاقتیں ہیں۔ ایک انگریزی جو دوسری کانگریس (یعنی ہندوئی)۔ دونوں برہمنوں کے بیانات پر غور کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کا ڈھنڈورا ایک سیاسی ٹانگ اور گھنواہ ڈھونگ تھا۔ برہمن نے مسلمان کو دل سے نہ کبھی قبول کیا تھا اور کبھی قبول کرے گا۔ ہندو کی اس ذہنیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ تاریخ کے اوراق اٹھنے پڑیں گے اور اس کے پس منظر پر گہرا جائزہ لینا ہوگا۔

جسبہ انہوں نے برصغیر میں اپنے قدم بھارتے تو پروفیسر محمد علی علی اللہ کے الفاظ میں "برہمن مت کے عروج نے یہاں ذات کی بندشوں کو ایسا مضبوط بنادیا تھا کہ ان کا ٹٹانا ناممکن تھا۔ اس مذہب نے انسانوں کو اس طرح گروہوں میں بانٹا تھا کہ نسلیں گورہانے پر بھی ایک گروہ کا دوسرے سے ربط و اتصال ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ برہمن مت کے عروج نے بدھ مت اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لیے ملک میں کوئی جاتے پناہ نہ چھوڑی اور وہ مشرقی اور جنوبی گوشوں میں پھیل گئے۔ یہ تھا اس ملک کا ماحول جب مسلمان

نہیں کرتا تھا۔ ایک پوکھٹ سے فارغ ہونے ہی وہ دوسری پوکھٹ پر اور زور سے مانتا دگڑنے لگے جانا تھا۔ برہمن کے مفاد کا تحفظ ہوتا اور برہمن ہوتا تو، وہ ہمیشہ تازہ دم آنے والے کے انتظار میں رہا اور اپنی وفاداری کا مرجع بدلنے کے لیے ہر وقت تیار۔ حکمرانوں کے قافلوں کے قافلے آتے۔ اور ورن آئرم کے سمندر میں آ آکے ڈوبے۔ ان میں سے جو اکاؤنٹا ڈوب کے انجھرے۔ برہمن کے ہاتھوں ان کے سر قلم ہو گئے۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا تا آنکہ انگریز نمودار ہوتا۔ انگریز کا معرفت برہمن کے نزدیک صرف اسی قدر تھا کہ وہ انہیں سابقہ حکمرانوں یعنی مسلمانوں سے سبقت دلاتے گا۔ ۱۸۵۷ء تک وہ انگریز کے بارے میں متذنب رہا کیونکہ انگریز اس کے معاملات میں مداخلت کا مرتکب ہوتا رہا اور اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انگریز اس کے مفاد کا تحفظ کرے گا یا نہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب اسے بالکل یقینان ہو گیا کہ نیا حکمران اس کا دشمن نہیں، تو وہ پوری طرح انگریز کی پناہ میں چلا گیا۔ نئے حکمرانوں کے جلو میں وطنیت، جمہوریت اور سیاست کے جوہر پوری تصورات آئے، برہمن نے انہیں حسب عادت لپک کر قبول کیا اور ان تصورات کے زور پر، انگریز کی طرف سے بے فکر ہو کر بھی اور اس سے ملی جھگت کر کے بھی، وہ مسلمانوں کے درپے تخریب ہو گیا۔

انگریز کی شہ پارک برہمن نے مذہبی حقوق کی آٹھیں فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے کی جھمکا آغا کیا۔ اور یوں ہندو مسلم فسادات کے ذریعے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش شروع کی۔ چودہری غلطی الزماں اپنی کتاب Pathway to Pakistan میں فرماتے ہیں: "انگریز کی عملداری میں سب سے پہلا فساد ۱۸۰۳ء میں بنارس میں ہوا لیکن ۱۸۱۳ء میں ممبئی میں گپتی کے جلوس پر زبردست فساد کے بعد فرقہ وارانہ فسادات ہندوستان کی زندگی کا نمایاں جزو بن گئے۔ یہ فسادات عام طور پر ان مقامات

جس کا انگریز معروض وجود میں آئی تو خدا تعالیٰ رحمت کرے سرسید احمد خان کو جن کی حقیقت میں لگا ہوں نے برہمنی ذہنیت کو ٹاٹا لیا اور ۱۸۸۸ء میں میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "فرض کیجئے کہ آج انگریز ہندوستان چھوڑ دیتے ہیں تو پھر ہندوستان کا حکمران کون ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان حالات میں یہ دونوں قوبل یعنی مسلمان اور ہندو ایک تخت پر ساتھ ساتھ نہ لیکن ہوں اور ساری طاقت اور اختیار کی مالک ہوں؟ ان دانشوروں کے خیالات سے برہمنی ذہنیت کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ برہمن نے کبھی کسی غیر قوم کے وجود کو دل

انگریز کی شہ پارک برہمن نے مذہبی حقوق کی آٹھیں فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے کی جھمکا آغا کیا۔ اور یوں ہندو مسلم فسادات کے ذریعے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش شروع کی۔ چودہری غلطی الزماں اپنی کتاب Pathway to Pakistan میں فرماتے ہیں: "انگریز کی عملداری میں سب سے پہلا فساد ۱۸۰۳ء میں بنارس میں ہوا لیکن ۱۸۱۳ء میں ممبئی میں گپتی کے جلوس پر زبردست فساد کے بعد فرقہ وارانہ فسادات ہندوستان کی زندگی کا نمایاں جزو بن گئے۔ یہ فسادات عام طور پر ان مقامات

پر ہوتے تھے جہاں مسلم آبادی اقلیت میں ہوتی تھی۔ یو۔ پی کے مشرقی علاقے میں جس کی مسلم آبادی ۱۰۰ فی صد تک تھی۔ فسادات کی کثرت تھی لیکن مغربی علاقے میں جہاں مسلم آبادی ۲۰ فی صد تھی، فسادات کم ہوتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں کثرت کی طرف سے ہوتی تھی۔

### گینتی کا جلوس

چودھری غلیق الزمان نے گینتی کے جس جلوس کا ذکر کیا ہے اس کا کرتا و حرکتانہ نہایت لوکا میتلک تھا۔ ملک فضل حسین نے اپنی معرکتہ الآراء تصنیف ”ہندو راج کے منصوبے“ میں اس جلوس اور فساد کا حال یوں لکھا ہے،

”رولٹ لکٹی کی رپورٹ کا آغاز ہی ان لفظوں میں ہوتا ہے کہ مغربی ہندوستان میں مغویہ تحریک کے آثار ابتدا میں دو سالہ میلوں میں رونما ہوئے۔ جن میں ایک تو ہندو دیوتا گینتی کے اعزاز میں منعقد ہوتا ہے اور دوسرا ہٹھ مردار سیوا کی کے اعزاز میں جس نے اہل لمان و کی کو مسلمان حکمرانوں کے خلاف متحد کیا تھا۔ گینتی کے میلے کی دھوم دھام سے مناتے جانے کی رسم تازہ معلوم ہوتی ہے۔

خیال غالب ہے کہ گینتی میں ۱۸۹۳ء میں جو فساد ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ہوا تھا، اس کے بعد مفسدوں نے ہندو مسلمانوں میں لُغاق ڈالنے کا بہترین ذریعہ سوچا کہ گینتی کا میلہ اعلیٰ پیمانے پر منعقد کیا جائے۔ اور جس طرح مسلمان لوگ اپنے شہیدانہ سلف کے تابوتوں کو ایامِ حرم میں دریا برد کرتے ہیں اسی طرح علم و فتح کے دیوتا گینتی کی مورقی کو اس کی آخری جائے آرام دریا یا گل میں بہا دیا جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں

کے مذہبی احسانات کو زخمی کیا جائے۔ پہلے پہل نماز کے وقت مسجدوں کے پاس سے گزرتے ہوئے جلوسوں کا گانا بجانا حکما بند کر دیا جاتا تھا، اس خیال کو لے کر ستمبر ۱۸۹۹ء میں مفسدوں نے اس معمولی پوجا کو عالمگیر ناخوش بنانے کے انتظامات کیے اور پوجا کے لیے میلے کی ایک ایسی جگہ انتخاب کی جہاں عوام بہ آسانی جمع ہو سکیں۔ نیز ایسا انتظام کیا گیا کہ گینتی کے حضور میں جو لوگ ہوں، وہ گیت کا بازی اور دیگر جسمانی ورزشوں کے ماہر ہوں متواتر دس دن تک فوجوالوں کے گروہ گلیوں اور بازاروں میں ایسے اشعار گاتے پھرے جن سے مسلمانوں اور گورنمنٹ کی مخالفت مقصود تھی۔ اس موقع پر ایسے اشتہار طلب کی طرف سے تقسیم کیے گئے جن میں عام ہندوؤں کو مقابلے کے لیے اور مرہٹوں کو لکھنات کے لیے ترغیب دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ غنیمت ملی حکومت کا خزانہ ہر کس وکاس کے بیٹے میں گھونپا ہوا ہے جسے نکالنے کے لیے مذہبی فساد پہلا قدم ہونا چاہیے۔ قدرتا اس ہوا سے بامنی اور فساد کی کئی وارداتیں ہوتیں۔ چنانچہ ایک موقع پر ساٹھ تیر آدمیوں کے جلوس نے ایک مسجد کے نزدیک سے گزر کر مسلمانوں کے مذہبی مراسم میں دخل اندازی کی اور پولیس کے مزاحم ہوئے۔“

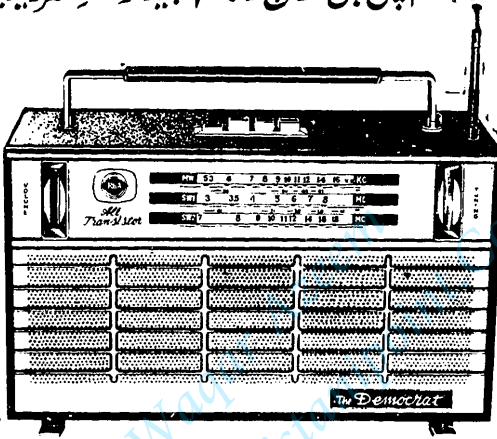
### فسادات کا سلسلہ

ان باتات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا ہندو مسلم فساد گینتی کے جلوس پر ہوا۔ لیکن آر۔ سی۔ موجد رائے اپنی

دیدہ زیب بھی ، خوش آواز بھی

# ٹریو کریٹ

ایسٹن سوئچ والا ۳ بینڈ ٹرانسٹرینیڈیو



- بڑے سائز میں خوبصورت رنگوں کی پکین کینسٹ
- انوکھے طرز کی سنہری گرل • سات حصوں والا
- طاقتور اینٹینا • آؤٹ پٹ : ۱۰۰۰ ملی واسٹ
- ۴ اینچ سائز کا ڈائنامک سپیکر • بیٹری کا خرچ بے حد کم۔



RADIO • TELEVISION

تیار کنندگان : ریڈیو اینڈ جنرل اپلائیڈ سنسٹریٹس  
تعمیر کنندگان : کمپنیل ٹریڈنگ کمپنی  
لاہور  
تمام معیاری ذیلوں سے دستیاب ہے

CTD-50/u

میں ہندو مسلم فسادات کے فتنے میں جو بحث کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ فسادات کا سلسلہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق انیسویں صدی کے اوائل میں بنارس میں ایک زبردست فساد ہوا تھا۔ اکتوبر ۱۸۰۹ء میں شہر کے ہندوؤں کے ایک ہجوم نے اورنگ زیب کی مسجد کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ پچاس کے قریب مسیحیوں شہید کر دی گئیں اور بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں نواب خجہہ کی ہندو مسلم رعایا کے درمیان فساد ہوا۔ ۱۸۸۵ء اور ۱۸۹۳ء کے درمیان فسادات کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ ۱۸۸۵ء میں لاہور اور ۱۸۸۶ء میں دہلی میں زبردست فسادات ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں بومبے اور لڑھیانہ، انارک اور ڈبرہ غازی خان فسادات کی زو میں آ گئے۔ ۱۸۹۳ء میں یوپی کے قصبہ اعظم گڑھ میں فساد ہوا۔ یوپی میں بھی چھ دن تک جاری رہا، اسی طرح علی گڑھ (ضلع میانوالی) بھی ہندو مسلم فساد کی لپیٹ میں آیا۔ ۱۸۹۳ء میں بہار اور ۱۸۹۴ء میں کلکتہ میں بھی فسادات ہوئے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۱۷ء کو ۲۵۰۰۰ سے زیادہ ہندوؤں کے ایک ہجوم نے ابراہیم پور پر پلہ لولی دیا اور قریبی دیہات میں مسرت بدست جنگ ہونے لگی۔ پولیس نے بڑی مشکل سے فسادوں پر قابو پایا۔ لیکن ۸ اکتوبر کو ایسا فساد شروع ہوا جس کا سلسلہ چھ دن تک رہا۔ مسلمانوں کے مکانات لوٹ گئے۔ اس فساد میں ہندوؤں کے ہجوم کی قیادت ہندو زمینداروں نے ہاتھوں اور گھوڑوں پر بٹیر کر کی۔ ملحقہ علاقوں اور ضلع گیا کے ۲۰ دیہات کو لوٹا گیا۔ ایک ہزار اشخاص کو ڈیفینس آف انڈیا ایکٹ کے سخت گرفتار کر کے مختلف میعادوں کی سزائیں دی گئیں۔ ۱۹۱۸ء میں ہردوار سے چھ میل دور گٹار پور میں ہندو مسلم فساد ہوا۔ مسلمانوں کے مکانات جلا دیے گئے۔ ۴۰ مسلمان مارے

گئے، ۶۰ زخمی ہوئے جن میں چند مستورات بھی تھیں۔ مجبورانہ حریم اور دوسرے کی تقریبات، بقرعید پر گائے کی قربانی کو ان فسادات کی وجہ قرار دیا ہے۔

شدرھی

گنگا دھرتی کے کارنامے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ایک اور بہمن دیانند مسوتی کا حال سنیں۔ اس نے بیعتیہ اسلام کی بیعت کئی کے لیے آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کی دل آزاری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ گاندھی نے جب ترک موالات اور مسلمانوں نے خلاف کی تحریک چلائی تو بہت سے ہندو مسلمان جیل خانوں میں ڈال دیے گئے۔ انہی میں ایک شخص شروع نہ ہوا تھا۔ یہ ذات کا بہمن تو نہ تھا لیکن کٹھن آریہ سماجی تھا۔ سید نور احمد مصنف "مارشل لا" سے مارشل لا تک لکھتے ہیں: "اس شخص نے ہندوستان کی تاریخ میں خاصا دلچسپ کردار ادا کیا ہے۔ یہ ایک زمانے میں پنجاب پولیس میں تھانیدار تھا اور اس کا نام منشی رام تھا۔ پھر اس نے وکالت شروع کی اور اس کے بعد ترک دنیا کر کے گیان دھیان کی زندگی بسر کرنے لگا اور گوروں کے دربار میں ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گیا، یہاں اسے سوامی شروہانند کا خطاب ملا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے اپنا ہیمنڈ کواریڈول میں منتقل کر لیا۔ جب رولٹ ایکٹ کے خلاف ایچی ٹیشن شروع ہوا تو اس نے ایک نیم مذہبی، نیم سیاسی لیڈر کی حیثیت سے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ اسی زمانے میں ایک دن دہلی کے مسلمان اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر جامع مسجد میں لے گئے اور اس نے جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی۔ پھر تحریک عدم تعاون کے سلسلے میں اس نے جیل پانزائی۔ ابھی قید کی میعاد پوری نہ ہوئی تھی کہ اسے رہائی مل گئی۔ لیکن یہ شخص جیل سے نکلا تو اس نے اپنے ایک عظیم منصوبے کا اعلان

تہنچی۔ چھرطان اور کوٹاٹ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے جن سے ہندوؤں میں بے حد اضطراب پھیل گیا۔ پنڈت مالوی مدت سے ناک لگاتے بیٹھے تھے۔ انہیں ترک مولائے اور تحریک خلافت کے دوران میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان اپنی قربانی اور اولوالعزمی سے سارے ہندوستان کی سیاست پر چھا جائیں گے اور گاندھی جی کا عدم تشدد ہندوؤں کو کمزور کر دے گا۔ اس لیے اس تحریک کا جلد از جلد خاتمہ ہونا چاہیے۔ چوری چوراکے حادثے سے تحریک ختم ہو گئی تھی لیکن اس کا نفوذ اب تک اپنی تمام پنڈت جی نے سب سے پہلے تو اپنے چیلے چانوں کی مدد سے آلی انڈیا ہندو جہاسیہ کو زندہ کیا اور ہندو سنگھٹن کا پیغام دینے کے لیے ملک بھر کا دورہ کیا۔ اس کے بعد دہلی و آگرہ کے ارد گرد رہنے والے نیم مسلم ہندو ملکانہ راجپوتوں کو سوامی شرودھانند کی مدد سے شہرہ کرنا شروع کر دیا۔ ایک دم ملک بھر کی صحبت پسند ہندو جماعتیں جن میں آریہ سماج پیش پیش تھی، اٹھ کھڑی ہوئیں، ہندوؤں سے کہا گیا کہ تم اپنے نفرتوں اور کمزوریوں کی وجہ سے مسلمانوں کا شکار ہو رہے ہو، اس لیے سنگھٹن ہو جاؤ۔ سنگھٹن کا مطلب صرف تنظیم ہونہ تھا بلکہ ہر جگہ ورزش جسمانی کے لیے اکھاڑے بنائے گئے اور ہندو فوجوان زمرہ کسرت کرتے، بلکہ لٹھیائیں، پھر باں، تیزاب کی بوتلیں فراہم کرتے تاکہ اگر کسی وقت مسلمانوں کو ڈرانا مقصود ہو تو ان حربوں سے کام لیا جائے اور اگر کسی مسئلے حاکم کریں تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔ اور کوٹاٹ اور ملتان کی طرح مار نہ کھائی جائے۔ شندھی کا مقصد یہ تھا کہ عبادت و ورزش میں جتنے مسلمان ہندوؤں کی اولاد ہیں، ان سب کو از سر نو ہندو جاتی میں شامل کر لیا جائے تاکہ اس دیش میں ہندوؤں کی عظیم اکثریت ہو جائے۔

شندھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے تبلیغ اور تنظیم کی تحریکیں چلائی ہیں۔ فرقہ وارانہ جذبات میں سدھت پیدا ہو گئی۔ دہلی کے جہاسیہ اتھارٹیج "میں ایک نظم شائع

کر دیا، منصوبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو جن کے باپ دادا ہندو تھے، شہرہ کر کے دوبارہ ہندو بنالیا جائے اس مہم کا آغاز اس نے میں یائیس ہزار راجپوتوں کے ایک قبیلے سے کیا جو بیشتر ضلع آگرہ کے دیہات میں آباد تھے۔ یہ مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان تھے لیکن اکثر ہندو داند سوم کے پابن تھے۔ ان کا قبیلہ ملکنا نہ راجپوتوں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ سوامی شرودھانند نے ملکنا نہ راجپوتوں میں شندھی کی مہم شروع تو مسلمانوں میں شور مچا اور جوابی کارروائی کے لیے کئی تبلیغی جماعتیں میدان میں آئیں۔

سنگھٹن

شندھی کی تحریک نے برصغیر میں فرقہ وارانہ جذبات کو خوب بھر پور کیا، ایک اور برہمن پنڈت مدن موہن مالوی نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف منظم کرنے اور طاقتور بنانے کے لیے سنگھٹن کی تحریک چلائی۔ مالوی اور اس کے چیلے چانوں کے کیا ارادے تھے مولانا فاضل علی خان کی زبان سے سنیں:

فرماتے ہیں۔

سنگھٹنوں کے دلوں میں بھی ایک خواہش ہے کہ مسلمان کی اس دیش میں بستی نہ رہے رب کعبہ کا جہاں نام لیا جاتا ہو کشور ہند میں ایسی کوئی بستی نہ رہے پینے والوں کو ملے باؤہ مگر تنگ کا جام مگر اس باؤے میں تو حید کی مستی نہ رہے

مولانا عبد المجید سالک اپنی "مرکز نشت" میں لکھتے ہیں: "ترک مولائے کے دوران ملیبار کے ساحل پر مولانا قوم نے بلاوت کر دی اور چونکہ تحریک خلافت کی وجہ سے اس بناوت کا رنگ دروغن اسلامی تھا، اس لیے بعض ہندوؤں کو بھی تکلیف



ہوئی جس میں ہندوؤں کو تلقین کی گئی۔۔۔

کام شدھی کا کبھی بند نہ ہونے پاتے

ہندوؤں تم میں سے گرجندہ ایماں باقی

بھاگ سے وقت یہ قوموں کو ملا کرتے ہیں

رہ نہ جاتے کوئی دنیا میں مسلمان باقی

ہندو محلوں میں درزش کے لیے اکھاڑے بناتے گئے

انہیں لاعلمی چلائے، بچھینکے، توڑ پھوڑ کرنے کی تعلیم دی جانے

لگا کہ اگر فساد ہو جائے تو قوم کو محلوں سے مسلمانوں پر اور کچھ نہیں تو

پسی ہوئی مرچیں پھینک دیا جائیں برساؤ لاہور کے ایک زندہ

دل بچا بیٹا سونے ایک نظم لکھی جس کا ٹیپ کا مصرع تھا۔

اٹھ فی بھا بواٹھاں مار، مسئلے آگے وجہ ہزار

(اے بھائی اٹھ اور اٹھیں برسا، مسلمان بازار میں آگئے ہیں)

۱۹۲۶ء میں ایک ادیب محمد عمر کے کاتب عبدالرشید نے نردھانند

کو قتل کر دیا جس نے ملٹی پر تیل کا کام کیا اور فسادات کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ چنانچہ اس سال کے دوران میں کچھ فسادات

ہوتے، جن میں سے بہار، ملتان، بریلی اور ناگپور کے فسادات

زیادہ وسیع پیمانے پر ہوتے۔

۴ مئی ۱۹۲۷ء کی رات کو لاہور کی حویلی کا بی بی علی مسجد

میں مسلمان نماز عشا ادا کر رہے تھے کہ دو مسکنہ جو پولیس کے

سبکدوش شدہ عوامدار تھے، تلواریں سونت کر مسجد کے باہر کھڑے

ہو گئے، پچاسے نمازیوں کو آنے والے خطرے کا کچھ علم نہ تھا،

وہ دھماکے کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ دونوں مسکنہ ان پر

پل پڑے اور تین مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ دوسرے دن شہیدوں

کے جنازے اٹھے جس میں مسلمان ہزاروں کی تعداد میں شریک

تھے جب یہ جلوس لوہاری دروازے کے باہر پہنچا تو ہندوؤں

کے ایک مکان سے جنازوں پر لنگر پھینکے گئے۔ مسلمان بچھڑ گئے

لیکن لوگوں کے بھانجے بھانجے اور جنازوں کی بے حرمتی کے

خیال سے خاموش رہے۔ جب مسلمان شہیدوں کو دفن کر کے

واپس آ رہے تھے تو ہندوؤں سے ان کا تصادم ہو گیا اور شہر کے

مختلف محلوں میں خنزیری کی دار وائیں ہونے لگیں۔ دو تین دن

تک کشت و خون کا بازار گرم رہا، دوسو سے زیادہ اشخاص ہلاک

اور تین سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔ سیکڑوں مسلمان گرفتار ہوئے۔

فروری ۱۹۲۹ء میں ممبئی میں ایک ہولناک ہندو مسلم فساد ہوا۔

ہندوؤں نے سازش کر کے یہ افواہ پھیلایا کہ چٹانوں کا ایک

گروہ بچوں کو اغوا کر رہا ہے۔ ممبئی کے سیکڑوں نے اپنی دوکانوں

دفتروں اور کارخانوں میں بھٹان چوکیدار ملازم رکھے ہوئے تھے۔

ہندوؤں نے ان بے گناہ چوکیداروں پر اس کے دھکے چلے

شروع کر دیے۔ بھٹان مشتعل ہو گئے اور انہوں نے درجن

سے زیادہ ہندوؤں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد عام ہندو مسلم

فساد شروع ہو گیا۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء کو ایک بنیور مسلمان نوجوان

علم الدین نے راجپال، ناشر "ریگنلا رسول" کو قتل کر دیا علم الدین

گرفتار ہوا، اس پر مقدمہ چلایا گیا اور پچاسی کی سزا دی گئی

ہزاروں مسلمان اس کے جنازے میں شریک ہوئے لیکن اپنے

رہنماؤں کے کہنے پر بالکل پرامن رہے، ورنہ اس دن لاہور

میں ہندوؤں کا بہت بڑا شہر ہوتا۔

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں کشمیر اور صوبہ سرحد میں مسلمانوں پر

جبر و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے۔ ریاست اٹور کے ہندو راجے

نے مسلمان رعایا پر ظلم و ستم روا رکھا اور سیکڑوں مسلمان پولیس

کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو مولانا محمد علی نے لندن میں انتقال فرمایا

کا پٹنر کے مسلمانوں نے مکمل بڑتال کی لیکن ہندوؤں نے خود راست

کے باوجود کاروبار بند نہ کیا۔ ۲۳ مارچ کو جب بجکت سنگھ وغیرہ کو

پچاسی دی گئی تو ہندوؤں نے جلوس نکالا اور مسلمانوں سے

بڑتال کرنے کا مطالبہ کیا جس کا نتیجہ زبردست فساد کی صورت

میں نمودار ہوا۔ پانچ سو اشخاص اس فساد میں جان سے

لاٹھ دھو بیٹھے۔

زبردست تصادم ہوتا رہا۔

## کانگریسی وزارتیں

مارچ ۱۹۳۴ء میں قائد اعظم مسلم لیگ کے منتفق صدر منتخب ہوئے اور ان کی انتخابی نشستوں سے لیگ کے

مردہ جسم میں زندگی کا نازہ خون دوڑنے لگا۔ آپ نے برہمن کی سازش کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا اور مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ ہندو تہارا دوست قیامت تک نہیں بن سکتا۔ یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو نیا قانون ہند نافذ ہوا۔ اور ۳۷-۱۹۳۶ کے موسم سرما میں انتخابات منعقد ہوئے۔

کانگریس کو مدراس، یوپی، ممبئی سی پی، بہار، اڑیسہ اور صوبہ سات صوبوں میں اکثریت حاصل ہوئی۔ پنجاب، سندھ، بنگال، آسام میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ کانگریس نے ان سات صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم کر لیں۔ اور بغیر حرم نور شہید عالم صاحب جب حکومت کی وہ کرسیاں، جہاں سے کانگریسیوں کی گرفتاری کے احکام صادر ہوا کرتے تھے۔

ان کے قبضے میں آگئیں تو وہ اس نشہ افتدار میں بدست ہو گئے۔

صاحب نظر ان نشہ فشاں وقت ہے خطرناک

کے مصداق کانگریسی صوبوں میں طوفان بدتمیزی پیدا ہو گیا۔ بیچارے مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ٹوڑے جانے لگے۔

ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ جا بجا فسادات ہوئے۔ جن کے مقام ہائے منظر محض کانگریسی صوبے تھے جہاں

کانگریسی حکومت کے ماتحت سوراٹوں نے امسا کی تعلیم کے علی الرغم بزور کانگریس کی تبلیغ کی۔ مسلم لیگ نے ان

رجحہ واقعات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو اسے حقارت سے رد کر دیا گیا۔ اور ان تمام حقائق کو فرضی روایا کہہ کر دنیا کو فریب دینے کی کوشش کی گئی۔ بالآخر مسلم لیگ

نے ۱۰ مارچ ۱۹۳۸ء کو ایک ماتحت کمیٹی زیرِ صدارت راجہ

۱۹۳۴ء میں ریاست کپور تھلہ کے قصبہ سلطان پور میں مسلمانوں نے ایک جلوس نکالا۔ غیر مسلم حکام اور اہل کاروں نے اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ پولیس نے ہتھے جلوس پر گولی چلا دی۔ بائیس مسلمان شہید اور بے شمار زخمی ہوئے۔ ہمارے پنجاب میں شورش مچ گیا۔

مولانا ظفر علی خان نے فرمایا ہے

کوئی سننے نہ سنے رب کعبہ نے تو منا  
بیاں کپور تھلہ کے ستم رسیدوں کا  
وہ خاک کیوں نہ ہو ہر گاہ کہ بلا جس میں  
بہا ہو خون مسلمان کی امیدوں کا  
کفن لپیٹ کے سر سے چلے جو مقتل کو  
تو حوریں آئیں کریمہ چوم لیں شہیدوں کا  
لگے ہیں گشتوں کے میدان میں ہر طرف پستے  
حساب ہوگا قیامت میں سر بریدوں کا

۱۹۳۵ء میں ریاست جے پور کے مسلمانوں کو بلا وجہ

نشد و کانشہ نہ بنا گیا۔ بے شمار شہادتیں انہیں ادائے نماز سے روکا گیا، ان پر عرصہ حیات اس قدر تنگ کیا گیا کہ ہزاروں مسلمان جے پور سے ہجرت کر کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔

اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ملتان مارچ ۱۹۳۹ء میں امرتسر مارچ

۱۹۴۱ء میں اور متی ۱۹۴۱ء میں حصار ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آئے۔ اسی طرح اسی زمانے کے لگ بھگ سکھر میں بھی فساد ہوا۔

بنگال بھی متاثر ہوا۔ چنانچہ اگست ۱۹۴۰ء میں ڈھاکے

میں ستمبر میں برودان میں فسادات ہوئے، مارچ ۱۹۴۱ء میں

کھلنا میں فساد ہوا جس میں دوکانیں لٹی گئیں۔ ۷ مارچ کو ڈھاکے

کے ایک ہندو محلے میں ایک مسلمان پر حملہ کیا گیا۔ دوسرے دن

مزید حملے شروع ہو گئے۔ ہندوؤں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا ایک مسجد پر پلہ بول دیا، اگلے تین روز تک فریفتین میں



Smart Smarter Smarter

KTI



۱۹۴۷ء تک یہ سادہ یونی چلتا رہا، مسلم لیگ نے قائد اعظم کی قیادت میں کامیابی حاصل کی، اسی سال برطانیہ سے ایک وزارت مشن ہندو مسلم مسئلے کا حل دریافت کرنے آیا، اس نے برصغیر کی مختلف سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں سے گفت و شنید کر کے اپنی تجاویز پیش کیں۔ مولانا عبدالمجید مالک اس ضمن میں فرماتے ہیں: "لیکن ان تجاویز میں چونکہ پاکستان کے مطالبہ کی تکمیل نہ ہوتی تھی، اس لیے مسلمانوں نے ان کو مسترد کر دیا۔ مسلم لیگ تو پہلے کسی قدر آمادہ قبول تھی، لیکن مسلمانوں نے اس کو مجبور کر دیا۔ چنانچہ ممبئی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس نے تجاویز کو مسترد کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ اور "راست اقدام" کا عزم کر لیا۔ جس کی مشق اول کے تحت مسلم لیگیوں نے خطابات ترک کر دیئے۔ راست اقدام" کا نام ملتے ہی ہندوؤں کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے سنگ لنگوٹے کس لیے۔ چنانچہ ۱۹ اگست کو کلکتہ میں ہولناک فساد ہوا جس میں ہزاروں ہلاک اور ہزاروں جرح ہوئے۔ پھر ممبئی، گڑھ کشمیر کو متاثر، الہ آباد میں فسادات ہوئے۔ نواکھلی (مشرقی بنگال) اور صوبہ بہار میں جو ہولناک خونریزیاں ہوئیں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے کیساں شرمناک تھیں اور ان میں ہزار ہا جانوں کا نقصان ہوا۔ کروڑوں کی جانید و تباہی کر دی گئی۔ لیکن اس حقیقت کی شہادت تو ہندو لیڈروں نے بھی دی کہ مسلمانوں نے جو کچھ نواکھلی میں کیا وہ بہاری ہندوؤں کی تباہ کاری اور ستاکی کے مقابلے میں عشر و غیر بھی نہ تھا۔ عرض حالات اس مقام پر پہنچ گئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا یکجا زندگی بسر کرنا ناممکن ہو گیا اور پاکستان کا قیام اس برصغیر کی سب سے بڑی شرط حیات قرار پایا۔"

## پاکستان

اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان، سب سے بڑا اسلامی ملک

معرض وجود میں آگیا۔ چونکہ ہندوؤں کی فرقہ پرست جماعتیں آریہ سماج، ہندو مہاسبھا، راشٹریہ سبھک سنگھ اور ان کے ساتھ سکھوں کا اکالی دل اندر ہی اندر فساد کی تیاریاں مکمل کر چکی تھیں۔ انہوں نے کافی اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں برہمن کی حمایت حاصل تھی جو صدیوں سے ہر آنے والے کا سوا لگت کرنے اور جانے والے کو ترہیغ کرنے کا عادی تھا۔ اس لیے جب نئے مسلمان مہاجرین کے قافلے ہجارت چھوڑ پاکستان کی طرف روانہ ہوئے تو ان جماعتوں نے ان پر وہ ظلم و ستم ڈھایا کہ تنہا یہ اس کے ذکر سے شرماتی ہے مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا یا گیا۔ انہیں زندہ آگ میں جلایا گیا۔ معصوم بچوں کو قتل کر کے ان کی ماؤں کی آغوش میں دیا گیا۔ مسلم خاتین کو مادرِ زنا و برہمنہ کر کے انہیں جلوس کی شکل میں چلنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کی بے رحمی کی گتھی ان پر حجر مانڈ چلے کیے گئے۔ وودھ پیٹے بچوں کو میزوں میں پروایا گیا۔ مسلمانوں کی لاشوں کے ٹوٹے کتوں کے آگے ڈالے گئے بغرضیکہ چاروں طرف سے ہجارت سے جانے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

## ہجارت

لیکن برہمن کا دل اس پر بھی نہیں یسبھا۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد ہجارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو ہندو اکثریت آج بھی اٹھیں دکھا رہی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کانگریس، ہندو مہاسبھا، جن سنگھ، راشٹریہ سبھک سنگھ اور دوسری فرقہ پرست جماعتیں مسلمانوں کو مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہی ہیں۔

ہجارت میں قیام پاکستان کے بعد آج تک کتنے فسادات ہوئے اس کا اندازہ خود ہجارتی حکومت کی اس رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس میں اس نے اعتراف کیا

۱۹۵۰ء فرقر دارنہ فسادات ہوئے جن میں ۹۹۳ شدید قسم کے تھے۔ ”ڈان“ (۱۳ فروری ۱۹۶۸) کے بیان کے مطابق مولانا نے یہ بھی کہا کہ ان فسادات میں ۵۰۰۰۰۰ مسلمان ہشید ہوئے، فرقہ پرست ہندو لیڈر، ہندوستان میں مسلم اقلیت کے وجود کو برواشت نہیں کرنے اور چاہتے ہیں کہ وہ ہندو اکثریت میں مدغم ہو جائیں۔ مثلاً بلراج مدھوک صدر آل انڈیا ججن سنگھ یہ کہتا ہے کہ ”ہندوستانی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ماضی کو بھول جائیں اور اپنے آپ کو ہندو سماج کا جزو بنالیں۔“

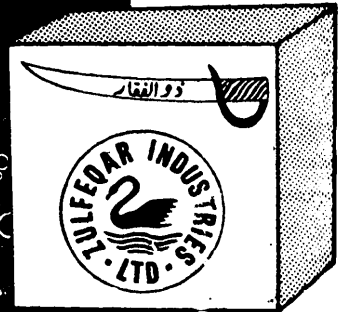
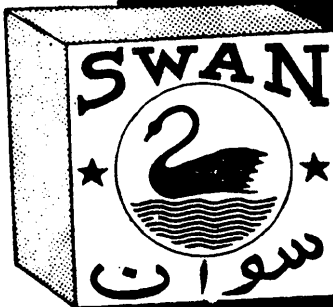
مجاہد کے صوبہ مدھیہ پریش، رانی، ہمارا ٹھہرا لیکاروں بہار، احمد نگر، شولا پور، ناگ پور، ممبئی، کلکتہ، گواٹی اور مقبوضہ کشمیر میں متعدد بار ہندو مسلم فسادات ہوئے جن میں مساحد کو مسمار کیا گیا، قرآن حکیم کی بے حرمتی کی گئی، مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، عورتوں کی عصمت دری کی گئی، معصوم اور شیرخوار بچوں

ہے کہ ۱۹۶۵ء میں ۶۷۶ اور ۱۹۶۷ء میں اگست تک ۱۳۲ فسادات ہوئے۔ اسی سے ۲۳ سالوں کے فسادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شمیم احمد پیر زادہ نے اپنے مضمون ”مطبوعہ پاکستان ریلویو“ (اگست ۱۹۹۸) میں لکھا ہے:

”مجاہد کی اکثریت مسلمانوں کو معزز شہریوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کا حق نہ دینے کے متعلق اپنے ولی ارادوں کو صیغہ راز میں نہیں رکھتی۔ پیر جانبدار غیر ملکی مبصرین نے بار بار ہندوؤں کی اس تشنگی کو محسوس کیا۔ ٹریبیون (انگلز) نے ۱۳ فروری ۱۹۹۸ء کو اور خلافت ممبئی نے ۱۸ فروری ۱۹۹۸ء کو پیر چھاپی ہے کہ مولانا اسحاق مسنبطی نے مجاہد کی پارلیمان کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں ایک غصہناک بیان دیا ہے میں انہوں نے حکومت پر الزام لگا دیا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے۔ آپ نے کہا اگر گذشتہ ۲۰ سالوں کے عرصے

آپ ضرور پسند فرمائیں گے یہ صاف  
ستھرے اور اُجلے کپڑے دھوتا ہے

سوان  
برانڈ صابن



کو زندگی کا نشانہ بنایا گیا، عورتوں کو اغوا کیا گیا۔

سید محمد حسن معاذ جماعت اسلامی ہند نے ہندوؤں کی غارتگری کے متعلق اعداد و شمار اکٹھے کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک یو پی، سی پی، جمپور، ساگر، علی گڑھ، میرٹھ، آگرہ، سیناٹھی، مالیکان، ناسک، چندوسی، بہار، بھگل پور، جمشید پور، کلکتہ، اڑیسہ، میسور، پونا، پٹنہ، اندور، بہار، کولہا، باسٹم، منگروں، عادل آباد، نظام آباد، راجستھان، مراد آباد، اور بومہ وغیرہ کے فسادات میں مسلمانوں پر کیا قیامت توڑی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے:

- ۱: مقتول مسلمانوں کی تعداد ۹۰,۰۰۰
- ۲: بے خرمی کی وارداتیں ۲۰,۵۰۰
- ۳: اغوا کی وارداتیں ۹۷۰۰
- ۴: مقتول بچوں کی تعداد ۱۱,۳۰۰
- ۵: جایتداروں کا نقصان ۱,۳۱,۲۷,۰۰۰ روپے
- ۶: شہید کردہ مساجد کی تعداد ۴۴۰

آج سے ڈیڑھ سال قبل حکومت پاکستان نے بھارت سے مسلمانوں کے اخلاک کے مسئلے کا جائزہ لینے کے لیے جو کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس نے حال ہی میں اپنی رپورٹ پیش کی ہے جس میں بتایا ہے کہ بھارت میں اقلیتوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور وہ عدم تحفظ کے شدید احساس سے دوچار ہیں۔ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ بھارت نے مسلمانوں کے ابرو منداند وجود کو برداشت نہیں کیا اور بھارتی حکمرانوں نے اپنے تمام باشندوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری کا حقہ پوری نہیں کی۔ بھارت میں مسلم کش فسادات کا جو سلسلہ جاری ہے اس سے بعض اوقات یہی احساس ہوتا ہے کہ بھارت میں وحشی آباد ہیں اور وہاں کے حکمران ورنہ صفت ہیں۔

اسی طرح حکومت آزاد کشمیر نے جو کمیشن کشمیری مسلمانوں کے مسلح قتل عام کی تحقیقات کے لیے مقرر کیا تھا اس نے بھی اپنی رپورٹ

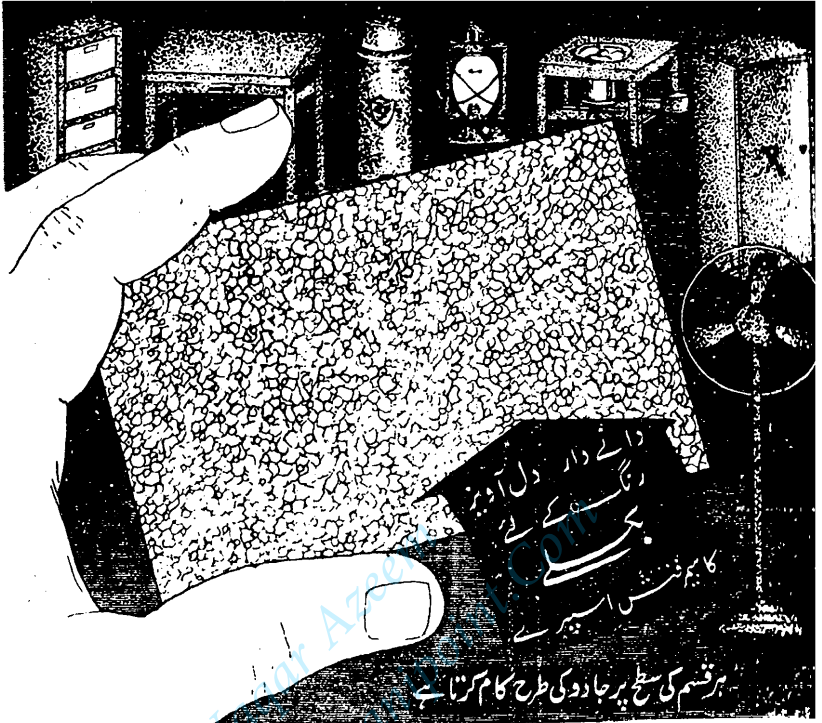
پیش کر دی ہے جس کے مندرجات سرکاری ریکارڈ، غیر جانبدار بھارتی مبصرین، غیر ملکی اخبارات کے نمائندوں کے بیان، اور دیگر قابل اعتماد مشاہداتوں پر مبنی ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے رحم قتل کیا گیا۔ ان کی املاک نذر آتش کی گئیں۔ نوجوان لڑکوں کو عجزانہ حملے کیے گئے۔ انہیں گھروں سے بے دخل کیا گیا۔ ان کی فوج اور پولیس نے فرقہ پرست جماعتوں کی کھلم کھلا حمایت اور پشت پناہی کی۔

ظلم و ستم، جو رواج استبداد کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ برہمنی زمینیت بدستور مرکز عمل ہے۔ وہ مسلمانوں کے وجود کو بھارت تو کیا پاکستان میں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ دن بھر کا معرکہ، چمپ بوڑا، کی لڑائی اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اسی برہمنی زمینیت کا نتیجہ تھی۔ ان معرکوں میں برہمن کو مندی کھانی پڑی اور اللہ آئندہ بھی اس کا یہی حشر ہوگا۔ بھارتی مسلمانوں کے مصائب آلام کا خاتمہ پاکستان ہی کے ہاتھوں ہوگا۔ اس کے لیے ملکی اتحاد اور یکجہتی اشد ضروری ہے۔ محترم غور شنید عالم صاحب اس مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے:

"وہ (بھارت) برہمنیت کو تباہ نہیں سکتا۔ اور برہمنیت زمانے کے ساتھ چل نہیں سکتی۔ جب تک وہ ورلڈ آئٹرم کے گندے جوہر کا بینڈک بن رہے گا اس کی مصیبت میں کمی واقع نہیں ہو سکے گی، اس جوہر سے وہ بالآخر پاکستان کے ہاتھوں نکل سکے گا۔ اور یہ مسئلہ پاکستان کی گہری توجہ کا مستحق ہے کیونکہ اس کے بغیر پاکستان کا عالمی کردار بھروسہ نہیں آسکتا۔"





ہر سے بدتر سطح کو بھی اس رنگ کا اک ذرا سا اسپرے جادو کی طرح حسن اور دل آویزی کا مرقعہ بنا دیتی ہے۔ سطح پر دانے دار رنگ اور پھر ہر قسم فنش کی چمک دمک سا لہلہاں تک قائم رہتی ہے۔ یہ دھات کی تمام سطحوں کو آنا فانا میں خوبصورت بنا دیتا ہے۔ یہ رنگ سخت ہو کر سبوست ہو جاتا ہے اور موسم کی خرابیوں، رنگ کے اثر اور ترنسن سے محفوظ رہتا ہے۔ آپ اپنی پسند کا رنگ حاصل کر سکتے ہیں یہ دھلائی کی تمام خرابیوں کو چھپانا اور آسانی سے نظر نہ آنے والے حصوں کو بھی دلکش بنا دیتا ہے۔ بکسلے کاہنٹس اسپرے بازار میں سب سے پہلے آج بھی عمدگی اور پسندیدگی میں سب سے بالا ہے کیونکہ اس کا زکوئی مقابلہ ہے اور زکوئی بدل !

جہاں بھی پینٹ ہے وہاں بکسلے  
**بکسلے پینٹس لمیٹڈ**  
 کراچی - چٹاگانگ



گوشت کی کشتانہ بنایا گیا، عورتوں کو اغوا کیا گیا۔

سید حامد حسن معاون جماعت اسلامی ہندوؤں کی فائرنگی کے متعلق اعداد و شمار اکٹھے کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک یو پی، سی پی، جیلپور، ساگر، علی گڑھ، میرٹھ، آگرہ، سینڈائی، مالیکان، ناسک، چندوسی، بہار، بھگال پور، جھینڈ پور، کلکتہ، اڑیسہ، بیسور، پونا، پٹنہ، اندرا بہار، کولہا، باسکم، منگروں، عادل آباد، نظام آباد، راجستھان، مراد آباد، اور بوسہ وغیرہ کے فسادات میں مسلمانوں پر کیا قیامت توڑی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے :

- ۱: مقتول مسلمانوں کی تعداد ۹۰۰۰۰
- ۲: بے خرمی کی وارداتیں ۲۰۵۰۰
- ۳: اغوا کی وارداتیں ۹۷۰۰
- ۴: مقتول بچوں کی تعداد ۱۱,۳۰۰
- ۵: جاہلادول کا نقصان ۱,۳۱,۲۷,۰۰۰ روپے
- ۶: شہید کردہ مساجد کی تعداد ۴۴۰

آج سے ڈیڑھ سال قبل حکومت پاکستان نے بھارت سے مسلمانوں کے اغلا کے مسئلے کا جائزہ لینے کے لیے جو کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس نے حال ہی میں اپنی رپورٹ پیش کی ہے جس میں بتایا ہے کہ بھارت میں اقلیتوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور وہ عدم تحفظ کے شدید احساس سے دوچار ہیں کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ بھارت نے مسلمانوں کے ابرو منداند وجود کو برداشت نہیں کیا اور بھارتی حکمرانوں نے اپنے تمام باشندوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری کا حقہ پوری نہیں کی۔ بھارت میں مسلم کش فسادات کا جو سلسلہ جاری ہے اس سے بعض اوقات یہی احساس ہوتا ہے کہ بھارت میں وحشی آباد ہیں اور وہاں کے حکمران درندہ صفت ہیں۔

اسی طرح حکومت آزاد کشمیر نے جو کمیشن کشمیری مسلمانوں کے مسلح قتل عام کی تحقیقات کے لیے مقرر کیا تھا اس نے بھی اپنی رپورٹ

پیش کر دی ہے جس کے مندرجات سرکاری ریکارڈ، غیر جانبدار بھارتی مبصرین وغیرہ کی اخبارات کے نمائندوں کے بیانات اور دیگر قابل اعتماد مشاہداتوں پر مبنی ہیں۔ اس رپورٹ کے مطاق مقبوضہ کشمیر میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے در قتل کیا گیا۔ ان کی املاک، نذر آتش کی گئیں۔ نوجوان لڑکیوں، عورتوں کو لہجہ، بائیں گئے۔ انہیں گھروں سے بے دخل کیا گیا، بچوں کی فوج اور پولیس نے فرقہ پرست جماعتوں کی کھلم کھلا حمایت اور پشت پناہی کی۔

ظلم و ستم، جو رو و استبداد کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ برہمنی ذہنیت بدستور برگرم عمل ہے۔ وہ مسلمانوں کے وجود کو بھارت تو کیا پاکستان میں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ دن کچھ کا معرکہ، چھب جوڑا کی لڑائی اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اسی برہمنی ذہن کا نتیجہ تھی۔ ان معرکوں میں برہمن کو منہ کی کھائی پڑی اور اظہر آئندہ بھی اس کا یہی شہر ہوگا۔ بھارتی مسلمانوں کے مصائب آلام کا خانہ پاکستان ہی کے ہاتھوں ہوگا۔ اس کے لیے ملکی اور یک جہتی اشد ضروری ہے۔ محترم غور شید عالم صاحب۔ اس مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے :

”وہ (بھارت) برہمنیت کو تیاگ نہیں سکتا۔ اور برہمنیت زمانے کے ساتھ چل نہیں سکتی۔ جب تک وہ ورلڈ آف ٹرمز کے گندے جوہر کا بینڈک بنا رہے گا اس کی مصیبت میں کمی واقع نہیں ہو سکے گی، اس جوہر سے وہ بالآخر پاکستان کے ہاتھوں نکل سکے گا۔ اور یہ مسئلہ پاکستان کی گہری توجہ کا مستحق ہے کہ وہ ملک اس کے بغیر پاکستان کا عالمی کردار نبھ کر سامنے نہیں آ سکتا۔“

”ایک براڈ کاسٹنگ کارپوریشن“ کا نامزدہ، رائے میلوئی  
 ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ کو نشریے میں محاذوں کا آنکھوں دیکھا حال بیان  
 کرتے ہوئے کہتا ہے۔

”بھارت مکمل فتح کے دعوے کر رہا ہے میں  
 اس فتح کے کوئی آثار نہیں دیکھ سکا۔ میں نے جو  
 کچھ دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کے ٹینکوں  
 فوجوں اور دیگر جنگی سازوسامان کی سپلائی کا ریل  
 محاذوں کی طرف چلا جا رہا ہے۔ اگر انڈین فوجیں  
 اپنے دعووں کے مطابق فاتح بنے تو وہ پاکستانی  
 محاذوں کو جانے والی سپلائی کو روک کیوں نہیں  
 سکی؟۔۔۔۔۔ پاکستان کے لوگ خطرہ بھگت رہے ہیں۔  
 وہ جب جنگ پہ آجاتے ہیں تو نہ رحم کے طلبگار  
 ہوتے ہیں اور نہ رحم کرتے ہیں۔“

رائے میلوئی نے اس رپورٹ میں ایسے محاذ کا ذکر کیا

ہے جسے کوئی رائے میلوئی جیسا ہی تجربہ کار جنگی وقائع نگار دیکھ  
 سکتا ہے اور اس کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ محاذ فوجوں  
 کے محاذ سے پیچھے ہوتا ہے جس پر لڑنے والے لوگ غیر فوجی ہوتے  
 ہیں۔ اس امر کی وقائع نگار نے پاکستان کے جن لوگوں کو جنگجو کہا  
 ہے، ان میں یہ غیر فوجی لوگ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔  
 یہ لوگ کون ہیں جنہوں نے جنگی سازوسامان کی سپلائی کا  
 ریل لکے نہیں دیا تھا؟۔۔۔ یہ تھاریلوے کا حکم جس کے  
 محلے پر اور چلتی گاڑیوں پر انڈین ایئر فورس کے طیارے بم راکٹ  
 اور مشین گنوں کی بوچھاڑیں برساتے رہے مگر مجاہدوں کی یہ  
 جماعت نینک، توبیں، فوجیں، ایونینشن اور راشن بروقت  
 محاذوں پر پہنچاتی رہی۔ اس جماعت پر دشمن آگ برساتا رہا لیکن  
 ان غیر فوجی لوگوں نے ریل کے سپینڈر نہ رکھنے دیا۔ ان ہی لوگوں  
 کے متعلق رائے میلوئی نے نشریے میں لکھا تھا کہ اگر انڈین  
 ایئر فورس اپنے دعووں کے مطابق فاتح بنے تو وہ پاکستانی محاذوں

میر اسوہنا شہر قصور  
 بھارتی بربادی — ریلوے کے کارنامے



عنایت اللہ

کو جانے والی سپلائی کو روک کر کیوں نہیں سکی؟

پاکستان دیرین ریلوے کے ڈراموں، فائرمنوں، گاڑوں اور دیگر متعلقہ عملے نے جناب ستمبر میں فرض شناسی کے جیران کن مظاہرے کیے ہیں وہ تاریخ اسلام کا ایک طویل باب ہیں مابین ایک مضمون میں سیکھنا آسان نہیں۔ اس سے پہلے ریلوے کی داستانِ حریت کی دو تین کڑیاں سنائی جا چکی ہیں۔ اب ایک اور ریل گاڑی اور قصور کے ریلوے سٹیشن کی کہانی سامنے آئی ہے۔ انشا اللہ ریلوے کے جہاد کی تمام تر داستان اسی طرح قسط وار پیش کی جائے گی۔

ملکہ ترمز کو جہاں کا "سومنا شہر قصور" پورے سترو دن اور سترو راتیں بھارت کے ہوائی بڑے کے عتاب کا نشانہ بنایا دشمن کے جتنے ہم اور راکٹ قصور نے اپنے سینے پر لیے ہیں اتنے گرو دھاکے ہوائی اڈے پر بھی نہیں برسے تھے مکان میں بوس ہو گئے اور جو مکان کھڑے رہے۔ ان کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ قصور کے بہت سے لوگ شہید اور شدید زخمی ہوئے لیکن اس شہر نے دشمن پر وہ کاری ضربیں لگائیں کہ اس کی ٹکڑوں کو رکھ دی۔

قصور کا قصور کیا تھا کہ بھارتی فائی کان اپنے بیٹوں سے اس شہر کو مبل اور راکٹوں سے پسواتی رہی؟ — ایک یہ کہ اس تاریخی شہر میں اپنے قوب خانے کی دو سو پندرہ توپیں (رائیاں) نصب تھیں جن کے گولے حکیم کرن سے دور آگے فیروز پور کے اندر بھارت کے فوجی ٹھکانوں کو کھنڈر بنا رہے تھے۔ ان کی دہشت سے بیاس تک کا علاقہ خالی ہو گیا تھا یہ توپیں وٹھوا، آسل، آترا اور مسبت گڑھ تک گولے برساتی تھیں اور اڑھائی من کا ہر ایک گولہ بھارت کے دور اندر پھٹ کر اعلان کرتا تھا — "مہاشوا تم کھٹنے ٹیک سکتے ہو، حکیم کرن واپس نہیں لے سکتے۔"

دوسرے یہ کہ بھارتی فوجی لیڈر قصور کے ریلوے سٹیشن

کو ناکارہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ اسی سٹیشن سے حکیم کرن کے مجاز سپلائی جاتی تھی۔ یہ جنگی اہمیت کا سٹیشن بن گیا تھا۔ اندر میں توڑ کے طیارے ہم اور راکٹ برسرِ کار اکثر ریلوے لائن تباہ کر جاتے تھے یا سٹیشن کو نقصان پہنچا جاتے تھے جس کی مرمت کے لیے نازل حالات میں کئی دن درکار ہوتے ہیں لیکن قصور سٹیشن کا مختصر سا عملہ فوراً یعنی چند گھنٹوں میں لائن اور دیگر نقصان کی مرمت کر کے گاڑیوں کو چلتا رکھتا تھا اور سپلائی کو رکنے نہیں دیتا تھا۔ اس طرح لڑاکا مبارک طیاروں اور نیپے انسانوں کی جگہ چلتا رہتی تھی اور ریل کا پھیر گھومتا رہتا تھا۔

یہاں تک ہوا کہ اس سٹیشن کا ایک جمہدار کانٹے بدلنے والا پورے کنبے سمیت مہار میں شہید ہو گیا کوئی متبادل انتظام نہ تھا پھر بھی کانٹے بھی بدلے جاتے رہے، سگنل بھی اوپر نیچے ہوتے رہے اور گاڑی بھی چلتی رہی شہید جمہدار کا کام کون کرتا تھا؟ — خود سٹیشن ماسٹر یا گاڑی کا ڈرائیور۔

چونکہ ہم برساتنے والے ہوا باز بھارتی ہوتے تھے اور اپنے بہت سی طیارہ شکن گینیں موجود تھیں۔ اس لیے کسی ہم جوڑی توپوں یا ریلوے سٹیشن کے لیے آتے تھے وہ شہر میں کرتے تھے اور قصور بے قصور رہا جا رہا تھا۔ قصور کے لوگوں کا ایشہ قابلِ داد ہے کہ ان کے گھر برباد ہو گئے، عمر بھر کی کمائی تباہ ہو گئی پتے شہید ہو گئے لیکن قصور والوں نے اُٹ تک نہ کی۔

پیشتر اس کے کہ میں قصور کی کہانی سناؤں میں ایک میل گاڑی کا قصہ سناؤں جسے دو بھارتی لڑاکا مبارک طیاروں نے چوبیس میل کے تعاقب اور چھپنوں سے تباہ کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی تھی۔

۱۰ ستمبر ۱۹۹۷ء شام کے ساٹھ سات بجے لاہور سے ایک ملری سپیشل جلی جسے ساہیوال سے بہت آگے جانا گاڑی میں مناسبت ہم جنگی سامان اور کچھ فوجی بھی تھے۔ انجن ڈیزل کو کو موٹور نمبر ۳۳۴۳۳۳ ڈرائیور، ملک امتیاز احمد، فائر مین

کالج میں رہ چکے ہیں۔ وہ کافی پروازیں کر چکے تھے کہ کسی غلطی نقص کی وجہ سے انہیں فضائیہ سے سبکو دشمن ہو بڑا نقصانہ سے نکل کر وہ ریلوے میں ڈرائیور کی حیثیت سے شامل ہو گئے تھے۔ فضائیہ میں رہنے کی وجہ سے انہیں یہ فائدہ پہنچ رہا تھا کہ وہ اندھیرے میں طیاروں کے لفیروان کی آواز سے اپنے آدھن دشمن کے طیارے کو پہچان سکتے تھے۔

جو گاڑی طیاروں کی حفاظت میں جاری تھی، انداز کیا جاسکتا ہے کہ کتنی اہم ہوگی۔ ملک امتیاز احمد نے رفاہی عیاس اور پیچمن کے درمیان رکھی اور کاہنا کا چھانک رن تھرو گئے کاہنا کا چھاسے لوپ لائن سے گزرنے لگے تو انہیں رفاہی مجموعہ دس میل فی گھنٹہ کرنی پڑی۔ گاڑی کے آخر کے دو ڈبے خالی تھے۔ گاڑی مسٹر علوی نے دیکھ کر گاڑی روک لی۔ معلوم ہوا کہ انہیں ایسا شک ہوا تھا کہ جب گاڑی آہستہ ہوتی تھی تو اندھیرے میں انہیں کوئی آدمی گاڑی کے خالی ڈبے میں سے اترتا ہوا نظر آیا ہے۔ چنانچہ ساری گاڑی سٹیشن اور ارد گرد کی تلاشی کی گئی اور شک رفع کر کے کہ کوئی گزرباز میں گاڑی چلا دی گئی۔

گاڑی رات ہونے کو بجے اوکاڑہ پہنچی لیکن رن تھرو نہ ہو سکی سٹیشن والوں نے اسے روک لیا۔ کیونکہ آگے سے ایک ایسی ملٹری پیشین آرہی تھی جسے رن تھرو کرنا تھا۔ ہدایت تھی کہ اسے نہ روکا جائے۔ وہاں ایک ٹرانسفریل گاڑی کھڑی تھی گاڑی کو رکے خاصی دیر ہو گئی۔ اتنے میں ملک امتیاز احمد نے جو انجن سے اتر کر ملیٹ فارم پر کھڑے تھے دیکھ کر سٹیشن سے باہر ایک ٹارپ کی روشنی آسمان کی طرح جاری ہے جو دو تین بار جلی اڑ بھی۔ ہر طرف مکمل بلیک آؤٹ تھا جس کی وجہ سے یہ روشنی جو آسمان کی طرف تاراج کر کے کی گئی تھی نظر آگئی۔ یہ بلاشبک وشہر کسی جاسوس کا اشارہ تھا۔ پاکستان میں بھارتی جاسوسوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ریلوے کے نظام اور چلتی

شہر اور گاڑی مسٹر علوی تھے۔ ملک امتیاز احمد اس وقت تک پاور کنٹرولر کی ڈیوٹی کر رہے تھے مسٹر ایم۔ اے۔ صدیقی اسے ایم اے۔ نے انہیں خاص طور پر کہا کہ یہ گاڑی سے جائے۔ ملک امتیاز احمد نے ابھی تک اس قسم کی رنگت جنگی ڈیوٹی نہیں کی تھی۔ وہ لاہور سے ساہیوال کی طرف کے ٹریک سے واقف تو تھے لیکن عادی نہیں تھے۔ ڈرائیور کے لیے ٹریک سے واقف ہونے اور عادی ہونے میں بہت فرق پڑتا ہے خصوصاً ان حالات میں تو اس کی دشواری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جبکہ ایئر کو یہ ہدایت دی جائے کہ گاڑی استثنائی رفتار سے جائے گی۔ نہ انجن کی روشنی ہوگی نہ کسی سٹیشن پر روشنی ہوگی سگنل کی روشنی بھی نہیں ہوگی اور گاڑی ساہیوال تک رن تھرو ہوائے گی۔ اور ان مشکلات میں سب سے بڑا خطرہ یہ کہ دشمن کے لڑاکا بمبار طیارے رات کے وقت بھی گدھوں کی طرح منڈلاتے رہتے تھے۔ اس کے ساتھ دشمن کے ان تباہ کن جاسوسوں کا خطو بھی تھا جو ریلوے لائن اور پولوں کو تباہ کرنے کے لیے پاکستان میں موجود تھے۔ ملک امتیاز احمد کو یہ تمام ہدایات دے کر لاہور سے ساڑھے سات بجے شام روانہ کیا گیا۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ گاڑی کی حفاظت کے لیے پاک فضائیہ کے دو لڑاکا طیارے ساتھ ہوں گے۔

ملک امتیاز احمد کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ ساہیوال سے انہیں غامبول کا ڈرائیور اور فائر مین وغیرہ ملیں گے جو گاڑی کو منزل تک پہنچائیں گے لیکن گاڑی رکے کی نہیں۔ منے کر تھو چلتے انجن پر چڑھیں گے اور ملک امتیاز اور فائر مین شہر انجن کا چارج دے کر چلتے انجن سے اتریں گے۔

جب گاڑی لاہور سے نکلی تو پاک فضائیہ کے طیارے آگے ہو گاڑی کے اوپر اور ادھر ادھر کے علاقے میں آگے پیچھے اڑتے رہے۔ طیارے اندھیرے میں نظر نہیں آتے تھے۔ ملک امتیاز احمد، اتفاق سے پاک فضائیہ میں ہوا بازی کے ٹینک

گاڑیوں کو تباہ کرنے کے لیے انہوں نے انڈین ایئر فورس کے طیاروں کو بروقت خبریں دی ہیں اور طیاروں نے بروقت آپریشن چلے کیے ہیں۔

جوں ہی یہ روشنی نظرائی ملک امتیاز احمد بھاگتے ہوئے سٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اور اسے لکھا کہ انہوں نے کسی جاسوس کا بڑا واقعہ سگنل دیکھا ہے، گاڑی کو سٹیشن سے فوراً نکل جا چاہیے۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ اندھیرے میں اس آدمی کی تلاش میں جاگ اٹھتے جس نے آسمان کی طرف روشنی کا اشارہ کیا تھا۔ عقل کی بات یہی تھی کہ گاڑی کو پلا دیا جائے چنانچہ سٹیشن ماسٹر نے اگلے سٹیشنوں کو اطلاع کر کے گاڑی کو لائن کلیر دے دیا اور ملک امتیاز نے گاڑی چلا دی۔ سٹیشن سے نکلتے ہی رفتار پچاس پچپن تک کر دی۔

وہ گیمبریشن رن تھرو کر رہے تھے کہ ملک امتیاز نے محسوس کیا کہ گاڑی کے اوپر سے دو طیارے گزر گئے ہیں انہیں نیال آیا کہ اوکاڑہ تک اپنے طیارے ساتھ تھے پھر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کی کئی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ بہر حال اب کے ملک امتیاز کو جن طیاروں کی آواز سنائی دی وہ اپنے طیاروں کی نہیں تھی۔ اتنے میں ایک طیارہ اس قدر کم بلندی پر پیچھے سے آیا اور انجن کے قریب سے گذرا کہ ملک امتیاز نے اسے پہچان لیا۔ وہ دشمن کا طیارہ تھا۔ وہ اتنا قریب تھا کہ اگر ملک امتیاز کے پاس ریوادر ہوتا تو وہ ہوا باز کو گولی سے مار لیتے طیارہ اندر ہی پر چلا گیا۔

اب ملک امتیاز اور شبیر فارمین راکٹوں اور شین گن ازبک کا نشانہ بننے لگے۔ دونوں کے احساسات اور تاثرات یک جیسے تھے۔ انہیں سب سے پہلے یہ تلخ خیال آیا کہ وہ ڈی کوئلز تک نہیں پہنچا سکے اور گاڑی راستے میں ہی تباہ ہونے والی ہے۔ دوسرا خیال یہ آیا کہ وہ دشمن کے طیاروں کے خلاف لڑنے کے قابل نہیں، اگر دشمن ہتھیاروں سے

لیس ہو کر ان کے سامنے آتا تو وہ خالی ہاتھ جان کی بازی لگا کر لڑتے مگر یہ طیارے تھے جن کے خلاف وہ سوا اس کے کچھ بھی کر سکتے تھے کہ پوری دلجمعی سے گاڑی کو اسی رفتار پر چلتا رکھیں اور گھبرا کر دشمن کو ساکن تارگیٹ نہ بنیا کریں، ملک امتیاز نے انجن کو اوڑھ کر دیا تاکہ بھارتی ہوا بازوں کے لیے تارگیٹ اور زیادہ مستحکم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ خدا کے حضور دل ہی دل میں گواہی دے رہے تھے کہ باری تعالیٰ ہماری جان لے لے لیکن قوم کی امانت منزل تک پہنچانے کی جہت اور مملکت عطا کر۔

طیارے ساتھ ساتھ رہے غوطہ لگا کر اوپر اٹھ جاتے اور گاڑی کا تقاب کرتے رہے پھکی پھکی کی چاندنی بھی تھی جس میں ہوا بازوں کو گاڑی نظر آ سکتی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ گاڑی کی رفتار کی وجہ سے گاڑی کو ابھی طرح ششست میں نہیں لے سکتے تھے۔ یہ ملک امتیاز احمد کی کامیابی تھی۔ گاڑی ساہیوال ریلوے سٹیشن میں داخل ہونے لگی تو ٹوکن مل گیا۔ ٹوکن میں ایک پرچی بھی تھی جس پر لکھا تھا کہ گاڑی کو روکنا نہیں، آہستہ آہستہ دوسرا ڈرائیور اور فارمین چلتے انجن پر چڑھ کر چارج لیں گے اور تم دونوں چلتے انجن سے اترنا۔ اس ہدایت کے مطابق انجن کی رفتار کم کر لی گئی۔ آگے خانیوال کا ڈرائیور اور فارمین کھڑے تھے۔ وہ دونوں چلتے انجن پر چڑھ آئے۔ وہ چارج لے ہی رہے تھے کہ اچانک بھیاٹک ٹکڑا، ہٹ اور شین گن کے دھماکوں کی آواز سنائی دی اور ایک طیارہ ریل سے اوپر سے گزر گیا۔ یہ بھارتی طیاروں کا پہلا حملہ تھا انجن کے سامنے گولیاں لگیں، ملک امتیاز احمد نے انجن روک لیا۔ اب گاڑی کو آگے سے جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ انجن اتنی جلدی انتہائی رفتار پر تو جانا نہیں سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ گاڑی کو سٹیشن میں رہنے دیا جائے تاکہ دشمن کے ہوا باز سٹیشن کی عمارتوں، دوسری گاڑیوں کے ٹرلوں وغیرہ میں اس گاڑی کو ابھی

# نیشنل بینک آف پاکستان اور اس کا ذیلی ادارہ بینک آف بھاولپور لمیٹڈ ملک میں سب سے زیادہ شاخوں کے ذریعے بنکاری سہولتیں فراہم کرتے ہیں

نیشنل بینک آف پاکستان اور اس کا ذیلی ادارہ، بینک آف بھاولپور لمیٹڈ ملک کے طول و عرض میں اپنی شاخوں کے وسیع ترین نظام کے ذریعے بنکاری کی تمام سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔  
نیشنل بینک آف پاکستان ملک کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی اپنی ۶۲۵ سے زائد شاخوں، سات بیرونی دفاتر اور دنیا بھر میں اپنے نمائندوں کے ذریعہ قوم کی خدمت انجام دیتا ہے۔  
نیشنل بینک کے ذیلی ادارے، بینک آف بھاولپور لمیٹڈ کی شاخوں کا سلسلہ پاکستان کے تمام اہم شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے گاہکوں کو نیشنل بینک آف پاکستان کی تمام شاخوں سے کسی مزید معاوضے کے بغیر، بلوں اور چیکوں کی ادائیگی اور وصولیابی، ترسیل زر، فراہمی واجبات اور بنکاری کی تمام دیگر سہولتیں حاصل ہیں۔

آف پاکستان

قومی ترقی میں معاون



نیشنل بینک

بینک آف بھاولپور لمیٹڈ

نیشنل بینک آف پاکستان کا ذیلی ادارہ



امین ہوتا ہے۔ نیشنل انوسٹمنٹ بورڈ ٹرسٹ



طرح پر جان نہ سکیں۔

خیریت سے ہیں کوئی فکر نہ کریں۔

ایکسپریس سٹیشن سے نکلی ہی تھی کہ انڈین ایر فورس کے تین ٹیٹ طیارے آگئے۔ یہ بھارتی جاسوسوں کا کھال تھا کہ انہوں نے اپنے طیاروں کو بروقت بلایا تھا۔ سٹیشن کی سیکنڈ لائن پر مکمل ایکسپریس (۵۱۵) آپ کھڑی تھی اسے لاہور جانا تھا۔ اس میں تیل اور پٹرول تھا جب تک کے دوران تیل اور پٹرول کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

دشمن کے طیاروں کی پہچانی اسی خونی سے کی گئی تھی کہ ہوا بازوں نے سٹیشن پر ایک آدھ پکڑ لاکر تار گیسٹ کو دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ وہ ایک طرف سے پہلو بہ پہلو لڑتے آئے اور بیک وقت دوم گر کر آگے نکل گئے۔ اسے آرخان سٹیشن ماسٹر کے کمرے میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ چھ لمحوں کے دھماکوں نے زمین کو اس طرح جھنجھوڑا جیسے چاروں کونے پکڑ کر درمی کو جھاڑا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوا جیسے سٹیشن ماسٹر کا کمرہ سرک کر پڑے چلا گیا ہو۔ کئی ہی دیر زمین لرزتی رہی۔ اس وقت ہر کسی کو اپنی جان بچانے کی فکر ہوتی ہے۔ بمباری میں لور کیا بھی کیا جاسکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ لیٹ جاؤ یا پناہ گاہ میں چلے جاؤ۔ لیکن اسے آرخان جو افغان نسل کے پنجابی ہیں، بھاگتے ہوئے باہر آگئے۔ انہیں معلوم تھا ہارٹل ایکسپریس کھڑی ہے۔ انہیں اس گاڑی کا غم تھا حالانکہ وہ اس گاڑی کو بچا نہیں سکتے تھے۔ لیکن اسے آرخان کہتے ہیں میں اس سوچ میں بے حال ہوا جاتا تھا کہ اس قیمتی گاڑی کو دشمن کے طیاروں سے کس طرح بچالوں۔ اللہ کا کام دیکھتے کہ گاڑی محفوظ کھڑی تھی اور طیارے چلے گئے تھے۔

ملک امتیاز احمد پلیٹ فارم پر پانی کی ٹینکی کے قریب کھڑے تھے۔ ایک بم ان سے کوئی دس گز دور گرا۔ دوسرا بم تیس گز دور لیکن پلیٹ فارم سے باہر میجر ہوا تھا کہ وہ بچ گئے اور بم گرتے ہی ان کے دنگ (ریلوے لائن کے درمیان کڑھے)

انجن سے سب اتر آئے اور انجن کے ساتھ ہی چھپ گئے۔ طیارے پلے پلے سٹیشن پر غارتے لگے اور ہر طرف سے گولیاں برسائے لگے لیکن گاڑی پر وہی دو چار گولیاں آئیں جو انجن میں لگی تھیں۔ وہ بوجھلڑیں فائر کتے جا رہے تھے ان کے زنائوں اور دھماکوں سے فضا دھل رہی تھی لیکن ان کا ہڈر خالی جا رہا تھا۔ ایک گولی ملک امتیاز احمد کے کندھے میں لگی لیکن گولی کا زور شاید کہیں ختم ہو چکا تھا۔ وہ کندھے کے پچھلے پٹھے میں اتر کر رک گئی۔

طیاروں نے پچیس منٹ تک گاڑی اور سٹیشن پر فائرنگ جاری رکھی لیکن کام کی کسی چیز کو ہٹ نہ کر سکے۔ استنہ میں اپنے طیارے آگئے لیکن حملہ آور طیارے جا چکے تھے۔ پاک فوج کی اہم گاڑی محفوظ تھی۔

دوسرا ڈوڈا بیور گاڑی کو منزل کی طرف لے گیا۔ ملک امتیاز اور شمیر ساہیوال میں رہ گئے۔ ۱۲ ستمبر کی رات کے گیارہ بجے انہیں ایک ریلیف ٹرین جس کے ساتھ کرن اور ہنگامی ضرورت کے لیے سامان ہوتا ہے مے کر راتے ڈنڈا اور قصور کے لیے بھیج دیا گیا۔ یہ ایک پارٹی تھی جس میں ملک امتیاز احمد اور شمیر کے علاوہ دو ڈوڈا بیور جعفر حسن اور آغا ذوالفقار تھے اس پارٹی نے انچارج اسے آرخان کو کو انپیکٹر تھے۔ ان کے ذمے یہ کام تھا راتے ڈنڈا اور قصور کے سٹیشنوں پر فوجوں اور ان کے مسلمان فیرہ کی نقل و حرکت کو رواں رکھیں اور جہاں کہیں بمباری ہو وہ دوجہ سے کوئی رکاوٹ ہو اسے رفع کریں۔

یہ پارٹی ریلیف ٹرین لے کر رات دو بجے راتے ڈنڈا پہنچی۔ ملک امتیاز احمد رنجی ہونے کے باوجود مسلسل ڈیوٹی رہے تھے۔ رات دھل رہے۔ صبح سات بجے ۱۱۵۵ آپ جی ایکسپریس آئی تو ملک امتیاز نے اس کے ڈرائیور اسے ہٹ سے کہا کہ ان کے گھر والوں کو اطلاع دے دیں کہ وہ

ملک امتیاز کے کپڑے خون سے تھڑک گئے تھے لیکن یہ پاک خون تھا جس کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ ریلیٹ پارٹی نے پورے شیش اور ٹریک کا جائزہ لیا اور اسے آرخان جیا بکاک ٹریک کا معائنہ کرنے کے لیے چلے گئے۔ اللہ کا احسان ہے کہ آئیل ایچ پریس بھی محفوظ رہی اور ٹریک کو بھی کوئی نقصان پہنچا۔ دن کے ساڑھے دس بجے اسے آرخان کی یہ ریلیٹ پارٹی ایک مسافر گاڑی لے کر قصور کے لیے روانہ ہو گئی۔ قصور پہنچنے تو یوں لگا جیسے وہ میدان جنگ میں آگئے ہوں غلامیہ حال غلیبے سے یہ شیش ایک کھنڈر تھا۔ مہربس پچیس منٹ بعد اس شیش پر مہرباری ہوئی تھی لیکن لائن ٹھیک تھی یا ٹھیک رکھی جاتی تھی اور گاڑیاں چل رہی تھیں۔ یہاں صرف فوجی گاڑیاں آتی جاتی تھیں۔ کھیم کرن سیکڑ کا دار و مدار اسی شیش پر تھا۔ اس کی تباہی فوجوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ اس لیے دشمن نے اسے مسلسل مہرباری کا نشانہ بنایا ہوتا تھا لیکن ریلوے کے مختصر سے شاف نے انڈین ایر فورس کو مہربار شکست دی۔ شیش کی حفاظت کے لیے بہت سی طیارہ شکن گینیں موجود تھیں بعض اوقات پاک فوج کے دو چار ٹینک بھی کسی دوسرے محاذ پر جانے کے لیے شیش پر موجود ہوتے تھے۔ جملے کی صورت میں وہ بھی طیاروں کا مقابلہ کرتے۔

قصور شیش سے جو سامان اور اسلحہ دوسرے محاذوں کو جاتا تھا، وہ زیادہ تر کھیم کرن سیکڑ میں دشمن سے چھینا ہوا ہوتا تھا۔ دشمن سے چھینے ہوئے ٹینک بھی آتے رہے جو گاڑی کی خاص بوگیوں میں لاہور کی سمت بھیجے جاتے رہے۔ جوں ہی گاڑی میں ٹینک لوڈ ہونے لگتے تھے، دشمن کے طیارے آجاتے تھے۔ طیارہ شکن گینیں پورے عقاب سے دھاڑنے لگتی تھیں۔ طیارے غوطے پر غوطہ لگاتے اور آگ برساتے تھے۔ ماحول ایک دھماکا بن کر لرزنے لگتا تھا اور آگ کی اس قیامت میں ریلوے کا شاف اپنے کام میں مگن رہتا تھا۔ گاڑیوں میں

اہل کو دگتے۔ دوپیش کے ساتھ آبادی میں گرے اور دوپیش اہل کم کے آخر میں پانی کی ٹینگی کے قریب، وہاں سے پلیٹ فارم زمین میں دھنس گیا۔ ریلوے شیش کی دیواروں میں شکاف پڑ گئے۔

ملک امتیاز کو لوگ میں کودتے نظر آیا کہ جو ہم پلیٹ فارم سے باہر گرے تھے انہوں نے مٹی کا ایک پہاڑ اچھالا تھا اور یہ مٹی ایک لڑکی اور دو بچوں پر چڑھا کھٹے جارہے تھے گری تھی۔ وہ یقیناً شیش میں دب گئے تھے۔ ملک امتیاز اس طرف اٹھ بھاگے، جا کے دیکھا کہ اٹھارہ انیس برس کی ایک نوجوان لڑکی تقریباً بارہ برس اور دس برس کے دو بچے مٹی میں دبے ہوئے تھے۔ ملک امتیاز نے ٹٹھوں سے مٹی ہٹاتے ہٹاتے انہیں نکال لیا۔ مینوں شدید زخمی تھے۔ لڑکی کے پسلیوں بہت گہرا اور چوڑا زخم تھا، چہرے پر بھی زخم تھے مینوں بے ہوش تھے۔ ملک امتیاز نے لڑکی کا دوپٹہ بھاڑا اور زخموں پر باندھ دیا۔ بچوں کو الگ لٹایا اور اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے بلا لے کر بھاگ اٹھے۔ قریب ہی دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی اس حال میں تھا کہ شاید وہ بیٹھا ہوا تھا اور منہ تک مٹی میں دب رہا تھا۔ وہ سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف اوپر والے ہونٹ سے اوپر ملک چہرہ نظر آتا تھا۔ ملک امتیاز نے اس کے منہ سے مٹی ہٹا دی تاکہ اس کا دم نہ گھٹ جاتے۔

وہ اسے نکالنے کی کوشش کر رہی رہے تھے کہ طیارے پھر آگئے۔ جو لوگ زخمیوں کی مدد کو آ رہے تھے وہ پھر بھاگ گئے۔ طیارے گزر گئے اور ملک امتیاز نے ڈائیاں اور امیر خان کو ساتھ لیا اور زخمیوں کی مدد کے لیے پھر پہنچے۔ بوڑھے کو بھی نکالا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ اتنے میں ایک فوجی جیب آگئی۔ لڑکی بچوں اور بوڑھے کو جیب میں ڈال کر فوجی اپنے فٹ اینڈ کیمپ میں لے گئے۔ معلوم نہیں وہ زندہ رہے یا نہیں آبادی میں جو تباہی مچی اس کی داستان الگ ہے۔

تھے، وہ مشین گن فائرنگ شروع کر دیتے تھے۔ اے آرخان اور ان کے ساتھیوں نے ایک مکان کی اوٹ میں پناہ لی۔ ہزار پونڈ کے بم شہر کی جو حالت کر رہے تھے، وہ الفاظ میں نہ مشکل سے ہی بیان ہو سکتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سڑا کی ساری زمین کچی کچی گرا رہی تھی ہے اور گرتی ہے کبھی تو یوں دھم ہونے لگتا جیسے یہ لوگ کشتی پر سوار ہیں اور کشتی طوفان لہروں میں پٹی جا رہی ہے۔

جب بم پھٹتا ہے تو یہ دوسری تباہی مچاتا ہے۔ ایک تباہی تو اس کے پھٹنے سے ہوتی ہے۔ جہاں بم پھٹتا ہے وہاں غلا (ویکوم) پیدا ہو جاتا ہے، دوسرے لمحے ہوا بہت ناک تیزی سے واپس آکر اس غلا کو پکڑ کر لیتی ہے۔ ہوا اس قدر تیزی سے آتی ہے کہ بعض مکان جو دھماکے سے بچ رہے ہیں ہوا کے اس عمل سے زمین لوس ہو جاتے ہیں۔

قصور میں یہ عمل بار بار دہرایا جا رہا تھا۔ لوگ پناہ دھڑلے کے لیے بھاگ رہے تھے اور اوپر سے طیارے مشین گنوں سے گولیاں برس رہے تھے۔ ملک امتیاز نے دیکھا کہ سڑک پر دو چھوٹے چھوٹے پیچھے (ایک پیچھے ایک پیچھے) روتے بلکتے بھاگے پھر رہے تھے اور سے طیارے مشین گن فائرنگ کے لیے غوطے میں آ رہے تھے۔ ملک امتیاز نے بھاگ کر دونوں بچوں کو اٹھا لیا اور مشین گنوں کی بوچھاڑ آتے ہی انہیں نکل میں دبا کر مکان کی اوٹ میں ہو گئے لیکن مکان کا پچھواڑہ کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔ طیارے ہر طرف سے آکر مشین گنیں فائر کرتے تھے۔ چنانچہ ملک امتیاز، اے آرخان اور عبدالحق طیاروں کے غوطوں کا رخ دیکھ دیکھ کر بھاگے اور چھپنے لگے۔ ملک امتیاز دونوں بچوں کو اٹھائے ہوئے بھاگتے رہے، ہر قدم پر موت تھی۔ زمین کا کوئی چپہ محفوظ نہیں تھا۔ شہر تباہ ہو رہا تھا۔ مکان گر رہے تھے۔

بھارتی ہوا باز مشین گن فائرنگ کس لیے کر رہے تھے؟

سامان لوٹھو رہا تھا اور گاڑیاں چلتی تھیں۔ نیشنل پیر ہر طرح کی بولیاں اور پراثر نزل انجن تیار رہتے تھے جس طرح کا اور جس قدر سامان آجائے، فوراً مطلوبہ لوگوں میں لاد کر منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا تھا اور بیشتر اوقات یہ کام دشمن کے آگ برساتے طیاروں کے سامنے میں کیا جاتا تھا۔

یہاں جاسوسوں کا ذکر ایک بار پھر ضروری سمجھتا ہوں۔ قصور کے علاقے میں جاسوسوں کی سرگرمیاں قابلِ داد تھیں اور ہمارے لیے افسوسناک۔ جاسوسوں کے سروں پر سینک نہیں ہوتے۔ وہ ہماری طرح کے انسان ہوتے ہیں، انہیں پہچانا آسان نہیں ہوتا لیکن ہم کبھی پر اعتماد کر کے جاسوسوں کو کامیابی کا موقع دیتے ہیں جنگ کے دوران ہمیں ہر اچھی اور شک کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے بلکہ واقف کاروں میں بھی کسی پر شک گذرے تو پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیے۔ ذرا تھوڑے کیجئے کہ جنگ کے دوران مسجدوں اور گرجوں میں سے بھی جاسوس پکڑے گئے ہیں۔ یہ ہمیشہ یاد رکھیے کہ جاسوس اُدھی جنگ جیت لیا کرتے ہیں۔ اگر ہم جاسوسوں کو ناکام کر دیں تو دشمن اندھا ہو جاتا ہے۔ ۱۴ ستمبر کے روز قصور میں جو شہری آبادی رہ گئی تھی وہ شہر خالی کر رہی تھی کیونکہ خطہ بڑھتا جا رہا تھا اور کسی لوگ شہید ہو چکے تھے۔ صبح کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ لوگوں اسپکڑ اے آرخان کی پارٹی دو دنوں کی بھوک تھی۔ نیشنل پر کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ تھا نہ کسی کو کھانے پینے کا کوئی ایسا خیال تھا۔ اے آرخان، ملک امتیاز اور ڈاکٹر عبدالحق شہر کی طرف چل پڑے۔ وہ ناشتے کے لیے جا رہے تھے۔ سینما کے پاس پہنچے ہی تھے کہ اچانک فضا تھر تھر کانپنے لگی پھر ایسا شور مچا کر دل دھلنے لگے۔ اوپر دیکھا، بھارتی لڑاکا بمباریادوں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔ یہ پورا اسکو اڑن تھا۔

طیاروں نے بے دریغ بمباری شروع کر دی اور انہوں نے ایک ایک ہزار پونڈ کے بم گراتے جو طیارے بم گرا چکے

اور ریل کا سپر گھومتا ہی رہا — تیز تیز تر!  
 قصور سٹیشن کا حال یہ ہو گیا تھا کہ بلیٹ فارم بنیادوں سے  
 اکھڑ کر طبع کے ڈھیر بن گئے تھے۔ سٹیشن کی عمارتیں اور شیڈ کھنڈ  
 بن گئے تھے۔ ہر جگہ گھوموں کے گھرے گڑھے تھے اور اس  
 ہمیت ناک ماحول میں ریلوے کاشاف ریل کی پٹری کو گاڑیوں  
 کے لیے ہر لمحہ تیار رکھنا تھا۔  
 قصور شہر نے اپنے سٹیشن کے حصے کے جانے کتنے ہم  
 اور کتنے راکٹ اپنے سینے میں جذب کر لیے تھے۔

\*\*\*\*\*

میدان جنگ میں دشمن پر فتح عموماً حاصل کرنے سے ہی ہوتی  
 ہے۔ بچاؤ کی لڑائی سے کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔  
 مجازاً کا بہترین طریق یہ ہے کہ دشمن پر نہایت عزم اور دلداری سے حملہ کیا جائے۔  
 اس کی بہترین مثال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حملہ ہے جو آپ نے مکہ پر ۶۳۰ء  
 میں کیا تھا۔ آپ نے اپنے ارادے کو اس وقت تک دشمن پر ظاہر نہ ہونے کا باعث بننے  
 کے لیے شکر کے منظر کے قریب پڑا نہیں ڈال دیا۔ (تصنیف، جہاد دفاع)  
 صابرہ داہم، راولپنڈی

معزز  
 خواتین  
 کے لئے



for every type of figure



**BRASSIERE**

ایسی فائز نگ تو فوجوں اور فوجی کونائے پر کی جاتی ہے۔ شہر پر  
 اس فائز نگ کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بھارتی  
 ہوا باز واپس جا کر غالی مشینیں لگیں، دھکا کر رپورٹ دیتے ہوں گے  
 کہ ہم قصور سٹیشن کو تباہ و برباد کر آئے ہیں لیکن امریکی دفاع نگار  
 رائے میلونی کی آواز بھارتی ہوا باز کس طرح جھٹلائیں گے جو  
 ”امریکن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن“ سے ساری دنیا نے سنی تھی  
 — انڈین ایئر فورس پاکستانی محاذوں کو جانے والی سپلائی کو لو  
 کیوں نہیں سکتی؟

۱۴ ستمبر کی بمباری نے قصور شہر میں ہوشربا تباہی پائی  
 تھی۔ بیشتر مکانوں کو تارے لگے ہوئے تھے۔ بھول کے دھماکوں سے  
 مکانوں کے دروازوں اور کھڑکیوں کے کواڑ اکھڑ کر باہر اڑے  
 تھے۔ گھروں سے سامان فضا میں اور جا کر ہر جگہ بکھیر گیا تھا اس  
 میں قیمتی کپڑے بھی تھے اور دو تین جگہوں پر زیورات بھی بکھرے  
 ہوئے دیکھے گئے تھے لیکن عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ بمباری  
 کے بعد جب لوگ شہر میں آئے تو کسی کی کسی قیمتی چیز کی طرف دیکھا  
 تک نہیں تھا۔ پھر فوج نے شہر میں پھرے لگا دیے تھے۔

اس قدر شدید بمباری کے باوجود قصور کاریلو سے سٹیشن  
 جنگی سامان ہر طرف بھیجتا رہا۔ وہیں سے ٹینک لوڈ ہوتے رہے  
 وہیں سے گاڑیاں چلتی رہیں اور وہاں جا کر گاڑیاں کرتی بھی رہیں  
 دشمن کا عتاب بھول اور راکٹوں کی صورت میں گرتا رہا، اگر کتنا  
 رہا لیکن ریلوے کے عملے نے قصور سٹیشن کو کسی وقت ساکن  
 نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جمعہ رات کے شہید ہو گیا تو ڈاڑیو  
 اور گارڈ خود کاٹنے بدلتے رہے۔

اسے آرخان کی باری ۱۶ ستمبر تک قصور میں رہی۔ اسے ایم  
 صدیقی انجینئر قصور گئے۔ وہ کچھ خالی بوگیاں بھی ساتھ لے گئے  
 تھے۔ انہوں نے اس ریلوے پارٹی کو واپس لاہور بھیج دیا جب  
 یہ پارٹی قصور سے روانہ ہوئی تو انڈین ایئر فورس کے طیاروں  
 نے ایک اور حملہ کیا۔ پھر ۱۴ ستمبر تک قصور پر حملے ہوتے رہے

—اب—

## سیارہ ڈائجسٹ قرآن منبر

—پیش کر رہا ہے—

- ترتیب اور تیاری میں اڑھائی برس مرن کیے گئے ہیں
- ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

### قرآن نمبر

میں پچاس سے زائد اہل علم و فضل، علما اور مفکرین کے مقالے، فلمی مذاکرے، انٹرویو، فیچر اور واقعاتی داستانیں اور نادر کتب کے سچوڑ، برطانوی عجمیت گھر اور مالک اسلامہ سے حاصل کردہ نادر تصاویر، قرآنی خطاطی کے عکس اور ایک رنگین قرآنی نقشہ شریک اشاعت ہو گا۔

قرآن نمبر ہر مسلمان گھرانے اور درس گاہ کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کیا جا رہا ہے۔

مشترکین اداروں کی خدمت میں الگ مراسلہ عنقریب بھیجا جاتے گا۔

سیارہ ڈائجسٹ - نمبر ۴ - شارح ناظر جناح، لاہور

چھ ستمبر کی صبح تھی....

یہ صبح نہانے کیوں مجھے گہری اداسیوں میں ڈوبی  
نظر آرہی تھی۔ ان اداسیوں کو اپنے ذہن سے نکال چھیننے  
کے لیے میں اس صبح کے اجالوں میں ڈوسلڈروف جڑنی  
کی دل بھانے والی شاہراہوں پر نکل کھڑا ہوا اور دوپہر  
تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ کچھ ٹھکن اور کچھ جھوک کی شدت  
نے مجھے کسی سستے سے ریتوران میں سستانے اور  
کھانا کھانے پر مجبور کر دیا۔

میں نے سٹیشن کے ایک سیلف سروس ریتوران  
میں کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے ٹاگین  
پسار میں مجھے پیاس کی شدت محسوس ہوئی کہ کالہ لکی ایک  
بوٹل پی کر پیاس کو بھایا۔ جرمنی میں پینے کا پانی نہیں ملتا۔  
کھانا کھانے کے بعد لوگ کڑوی پیٹر یا سیلی ورسکی پیتے ہیں۔  
اس ٹھنڈے دیس میں کسی گرم علاقے کے ایشیائی سیاح  
کے لیے کوکو کی ایک ٹھنڈی بوتل کافی ہوتی ہے۔ لیکن  
آج میرے دل کی گھراہٹ مجھے زیادہ سے زیادہ پانی پینے  
پر مجبور کر رہی تھی۔ اس ریتوران سے نکل آیا اور شام  
پانچ بجے تک بے مقصد ٹھلتا رہا۔ اور کوکو کی کئی بوتلیں  
پنی گئیں۔

مجھے اس قدر پیاس کیوں لگ رہی ہے؟ یہ  
وہ سوال تھا جو بار بار میرے ذہن میں ابھرتا تھا۔ ایسا تو  
کبھی نہیں ہوا تھا کہ میں گھبراہٹ کا شکار ہو کر جرمنی کی  
شاہراہوں پر ٹھلتا پھروں! مجھے آج قدم قدم پر اپنا  
ہر ابھرا وطن یاد آ رہا تھا۔ میری پریشانی اور اس اضطرابی  
کیفیت کا محرک شاید وطن ہی تھا۔ ایک روز پہلے پاکستان  
سے والدہ کا خط آیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا: بیٹے  
— اب تم طویل آوازیوں سے باز آ جاؤ۔ آخر کب تک  
اور کہاں تک مارے مارے پھرتے رہو گے؟

بسوں میں ریل گاڑیوں میں ہونٹوں  
اور گلیوں میں جرمنی کی عورتیں بھی  
پاکستانیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہیں  
مبارکباد اور خراج تحسین پیش کرتی  
تھیں اور یہ جملہ روزمرہ کا عادی رہن  
گیا۔ ”تم بہادر قوم ہو۔ تم جنگجو ہو“

# جنگِ ستمبر

## — جرمنی میں

— سید و جاہت علی

اور قریشی کو چھٹی ساڑھے چھ بجے ہوتی تھی۔ میں نے سوچا اگر بیدل چلا تو آدھے گھنٹے میں قریشی کی فیکٹری تک پہنچوں گا۔ میرا دوست قریشی ٹائمر بنانے کی ایک فیکٹری میں ملازم تھا۔ میری اکثر اداس شاہیں اسی کے ساتھ گزرا کرتی تھیں۔ بیدل چلتا جاتا تھا اور سوچتا جاتا تھا کہ انسان بغیر دوستوں کے کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں ساڑھے چھ بجے فیکٹری کے لوہے کے جال پر دو دروازے پر پہنچ چکا تھا اور قریشی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد مجھے قریشی کا چمکا ہوا گندمی چہرہ نظر آیا۔ میں نے قریشی کو آواز دی۔ وہ آواز سننے ہی میری طرف آیا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ میں نے بے تاب سا ہو کر کہا: ”یار! دیس کی یاد سنسار ہی ہیں“ قریشی نے کہا: ”آؤ! انڈیا ڈیو“

انڈیا ڈیو گال ہاؤس بہت ہی خوبصورت ریسٹوران ہے۔ بھارتیوں نے بھارتیوں کو ہر شام ایک جگہ جمع کرنے کے لیے اس ہوٹل کو کثیر سرمائے سے تعمیر کیا ہے۔ بھارتیوں کے علاوہ اس ہوٹل میں بغیر کسی سیاسی اور ثقافتی اختلاف کے ایشیا بھر کے لوگ آتے ہیں۔ پاکستانی اور بھارتی اسے بے حد پسند کرتے ہیں۔ دونوں قوموں کے افراد کی اکثریتیں اسی ہوٹل میں گزرتی ہیں۔ آج قریشی بھی مجھے اسی ہوٹل میں لیے جارہا تھا۔

پندرہ منٹ بیدل چل کر ہم انڈیا ڈیو گال ہاؤس میں پہنچ چکے تھے۔ ہم جوں ہی اندر گئے، شہنار تھ سنگھ جو قریشی کا بہت ہی گہرا یار تھا، قریشی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا: ”قریشی دوست! تم سے کتنی مرتبہ کہتا تھا کہ لاہور پاکستان کے نقشے پر خوبصورت نہیں لگتا۔ بھارت کا ایک حصہ تھا جو آج ایک طویل انتظار

ماں کے ان الفاظ نے مجھے ماں کی یاد میں تڑپا دیا تھا اور میں سوچنے لگا تھا کہ وہ کیا کر اور سوچ رہی ہوگی۔ اور میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وطن میں نہ جانے اس وقت کیا ہو رہا ہوگا؟ پتہ نہیں سیلاب اب کے کتنی تباہیاں لائے... کتنی زرخیز مٹی پنجاب اور مشرقی پاکستان کے کھیتوں میں بچھائے ہو سکتا ہے کہ سیلاب گزر گئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس مرتبہ آئے ہی نہ ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پنجاب کے دیہات میں سورج کی کرنیں اپنی پیش سے گندم کی ہری بالیوں کو سنہرا کر چکی ہوں۔

میرا وطن جہاں دودھ کی طرح سفید راوی بہتا ہے اور جہاں سونہری کی چنہاں بہتی ہے میرا وطن۔ جہاں سدر بن، کسی دوشیزہ کے کاندھوں پر پڑے ہرے دوشے کی طرح لہریں لیتا ہے! اور میرا وطن جہاں بی آر پی نہر کمال تکنت سے سرحد کے ساتھ فاتحانہ جل ترنگ بجاتی چلی جاتی ہے۔ ہاں، ہاں، اس وقت نہ جانے میرے اس وطن میں کیا ہو رہا ہوگا! وطن کی یاد آج میرے دل و دماغ کو فوج رہی تھی!

عجیب بات ہے کہ انسان جب وطن میں ہوتا ہے تو وطن سے دور چلے جانے کی کوشش کرتا ہے اور جب وطن سے دور چلا جاتا ہے تو وطن کو کوٹ جانے کے لیے تڑپنے لگتا ہے۔ کم از کم میری ذہنی کیفیت تو یہی ہوتی ہے۔

وطن کا یہی حسین تصور آج مجھے اپنی طرف بلاتا تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ وطن کی محبت میں ڈوبی یہ یادیں مجھے یوں ستاتی رہیں تو میں اپنا سفر کیسے جاری رکھ سکوں گا۔

ذہن کو ذرا سکون دینے کے لیے میں اپنے ایک دوست قریشی کی طرف چل پڑا۔ شام کے چھ بج رہے تھے



دل کے ساتھ اس وقفے کے گزرتے ہی قریشی کی انگلیاں ریڈیو کے سوئچ پر گئیں۔ ریڈیو کا سوئچ کھولا اور ایک گھر گھرا ہٹ کے ساتھ وائس آف امریکہ کے میٹر پر جا کر پڑ گیا۔

خبریں نشر ہو رہی تھیں۔ ”بھارت نے آج صبح لاہور پر حملہ کیا تھا۔ شام کے دھند لکوں میں بھارتی فوجیں پاکستانی علاقوں کو روندتی ہوئی اب لاہور کی سب سے عظیم شاہراہ مال روڈ پر گھوم رہی ہیں۔ ان فوجوں کی تیزی اس بات کی نشان دہی کر رہی ہے کہ آئندہ چند گھنٹوں میں یہ لاہور سے اور آگے کی طرف بڑھ جائیں گی۔“ قریشی کا سر گھومنے لگا۔ میں بھی اپنے حواس کھو بیٹھا۔ اس سے پہلے کہ ہم دونوں اٹھ کر یہاں سے باہر کی طرف بھاگیں پرتاپ نے قریشی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

”جانی! گھبراتے کیوں ہو؟ تم تو جرنی ہیں ہو۔ آگ کے شعلے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارے سر بھارتی بموں کی زد میں نہیں ہیں۔ بس ایک تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ ذرا ہندوستانی سفارت خانے جا کر وہاں سے پاسپورٹ پر اپنی پاکستان شہریت کو تبدیل کرا لینا۔“

ہم دونوں اپنے جسموں کو جو اس خبر کو سن کر مردہ ہو چکے تھے، گھسیٹتے ہوئے قریشی کے گھر کی طرف چل پڑے۔ یہاں پہنچ کر قریشی دھم سے اپنے بستر پر گر پڑا۔ اور میں نے پریشانی کے عالم میں کچھ اور خبریں سننے کے لیے قریشی کے کمرے میں رکھے ٹیلی ویژن اور ریڈیو کو آن کر دیا۔ قریشی نے مجھ سے پتھنے ہوئے کہا۔ ”وہاں جاؤ!“

اسے بند کر دو۔ میں اس وقت خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر قریشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور دوڑا دوڑا ٹیلی فون کے پاس آیا اس کا ڈائل گھمانے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ باؤگوش برگ میں واقع پاکستانی سفارت خانے کے

مسل جد وہند کے بعد بھارت کو مل گیا ہے۔

قریشی نے شہنار تھ سنگھ کا مذاق اڑاتے ہوئے ۱۱۔ ”شہنار تھ! تو کبھی خواب میں چھپچھپے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ لاہور، لاہور ہے۔ یہ خواب جس کا خوابوں میں بھی کوئی وجود نہیں ہے شاید ہی اس کی تعبیر کبھی آج ہی ہو سکے۔ جس دن دریائے راوی کا پانی پینے والا اب ایک پتھر مچ جائے گا، اس دن لاہور بھی مچ جائے گا! شہنار تھ سنگھ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”یار تو تو میری بات کو مذاق سمجھتا ہے۔ پیارے! زندہ ہے مگر لاہور مچ گیا ہے۔“

قریشی نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ ”دیکھو دست! ہم آج یہاں بڑا اچھا موڈ لے کر وقت گزارنے آئے ہیں۔ یہ دنگے فساد کی باتیں نہ کرو۔“ قریشی اور شہنار تھ نے درمیان میں مکملے جاری ہی تھے کہ پرتاپ سنگھ جو قریشی کا ایک اور دوست تھا، قریشی کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ”ابھی ابھی بی۔ بی۔ سی کی لیٹ براڈ کاسٹ نشر ہوئی ہے۔ میں اپنے کمرے سے سن کر آیا ہوں کہ بھارتی فوجیں اب لاہور کی مال روڈ پر مارچ پاسٹ کر رہی ہیں۔ پرتاپ سنگھ نے یہ بات کچھ اتنے سنجیدہ انداز سے کہی کہ میں اور قریشی پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ قریشی نے سنیے کہا۔ ”یہ لوگ کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے۔“ یہی یہ بات سن کر پرتاپ بولا۔ ”آپ سب میرے کمرے میں چلیں۔ دس منٹ کے بعد وائس آف امریکہ کا لیٹن نشر ہو گا۔ خود اپنے کانوں سے سن لیں۔ ریڈیو کی سونیاں بھی اپنے ہاتھوں سے اچھی طرح ایڈجسٹ کر لینا تاکہ میں یہ وہم نہ ہو کہ ہم نے تمہارے ساتھ کوئی چال چلی ہے۔“ ہم دوڑے دوڑے سیدھے پرتاپ کے کمرے میں گئے اور دس منٹ کا یہ مختصر سا وقفہ انتہائی کٹھن گزرا۔ دھڑکنے

کسی افسر سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو سے میں نے یہ اندازہ لگالیا کہ پاکستانی سفارت خانہ اور اس کا عملہ بھی اتنا ہی پریشان ہے جتنا کہ ہم بی بی سی اور وائس آف امریکہ کے بین الاقوامی ملیٹن کو غلط گرداننا ایک کھلی ہوئی حماقت تھی۔ قریشی نے ریسپورر رکھ کر مجھ سے کہا دوست! سفارت خانے والے ہم سے کہیں زیادہ پریشان ہیں۔

میں اور قریشی اب حد سے زیادہ بے چین ہو رہے تھے۔ قریشی سے جب نہ رہا گیا تو اس نے مجھ سے کہا ”وجاہت! کسی بھی ہوائی جہاز کو پکڑ کر ہم کیوں نہ پاکستان پہنچ جائیں۔“ میں نے قریشی کے اس خیال کی تائید کی اور ہم دونوں ڈوسلڑوٹ میں واقع بین الاقوامی ہوائی جہاز کی کمپنیوں کے دفاتر کی جانب چل پڑے۔ یہاں پہنچ کر جو منظر میری نگاہوں نے دیکھا وہ ایمان افروز تھا پاکستانیوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوائی کمپنیوں کے بلیک آفس کے سامنے لگے ہوئے تھے۔ اور یہ پاکستانی اصرار کر رہے تھے کہ چاہے کتنی ہی قیمت لے لو مگر ہمیں ہمارے وطن پہنچا دو۔ اس وقت وطن کو ہماری ضرورت ہے۔ پاکستانیوں کو ان ہوائی جہاز کمپنیوں کے کارندے بتا رہے تھے کہ ہم مجبور ہیں۔ پاکستانی حکومت سے ہمیں یہ احکامات موصول ہوئے ہیں کہ پاکستان کے تمام ہوائی اڈے غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیئے گئے ہیں۔

ہوائی جہاز کی کمپنیوں کے کارندوں کے اس جواب نے ہمیں اضطرابی اور حیجانی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ ہم اپنے وطن پر مرنے کے لیے وطن پہنچنے کو بے قرار تھے۔ رات کے ساٹھ نو بجے قریشی مجھے اپنے گھر کی طرف لے چلا۔ گھر پہنچ کر ہم نے ایک مرتبہ پھر ٹیلی ویژن کے سوچ کو آن کر دیا۔ ٹیلی ویژن سے تصویریں نبر تائے نشر ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ میں قریشی کی جذباتی کیفیت کا اندازہ

نہیں کر سکا اور حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی جذباتی افراط کو بھی بیان نہیں کر سکتا۔ صرف اتنی بات یاد رہ گئی ہے کہ میں مرجانا چاہتا تھا لیکن جرمنی میں نہیں۔ میں اپنے وطن کی دہلیز پر جان کا گذرانہ دینا چاہتا تھا۔ مجھے یوں محسوس رہا تھا کہ میرا بڑھا باپ مر گیا ہے۔ میری ماں مر گئی ہے۔ میری بہنیں مر گئی ہیں۔ میرے دوست مر گئے۔ میرا شہر مر گیا ہے۔ میرا وطن مر گیا ہے۔ کھیتیاں جھلس گئی ہیں۔ دریاؤں میں آگ لگ گئی ہے۔ اگر یہ سب کچھ مر گیا ہے تو میں کس کے لیے زندہ ہوں۔ اور پھر اچانک میرا ذہن — اُٹ.... جو بری توانائی کے دور کی یہ جنگ نجانے میرے ملک کے لوگ کیسے لڑ رہے ہوں گے! اور پھر بار بار یہ بھی سوچتا تھا کہ لاہور کے جیالے اس آسانی کے ساتھ اپنے وطن کو دشمن کے حوالے نہیں کر سکتے۔ لاہور تو پاکستان کا لینن گراؤ ہے۔

اچانک ٹیلی ویژن کے دودھیا پردے پر مسٹر مین فرڈ کی مسکراتی شکل ابھری۔ اور ان کے لب کھلے۔

”لندن بی بی سی سے یہ خبر آئی ہے کہ لاہور پاکستان کا ایک حسین، روایتی اور ثقافتی شہر بھارت کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ اس خبر کی نشریہ کے نو منٹ بعد وائس آف امریکہ نے جو بلیٹن نشر کیا ہے اس میں اس قبضے کی تصدیق کی گئی ہے۔ لیکن ہمارے سفارتی حلقوں نے پاکستان سے جو خبریں روانہ کی ہیں ان سے ہم صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکے ہیں کہ جنگ جاری ہے۔ کون آگے بڑھ رہا ہے اور کون پیچھے ہٹ رہا ہے یہ آئندہ بارہ گھنٹوں میں فیصلہ ہوگا۔ اور دوسرے سفارتی ذرائع سے جو خبریں ہم لگائی ہیں ان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بھارت لاہور میں گھس گیا ہے۔“ جوں جوں اس خبر کے چلے ہمارے کانوں میں پڑتے رہے ہمیں ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے کسی نے کانوں میں

مجھے گہری اداسیاں چھائی نظر آئیں۔ اس دن مجھے اچھی طرح یاد ہے، شاید ہی کوئی پاکستانی اپنے اپنے کام پر گیا ہو۔ سارا دن یہی تہہ کر رہے ہوتے رہے کہ ہمارے وطن کا اب تک کیا حشر ہوا ہو گا! اور ہم سوچنے میں بھی حق بجانب تھے کیونکہ ہمیں ذمہ دار ملکوں کے نشری اداروں نے خبریں ہی ایسی سنائی تھیں، ہم توقع ہی نہیں کر سکتے تھے کہ امریکہ اور برطانیہ جیسے ملک چھوٹ بھی بول سکتے ہیں اس دن جتنے بھی پاکستانی جتنے بھی بھارتیوں سے ملے، ان سب نے بھارتیوں کے تعصب کے نہروں کچھ ملنے کے نشتر وں کو اپنے سینے میں سہا۔

چھ بجے کے قریب جب ڈوسلڈر روٹ کی راتیں پہلے سے اور زیادہ کالی ہو گئی تھیں، ان کالی راتوں کے سینے کو چیرتا میں ایک مرتبہ پھر قریشی کے ہاں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا تھا۔ سدا اکٹھے بچے ٹیلی ویژن سے میٹفرڈ

پگھلا ہوا سیسر ڈال دیا ہے یوں لگا جیسے کان بند ہو گئے ہوں اور قوتِ سماعت جواب دے دی گئی ہو۔ میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر رندھی آواز سے کہا۔  
”قریشی — لاہور چلا گیا!“

قریشی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے کتنے لگا ایسا نہیں ہو سکتا۔ لاہور کی موت ہماری موت ہے۔ لاہور کے بیٹے اس طرح لاہور کو دشمن کی گود میں نہیں ڈال سکتے۔ میں نے بھی اپنے دل کو دلاس دیتے ہوئے کہا۔ ”میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ لاہور تو پاکستان کا لینن گراڈ ہے“ چھ ستمبر کی یہ پوری تباہ کن رات ہم نے کچھ اس طرح کاٹی جیسے کسی نے ہمیں دہکتے انگاروں پر لٹا دیا ہو۔ سات ستمبر کا دن میرے لیے انتہائی مایوس کن دن تھا۔ اس دن میں جس پاکستانی سے بھی ملا اس کے چہرے پر

# کالاکو

تکمیلِ حسن  
بالوں کی افزائش اور  
دماغی سکون کیلئے

# کالاکو



گزرنے لگا۔

جرمنی کے باشندوں کو جب جنگ کی صحیح خبریں ملنے لگیں تو وہ ان کی فضا ہی بدل گئی۔ جرمن جنگجو قوم ہے۔ وہ جنگجو قوم کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ وہ ان کی گلیوں میں اب یہ عالم ہو گیا کہ جس پاکستانی یا بھارتی کو جرمنی کے بچے دیکھتے تھے تو پوچھتے تھے ”پاکستانی یا ہندوستانی“ اگر وہ کہہ دیتے کہ ”ہندوستانی“ تو بچے نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے اور اگر وہ پاکستانی کہتے تو بچے اس سے ہاتھ ملاتے تھے خوشی سے اس کے گرد اچھلتے کودتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے۔ ”یہ بہادر پاکستانی ہے۔ انہوں نے اتنے بڑے ملک کا حملہ ناکام بنا دیا ہے“ بسوں میں، ریل گاڑیوں میں، سڑکوں اور گلیوں میں جرمنی کی عورتیں بھی پاکستانیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں مبارک باد اور خراج تحسین پیش کرتی تھیں اور یہ جلد روزمرہ کا محاورہ بن گیا۔ ”تم بہادر قوم ہو۔ تم جنگجو ہو“

سکھ توصاف پہچانے جاتے تھے کہ بھارتی ہیں لیکن ہندوؤں نے جرمنی کی عورتوں، مردوں اور بچوں کی لعین طعن سے گھبرا کر اپنے آپ کو پاکستانی کہلانا شروع کر دیا۔ کسی گلی میں سے کوئی پاکستانی گزرے تو اسے کسی کھڑکی یا دروازے سے یہ آواز مزور سناؤتی تھی ”دیکھو پاکستانی جارہا ہے یہ بہت بہادر لوگ ہیں۔ انہوں نے دس گنا طاقتور فوج کو مار بیٹھا ہے“ اور میں پاگلوں کی طرح نعرے لگاتا پھرتا تھا۔

”لاہور پاکستان کا لینن گراڈ ہے۔“

لینن گراڈ تھا۔

لینن گراڈ رہے گا۔ انشا اللہ۔

ایک جامع زیوریاک کے فکر لوہیس کے ایک ساجنٹ نے جب ایک عورت کو ساتھ میل کی گھنٹی کی زنگ سے کاجالے کو دکھا تو جواب ملا میری موٹکی تازہ بالکل ختم حال ہیں اور میں ان کے تعلق سے جو جانے سے پیشتر کچھ پہنچا چاہتی ہوں“

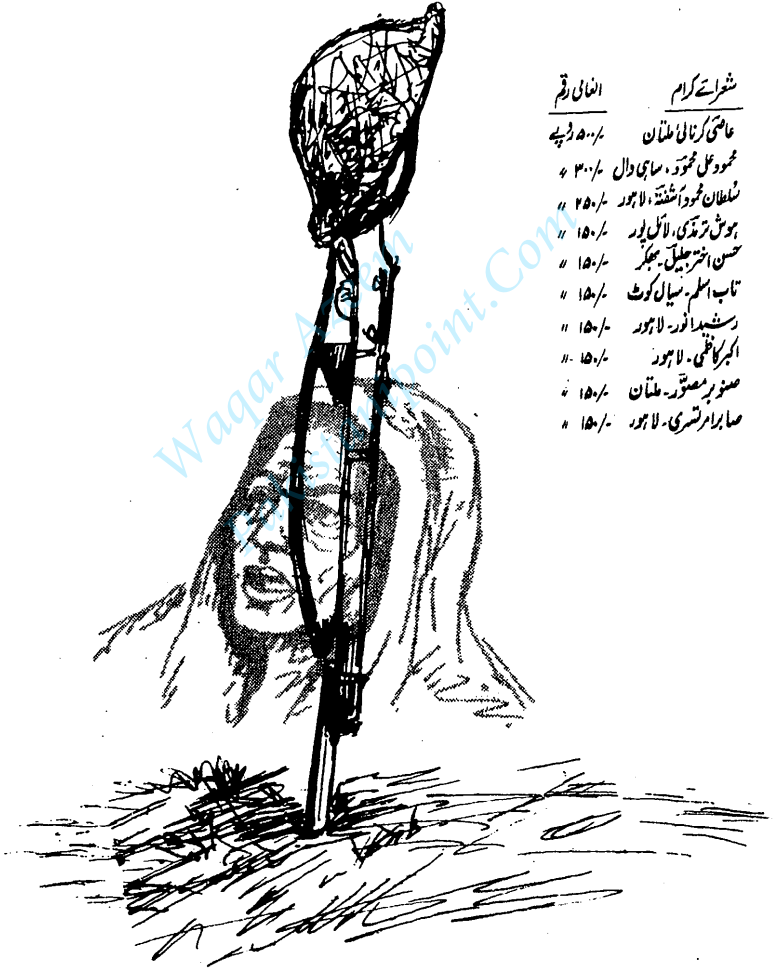
ایک مرتبہ پھر دکھائی دیا۔ اور اس کے پیچھے بھارت اور پاکستان کا ایک نقشہ دکھائی دیا۔ اس نقشے میں جگہ جگہ لٹی ہوئی فوجوں کے نشانات دکھائے گئے تھے۔

مسٹر مینفرڈ نے ٹیلی ویژن کے ناظرین کو رات کا سلام دیتے ہوئے اپنی نظر اس نقشہ پر ڈالی اور کہا کہ ”یہ نقشہ بھارت اور پاکستان کا ہے۔ ان دونوں میں زبردست جنگ جاری ہے۔ نقشے پر پاکستان کے چھوٹے سے ملک اور بھارت کے آٹھ گنا بڑے ملک کو دیکھ کر ہمیں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ننھا فن لینڈ عظیم روس سے جنگ کر رہا ہو“ اور پھر مسٹر مینفرڈ نے مسکراتے ہوئے یہ بات کہی کہ ”لاہور پر بھارت کے حملے کو پاکستان کے بہادر بیٹوں نے پسپا کر دیا ہے۔ اور کھیم کرن کا شہر جو بھارت کا ایک قدیم شہر ہے، قبضے میں لے لیا ہے۔ اور پاکستانی ہوا بازوں نے بھارتیوں کے ہوائی جہازوں کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے جو ناقابل یقین لگتا ہے“

اب ہر چیز واضح ہو چکی تھی۔ ہم سب پاکستانی اسی رات انڈیا ڈیگال ہاؤس پہنچ گئے۔ میں نے پر تاپ سنگھ کو، جو اس وقت کھانا کھا رہا تھا، پکڑ لیا اور کہا۔ ”پیارے پرتاپ! بس تمہیں ایک تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ ذرا پاکستانی سفارت خانے جا کر وہاں سے اپنے پاسپورٹ پر اپنی ہندوستانی شہریت کو تبدیل کرانا پڑے گا۔“

اتنے میں قریشی نے شرارتہ سنگھ کا کندھا پکڑتے ہوئے کہا۔ ”پیارے۔ میں بھی زندہ ہوں اور لاہور بھی زندہ ہے۔ میں کتنا تھا تا کہ میں مر جاؤں گا اور لاہور بھی مر جائے گا“ اور پھر ہم سب پاکستانیوں نے ایک عظیم مسرت سے سرشار ہو کر انڈیا ڈیگال ہاؤس کی فضاؤں میں یہ نعرہ لگایا۔ ”لاہور پاکستان کا لینن گراڈ ہے“ اور بھارتیوں کا ریتوران ”پاکستان زندہ باد“ کے نعروں سے

# شہید کی ماں



شعرائے کرام	انسانی رقم
عاشق کرنا لی طہان	۵۰۰/- روپے
عمود علی محمود، ساجی دال	۳۰۰/-
سلطان محمود، شفق، لاہور	۲۵۰/-
ہوش تریدی، لائل پور	۱۵۰/-
حسن اختر، جیل، جکسر	۱۵۰/-
تابہ اسلم، سیال کوٹ	۱۵۰/-
رسفید انور، لاہور	۱۵۰/-
اکبر کافہ، لاہور	۱۵۰/-
صنوبر مصور، طہان	۱۵۰/-
صابرا مرثی، لاہور	۱۵۰/-

کی منع ہم پاکستانیوں کے لیے ایک نیا درس حیات لے کر طوع ہوئی تھی۔ ایک ایسا درس حیات، جس نے ہمیں ایک زندہ جذبہ وطنیت اور پائیدہ احساس بیداری سے نوازا۔ وہ درس - ہماری معاشرت کا حصہ اور ہمارے ادب کا جزو بن کر رہ گیا ہے۔ جو سترے ۲۳ ستمبر تک کے لمحے ہمارے غمازیوں اور شہیدوں کے خون سے یوں فروزاں ہوئے کہ ان کی چمک دمک ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ "سیارہ ڈائجسٹ" نے آج تک اس یاد کی جوت مدغم نہیں ہونے دی۔ اس کے ہر شمارے میں سرفروشی اور جان بازی کے واقعات نمایاں ہوتے ہیں۔

کچھ عرصہ پیشتر ادارہ "سیارہ ڈائجسٹ" نے ان مقدس یادوں کو ابدیت سے مکمل کر کے لیے ایک اہم قدم اٹھایا۔ پاکستان کے تقریباً تمام اردو اور پنجابی زبان کے شعراء کے کرام کو "شہید کی ماں" کے موضوع پر نظمیں لکھنے کی دعوت دی۔ یہ کوئی نظم گوئی کا مقابلہ نہیں تھا بلکہ اس قابلِ فخر اور لائقِ تعظیم مسی کے حضور اپنی عقیدوں کا نذرانہ اور اپنے احترام کا بدیہ پیش کرنے کا ایک اہتمام تھا۔ اس خیال کے تحت — کہ یہ ہمارے ملی شعور اور احساس کی ایسی تحریک ہے جس سے وطن دوستی اور قوم پرستی کے جذبات کو تقویت ملتی رہے۔

ہماری اس آواز پر شاعروں نے لبیک کہا اور اپنے صادق خیالات اور فخریہ احساسات کو نظموں کا روپ دے کر ہمیں ارسال کیا۔ سینکڑوں موصولہ نظموں میں سے دس کو منتخب کرنے اور انعام کا فیصلہ کرنے کا فریضہ ایک کمیٹی نے سرانجام دیا جس کے ارکان یہ تھے۔

مصطفیٰ زیدی - نذیر احمد رضوی - صفدر میر - نجرانوالی - حامد محمود - نور شید عالم  
شعرا اور مقررہ کمیٹی کے درمیان رابطہ قائم رکھنے کے لیے انظر ماجد کو کنوینئر مقرر کیا گیا۔  
جہیں افسوس ہے کہ منتخب نظموں کے اعلان میں خاصی تاخیر ہو گئی مگر..... تا  
ہوئی تاخیر نہ کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

فوری تفصیلات سے قطع نظر — کمیٹی کے ارکان میں سے پہلے نجرانوالی صاحب کی ماہ کے لیے پورب  
پہلی گئیں۔ نذیر احمد رضوی صاحب کا لاہور سے تبادلہ ہو گیا اور چر مصطفیٰ زیدی صاحب تبدیل ہو کر چلے گئے۔ بہر کیف — کسی نہ کسی طور  
ہم نے یہ تمام مراحل طے کیے اور اب یہ منزل آئی ہے کہ دس کی دس منتخب نظمیں علی الترتیب اس شمارے میں مثالی اشاعت ملیں۔  
ہم ان تمام شعراء کے فرفراں ذرا، شکر گزار ہیں جنہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا اور اپنی کاوشوں اور تحریروں سے آئے والی نسلوں کے  
لیے ایک دلخیز و نارسج کو رقم کیا۔ انعام یافتہ شعراء کے کرام کو ہم اپنے تمام تر خلوص کے ساتھ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔  
ہم ان تین نامور شعراء کے احسان مند ہیں جنہوں نے اس تحریک میں شرکت کوئی مگر با اندازِ دگر — انہوں  
نے اپنی نظمیں اس مقابلے میں شرکت کے لیے نہیں بھجوائی تھیں۔ مگر ان تین حضرات — رئیس امر وہوی صاحب، ماہر القادری  
صاحب اور عبدالعزیز فطرت (محرور) کی تخلیقات بھی منتخب نظموں کے پہلو بہ پہلو ملوہ گریں۔

”عظیم ماں! ترے بیٹے کی لاش لاتے ہیں“

”یہ کون لوگ ہیں؟ کیسی خبر سنا تے ہیں؟“

”عظیم ماں! ترے بیٹے کی لاش آئی ہے“

”غلط خبر ہے! یہ کس شخص نے اڑائی ہے؟“

”عظیم ماں! ترا نورِ نظر شہید ہوا“

”خدا کی راہ میں ترا پسر شہید ہوا“

”تمام جھوٹ! مرا لال مر نہیں سکتا  
وہ میرا چاند جہاں سے گزر نہیں سکتا“

وہ میرے باغ کو ویران کر نہیں سکتا“

”عظیم ماں! ترے بیٹے کی لاش آئی ہے“

”خدا گواہ! شہادت کی موت پائی ہے“

”شہید ہو گیا؟ اس کا کفن تو سر کاؤ“

”مرے شہید! ذرا اپنا منہ تو دکھلاؤ“



یہ میرا چاند ہے، تجھ پر نظر جاتے مجھے  
یہ میرا لال ہے لوگو! کفن بساتے ہوئے  
خدا کا شکر ہے، میدان سے منہ نہیں موڑا  
وہن پہ سینے پر، بازو پر زخم کھاتے ہوئے  
یہ شیر لوٹ رہا ہے کچھار کی جانب  
مدد کا خون پیتے، ہڈیاں چباتے ہوئے

مرا شہید لہو میں نہا کے آیا ہے  
قدم قدم پر گلستاں کھلا کے آیا ہے  
قریب، سر جو یہ گہرا سا زخم ہے لوگو!  
جبیں پر فتح کا سہرا سجا کے آیا ہے  
جو اس کا ہاتھ کٹا ہے، میں خوب جانتی ہوں  
یہ اُس کو فتح کا پرچم بنا کے آیا ہے  
یہ میرے دودھ کا حق واقعی سمجھتا تھا  
یہ میری کوکھ کی عزت بڑھائے آیا ہے  
بہت غیور تھا، میدان سے سرخرو لوٹا  
بہت دلیر تھا، اعزاز پا کے آیا ہے  
ہزار آئندھیاں آئیں، وہ کچھ نہیں سکنتیں  
لکھا تھا خالد و طارق نے اپنے نرے سچے  
اُسی کتاب کے صفحے بڑھا کے آیا ہے

”رہنمائے حق سے ترا دل ہے کس قدر آباد  
عظیم ماں! تجھے اس صبر پر مبارک باد“

”جو دیکھتا ہے، ادب سے وہ سر جھکاتا ہے  
مرے شہید کا شاہی جلوس آتا ہے  
ترقی قسم مرے بیٹے! میں تجھ پہ نازاں ہوں  
کہ تو شہید ہے اور میں شہید کی ماں ہوں!“

محمود احمد محمود۔ ساہی والہ

## مرے رُستے مری توقیر کو تم کیا جانو

مرے جذبات کو نظروں میں سمونے والو  
مجھے موضوع سخن کرنے سے پہلے اک بار  
میرا در سجدہ گہر شاہ و گدایانِ جہاں  
میرا دامن فرشتوں کے لیے جاستے ناز  
مرے کردار کو شعروں میں پرکھنے والو  
اپنی کم مائیگی فکرو ہنر کو سوچو  
میرا گھر قبلہ گہراہلِ چمن زارِ جہاں  
میری عظمت مری حرمت کو خدا سے پوچھو!

میں نے بچپن میں شہیدوں کے دیکھے سینے  
دارے بنتی ہوئی گولیوں۔ سنگینوں کے  
میں نے بے تاب لڑکپن کو شبِ تیرہ میں  
تین بے باکی دیں۔ مشعلِ حب الوطنی  
میں نے غبور و جوان، سمت و سیلابِ صفت  
ایک بار اور تھپک کر سر ویرانہ قبر  
لوری دیتے ہوئے پتھکے ہیں کہ ہنگامِ وفا  
سیلِ بے تاب میں دیوار نہیں۔ ڈھال نہیں  
آہن و دود کے دریا سے گزرنے کے لیے  
جذبِ دجاں بازی و ایشیاء کی دولت بخشی  
خونِ آلودہ۔ جوانِ سال، کشادہ سینے  
ملک و ملت کو سرفرازی کے جوہر بخشے

## مرے رُستے مری توقیر کو تم کیا جانو

میری عظمت مری حرمت کو خدا سے پوچھو

جہاں زمیں کی روا، رہزوں میں بٹ جائے  
افق کا سُرخ، حنا رنگ باغ، زد و گدے  
وہاں لہو کی طلب ہے، کھرے لہو کی طلب  
کہ ایسے دور میں چہروں کی آب، گرو گدے

وہ موج — مرنخی دوران کہ جس کی آمد کو  
ہزار سال زمیں راہ دیکھتی نہ تھکے  
وہ موج — غور ہستی، کہ جس کی سیرانی  
شعور مردہ میں تاشیرِ نوا تار سکے

جہاں جوان رگوں میں، لہو کا سیل ہے  
مگر تڑنگ نہ ہو، حرکتوں میں تاب نہ ہو  
اُداس ماؤں کے خوابیدہ، نیم ہاں بیٹے  
وہ خواب دیکھیں جو تعبیر میں بھی خواب نہ ہو

وہ جس کے دم سے پھلے، برگِ بارشیری  
کہ باغِ دہر ہے، مَنّ ثیفند کلاب لباب  
وہ جس کے لطن سے ہے، "اِنِّیْ اَعْلَمُ" کی دلیل  
وہ جس کے ظن میں ہے، "یَسْفُکُ الدَّمُ" کا جواب

جہاں ہوا کے سبکِ رومبیب دریا میں  
رُکا ہو دیر سے غوغائے وقت مہرِ بلب  
خلا کے حکم سے لمحے جہاں قدم روکیں  
وہاں جنوں کی طلب ہے، فقط جنوں کی طلب

وہ موج و محو ہستی، "شہید کی ماں" ہے  
کہ جس کو پاتے مشیت بھی مان کہ منت  
وہ جس کے پاؤں میں خوابِ ارم کی تعبیریں  
وہ جس کی گود سے پھوٹے شہید کی منت

لہو تڑنگ، جنوں رنگ تندرہذلوں کا  
ہزار سال فضا اُستام کرتی ہے  
اُداس چہروں کے اس بیکراں سمند سے  
تب ایک موج، کہیں مرنخروا بھرتی ہے

وہ جس کے ضبط میں اوراقِ نور متب ہوں  
وہ جس کے ربط سے تاریخ کا قدم پھیلے  
نظر کا نور — نظر کی حدوں میں کٹ جاتے  
مگر زماں و مکاں سے الی عدم پھیلے

## ہوشِ ترمذی - لائلہ پور

(۱)

مجھ پر نگاہِ نطفہ ہے ربِ مجید کی  
کانوں میں گونجتی ہیں صدائیں نوید کی  
دنیا میں دھوم ہے مرے بختِ سعید کی  
نازاں ہوں اس شرف پر کہ ماں ہوں شہید کی  
کچھ اس کا غم نہیں کہ تنہا لہو ہوتی  
شکرِ خدا کہ قوم سے میں نمرخو ہوتی

(۲)

پانی زبے نصیب یہ عزت، یہ آرزو  
میکر پیر کا نام ہے عنوانِ گفتگو  
دیکھے تو کوئی غریبِ انجمِ آرزو  
زیبِ رخِ حسن ہے مرے لال کا لہو  
اس تیرہ خاکداں میں سعادت نشان ہوں میں  
خوش بخت ہوں کہ ایک بہادر کی ماں ہوں میں

(۳)

لکنتِ زباں میں ہے تو ہراساں نہیں ہوں میں  
بکھرے ہوئے ہیں بالی پریشاں نہیں ہوں میں  
عجوبہاں درو ہوں، حیراں نہیں ہوں میں  
آگاہِ اضطراب ہوں، ناداں نہیں ہوں میں  
ہر بات میں یہ عکسِ رخِ زندگی کے ہیں  
آنکھوں میں آگے ہیں جو آنسو خوشی کے ہیں

(۴)

ہر حسدِ عجب سے چھن گیا نورِ نظر مرا  
اُس کے لہو کی بخت سے روشن ہے گھر مرا  
کتنا دفا شناس تھا لختِ حجبِ مرا  
وہ وطن ہو گیا مگر اوجھا ہے سر مرا  
حُبِ وطن کی بولتی تصویرِ دلگیر لی!  
دنیائے میکہ دودھ کی تاثیر دیکھ لی!

(۵)

اتنی خوشی، کہ بھول گئی زندگی کے غم!  
اک بابِ نو ہوا مری تاریخ میں رستم!  
مجھ ایسی ہے بساطِ پیشتاق کا یہ کرم!  
کھاتی ہیں مائیں سب مری آغوش کی قسم!  
اُٹنے ہیں یوں قصائے ورقِ سرورِ شہت کے  
گویا کھلے ہوئے ہیں درپے بہشت کے

(۶)

اے سرزمینِ پاک یہ ہے سرمنِ مقصد  
تری طرف اٹھے جو کہیں پھر بُری نظر  
ماضی میں تری راہ میں اولادِ مال و زر  
دنیا میں کچھ نہیں مجھے تجھ سے عزیز تر  
توفیق ہو کہ حقِ نمکِ یوں ادا کروں  
ایسے ہزار لالِ وطن پر خدا کروں

(۷)

اک سانس کا جہین مارا شہ ہے زندگی  
آخر فنا ہے سب کو، دورِ وزہ ہے زندگی  
پہلو ہیں رنگِ رنگِ تماشہ ہے زندگی  
لیکن ادائے حق کا تقاضہ ہے زندگی  
مرا ہے ایک دن یہ جہاں بے ثبات ہے  
ہو راہِ حق تو موتِ مرا سرِ حیات ہے

دُور دُور تک پھیلی قبریں      دُستِ کجیت، ملیں، بازار  
چہروں کی بے جس دھرتی پر      جے لہو کی کالی دھار

دُور دُور تک جاگتی راہیں      جیسے خواب کے پھیلے جال  
نعرے، سنائے کاشبِ خون      مُردہ دُوتوں جیسی چال

کل ان قبروں کی مٹی سے      پھوٹا تھا اک میلِ حیات  
آج ان پتھر کے تودوں کو      بھول چکی ہے کل کی بات

تیسرے لال کے گرم لہو نے      یہ پتھر بگھلاتے تھے  
سترہ دن یہ خاک کے پیکر      بھی انساں کھلاتے تھے

اُس مٹی کی ساری خوشبو      اس سورج کا سارا نور  
تیسرے اُجلے دودھ کی تابش      تیسرے پیار کا مہکا بو

جس جذبے نے ان کے دلوں میں      چنگاری سُلاگائی تھی  
آج اسے یوں بھول چکے ہیں      جیسے آگ پرانی تھی

دُور دُور تک پھیلی قبریں      اپنے کتبوں سے بیزار  
دُور دُور تک جیتنے انساں      دھرتی کے سینے پر بار

ماں! تیرے احساس نے اب تک  
یہ صدمہ کب بھیدا ہے  
کل جو زندوں کا عشرِ مختار  
اب مُردوں کا میسہ ہے  
لاشوں کی اس بیٹھڑ میں زندہ  
تیرا لال اکیلا ہے

عظیم ماں! ترے جاہ و جلال کی سو گند  
دیا ہے تو نے کچھ ایسے لہو وطن کے لیے  
کتابِ وقت پر اک نفسِ لازوال ہے تو  
کہ آج دہر کی آنکھوں میں بے مثال ہے تو

ترے شہید، ترے سرفروش، ترے بڑاں  
فضیل، آتشِ آہن کو کر گئے مسماں  
اٹھے تھے تو ترے پہلو سے آندھوں کی طرح  
گرے تھے جنگ کے میدان میں بجلیوں کی طرح

ترے بلند عزائم کی داستانِ طویل  
ہزار جبر و تشدد کی آندھیاں اٹھیں  
موتوں نے بھی جاپا مگر قسم نہ ہوئی  
مگر چراغِ صداقت کی منو محی، کم نہ ہوئی

ترے لہو کا تقدس تھے حضرتِ حمزہؐ  
وہ نسلِ آدمِ حس کی کا نوجواں ڈولھا  
ترے لہو کی حرارت حسینؑ ابن علیؑ  
نوبید کو شروعتِ حسینؑ ابن علیؑ

وہی لہو تھا جو پچھلے برس بھی حس پر  
کبھی وہ بن گیا گلزار، سیلِ آتش میں  
کبھی عزیز بنا اور کبھی ندیم بنا  
کبھی وہ حبِ لوہہ حق اور کبھی کلیم بنا

اُسی لہو کی قسم تو ہے سر بلند و عظیم  
اُسی لہو سے ہے روشن جبینِ لالہ و گل  
اُسی لہو کی قسم تو ہے تاجِ سدائے وطن  
اُسی لہو سے سلامت رہی بہارِ وطن

قبول کر مرے لفظوں کے یہ حقیر سے پھول  
بجاکہ شاہِ گنہگار ہوں مگر ترے نام  
ترے صفوں و رصداں احترام لایا ہوں  
میں دس کروڑ دلوں کا سلام لایا ہوں

بھاگاں واسیے مائیں شہید دیتے صبر، شکر دی کوئی اکھیر اپی توں  
 پر بت انچیاں سچیاں عظمتاں دا، کنویں دساں میں کوئی عظیم اپی توں  
 تیرے دل دے ڈوبنگ نوں ویکھ کے تے میرے فن دا کالجو کیا اے  
 میری سوچ نے توت دی چھک وانگوں انگ انگ وجود دا جمبیا اے  
 سوچاں دھڑکیاں نہیں، ذہن بھڑکیا اے دل سو بھجھ سندر یں جمبیا اے  
 کبتوں حوصلہ لوں تے کج دساں لہو رنگیا کیہڑا شاہکار اپی توں  
 سچے رب رسول دے بعد مائیں میرے دیس دی کل مناراں توں  
 جہلا قلم پیا جھل کھلا روا اے تیرے عزم دی تھاہ لوں ماپ دا اے  
 تیرے دل دا انت نہ ملے کوئی ڈوبنگا کتے سمندروں جاپ دا لے  
 لہر لہر دے مراں نوں رب دی سونہر کائنات دا خالق الاپ دا لے  
 مارو، شوکے، تند، طوفان اگے، ہیبت ناک فولادی کندہ اپی توں  
 تینوں عرش دا بلگرہ کنویں آکھاں ایس عرش توں کتے بلند اپی توں  
 ادھ وی سماں سی تھی آغوش اندر جدوں لال لوں اپنے تک دی سنیں  
 تھی داوی کتے نہ لگ جاوے اوہنوں سو سو نگہیں ڈھک دی سنیں  
 ادھ وی نظر نیاز تے صدقیاں لئی زہر سے مے میں کے پچک دی سنیں  
 بوٹا یاواں دا کھول کے ویکھیا میں تیرے لبھاں تے میٹیاں لوریاں سن  
 حیرت کم سی جدوں اوہ لوریاں توں متعین آپ جہاد نوں لوریاں سن  
 فکر مند دی دغا میں کھ تیرا دیو افتح دا، مسکری جاگ جاوے  
 سوہنا لال نہ پک پڑتا مے کھرے، دیہن گولیاں دا بھانوں گ جالے  
 بلیں بھڑکے تے تیرے دغا دھنی رہا! دو دو نوں لاج نہ لگ جاوے  
 پتی جھلیاں وانگ ایہہ پچھدی میں "میرے لال دا حوصلہ صبر دسو  
 گوی کند دے اتے تے نہیں کھا دی میرے دیس دے غازیو خبر دسو"  
 جذبے تیرے دے دھیں نوں ویکھ کے تے سید چڑھے طوفان دا دھڑکدا سی  
 تیرا پھل ملوک جی مامتا دا بن کے جلیبیاں سمے تے کڑکدا سی  
 ڈکدا ڈھنچا پرویری می لاش اتے موتوں بعد دی ویری نوں رڑکدا سی



جھکڑ سہم گئے چنپاں دی چڑھ جی کائنات دے ملیں حکومت دینا  
لفظ کن دی سچی تصویر مائیں رت رنگیہ تیرا سپوت ڈٹھا

تیرے لال دی دھم جہان اندر بیسنے چھٹ سی فیڑھی چکدا سی  
بھندی زیں تے تتیاں بھجھلاں وچ تیری گو داپٹلی یا مہکدا سی  
ٹینکاں توپاں دی گرج دھماکیاں وچ تیرے لال داکھڑا مہکدا سی  
اوہنوں دیکھ کے موت دے منہ منٹے کئی وار تریلیاں چھٹیاں سن  
مار مار ٹھڈے ظلم دپوتا توں، ڈاڈا رو لیا سی دھوڑاں پٹیاں سن

تیرے سہل جیہیہ بیسنے دادو دھ سچا بن دا دیکھا سخت چٹان مائیں  
تیرے لال دے لنگدے لہو اتوں لکھاں لنگدے طور قربان مائیں  
دین نئی دا بڑا مشکور مائیں میرے دیس تے تیرا احسان مائیں  
حسن دونوں جہاناں دا توں مائیں چان چن دا سوچ دی آکھ ایں توں  
جیہڑا نیزے دی نوک نئے ڈولدا نہیں اوس ناٹق قران دی دکھ ایں توں

کسے فلک دا فلک دی جاندائیں بن مے زخم میں کنوڑیں بہار مائیں  
بترے پیراں دی جنت دی جاندی نیں تیری گو دے زخم دی سار مائیں  
جے کچھ جانے نئے کر بل دی ریت جانے یا مڑ با نڈا رب غفار مائیں  
سہرا فتح دا بھیاں دیس دے ہر ستر لال مے سہرے دی وار دنی  
پاکے نویں ٹیکل تاریخ توں توں، میری قوم دے مہتہ ہر دنی

جھٹے ظلم دی لکھ یزید جئے اوتھے امن دی روشن دیل ایں توں  
بڑھوت دے جنوں نہ ڈھا سک اوس عزم دی سخت فصیل ایں توں  
جھٹے فتح دے آن الہام ونڈے لٹھا عرش توں کوئی جبریل ایں توں  
جھٹے حشر دے بعد دی چکنا ایں مائیں توں ایں اوس خورشید دی ماں  
میرے دیس دی ہٹی سنگھنی ایں جھٹے بترے جی جی شہید دی ماں

سید اکبر کاظمی - لاہور

ازل کا عہد بشر کی انا خودی کی ضیا  
شعور موت تجسّس خود آگہی کی فضا  
حقیقت ازلِ رُوح سرمدی کی بقا!  
سہارِ ذوقِ عملِ حُسنِ زندگی کی ادا

انہی سے بنتا ہے شیرازہ حیات کا رنگ  
شکوہ پاتا ہے انسان کی اصل ذات کا رنگ  
مشیتوں کا چلن حُسنِ التفات کا رنگ  
نجوم و ماہ کا نور شیدائشِ جہات کا رنگ

یہ رنگ اُس کو حیاتِ دوام دیتا ہے  
جہاد کر کے جو حق کا پیام دیتا ہے  
وطن کو صبحِ درخشاں کا نام دیتا ہے  
جو زندگی کو حقیقی مقام دیتا ہے

رضائے وادِ ارض و سما شبید کا رُوپ  
ہے آشنائے عروسِ وفا شبید کا رُوپ  
جہانِ عقل و خرد کی بقا شبید کا رُوپ  
دیارِ ہوش کی دلکش ادا شبید کا رُوپ

یہ رُوپِ حُسنِ تقدس جہاں سے لاتا ہے  
یہ رُوپ جس کی بصیرت سے جگمگاتا ہے  
یہ رُوپ جس کی صداقت کے گیت گاتا ہے  
یہ رُوپ جس کے لبوں سے وجود پاتا ہے

ہے اس کی ذات ہر اک عہدِ خوش نوید کی ماں  
پکارتی ہے خدائی اُسے شبید کی ماں

ملت ہے سر بر جسم ترے احساں کے سامنے  
اے مادرِ شہیدِ دلِ انجمن ہے تو  
ترے نفس سے خونِ حسنِ آتشیں ہوا  
جانِ شفق ہے، سرخیِ صبحِ وطن ہے تو  
پاسندہ ترے دم سے شہادت کا سلسلہ  
تو ارضِ گل ہے، معدنِ نعلِ یمن ہے تو  
آغوشِ تیسری سرخ ستاروں کی کبکشاں  
اے موجِ نور، زینتِ شامِ چمن ہے تو  
تیسرے قدم سے ڈٹ گیا رات کا فسوں  
ظلمت میں آفتاب کی پہلی کرن ہے تو

حدِ نگاہ تک جوافقِ لالہ نام ہے  
اے مادرِ شہیدِ ترا حسیں عام ہے

تیسرے ریاض سے وہ گلِ سرخسرو بھلا  
جس سے فضا سے صبحِ حسنِ ارغوان ہوئی  
جس کے لہو نے آگ کو گلزار کر دیا  
آذر پہ پھر غلیل کی عظمت عیاں ہوئی  
پھر مزبِ عنزوی سے لرز اٹھا سومات  
بُتِ خانے سے بلند صدائے اذان ہوئی  
اُنھی وہ موجِ رنگِ وطن کی زمین سے  
تاریخِ پاکِ غیرتِ صد گستاں ہوئی  
مشعلِ دکھائی تو نے وہ قومی شعور کو  
ہر دل میں آرزو سے شہادتِ تپاں ہوئی

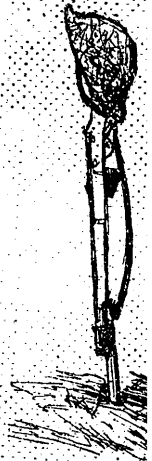
اکِ دخترِ وطن کی عقیدتِ مقبول کر  
اے ماں مرا سلامِ محبتِ مقبول کر

صائب احمد قسری۔ لاہور

میںوں دیو مبارک ساریاں میرا سچا نگہیالاں  
جنے وار جوانی دیں توں سب خطرہ و تامل  
اوہنے دگلا دیکھیا تو پہچانی لئی وکے توپ سنہال  
اوہدی توپ دھنا دھن برس پتی ہویا دیریاں بچن محال  
اوہنے کے گولا روکیا نہ بھجیا کسند و کمال  
اوہنوں جام شہادت مہر کے گئی ہتھیں موت پیال  
میرے دودھ دی لاج سو رکھ لئی میرا اُچا کر گیا ناں  
میرا اٹھنا اٹھنا کا لہجہ بد کہن شہید دی ماں

میرا پتر شیر ذریعہ سی پیا آکھے کئی جہان  
اوہنے سامنے موت نوں دیکھیا سگولں دویا سینہ ناں  
اوہنے دودی ہوئی بلنار دے سب توڑے ماں تڑان  
اوہنے اپنی آنکھ دی رکھ لئی اوہنے دیں لئی کھ لئی نشان  
دکھ آون نہ دتا دیں تے اوہنے مہس کے واری جان  
میرے نکو چڑھا تیاں لالیاں آپ ہو کے لبو لبان  
میںوں اوہدا بھورا دکھ نہیں لئی تو قسم خدا دی کھاں  
میرا اٹھنا اٹھنا کا لہجہ بد کہن شہید دی ماں

نہ مڑو کہو شہید نوں سانوں کرے قرآن تاکید  
او جہندے زمین ہمیش لئی جیڑے حق توں ہوں شہید  
جیڑا شوق شہادت رکھدا رب پوری کرے امید  
اے کر بلا دکاں واسطے اتے اوہناں واسطے عید  
جناں قوم لئی مرنوں ویسیا اوہنا جنت لئی خرید  
اوہدا آدر کر دارب وی اوہدی کرے محمد وید  
میرا لاڈلا رتبہ پاکب لکھ شکر گزار دی راں  
میرا اٹھنا اٹھنا کا لہجہ بد کہن شہید دی ماں



دھارن کا فر دھار کے آتے قابض ہوں لاہور  
کھڑے اگے گھبرو دیس دے ہیوں کیاں گرد مجبور  
میرالال سی اگے سب دے کرے دوئی پاسیں توند  
اودھے سینے خوش ایمان وا اودھا شیراں درگا توند  
اودھے نال اشارے چلیا منہ کرے مہبے اودور  
راہ گھر وا کفسر بھل گئے سچ ایسے بدلے توند

اوتھنے وبری روکے جان تے نہ دتے ودھن اگاں  
میرا ٹھنڈا ہنڈا کا لہر جسد کہن شہید دی ماں

مینوں اکھو ماں شہید دی میرے درو یوسو وار  
میں رتہ سن دی آں بیت داہرے دل نوں پیتے قرار  
اودھے دل دی اے انگ می اودھے پورے ہوئے مجاہد  
چڑھ آساں گتیاں نیڑے گیا جھوٹا چھٹ سنسار  
میں ہں کے پاکستان توں سب وار دیاں پر وار  
اودھی اے قربانی دیں نوں گئی ملکاں وچ سوار

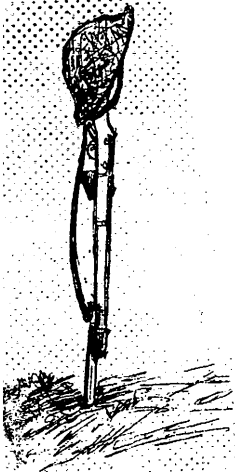
اودھا خون جسے دتے رلیا او مٹی اکھیں لاں  
میرا ٹھنڈا ہنڈا کا لہر جسد کہن شہید دی ماں

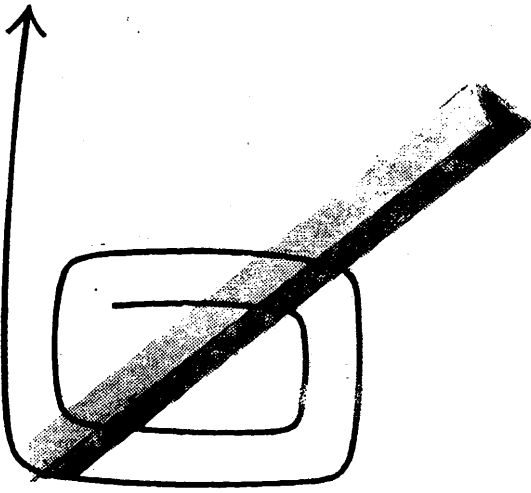
مینوں دتا جو صلہ رب نے اک رات دکھایا خواب  
اک بار انوکھا ویکھیا بنیں دُنیا وچ جواب  
اوتھنے پھل زائے ویکھ لے اوتھنے بھل وی بے حساب  
اوتھنے دودھ دیاں نہراں چلیاں اوتھنے مٹراں بھر تالاب  
میں ڈھیلاں اگے لہکدی دل دیکھ لئی بے تاب  
توں پایا گو دشتیبہ نوں آنگ آماں تھاب

میرا حوراں گھیرا گتیاں میں ذرا کے بسنگی گاں  
پھل سنن میرے اپروں نالے کہن شہید دی ماں

مینوں جھرمٹ حوراں پایا میں ٹڑوی جاں وچ کار  
میں ہیوں جیوں اگے جاوڈی مینوں سٹوئی دے بہار  
اک جاتے حوراں روکیا مینوں چھوڑ کے لیا کھار  
مینوں نال اشارے دسیا او نبیاں واسر وار  
اوکالی کئی والڑا جسدا مارڈیاں نال پیار  
اودھے لگا سینے نال سی میرا صابر برخوردار

میری مندر خوشیوں کھل گئی دل چا دے سٹی راں  
میرا آج توں نال نہ سدناں مینوں نہ شہید دی ماں





اس اہم ضرورت کے پیش نظر چٹاگانگ میں فولاد ڈھالنے کی  
مل فٹنم کی جاچکی ہے اور کراچی میں عنقریب قائم ہو جائے گی۔  
ان عظیم منصوبوں کا مطلب نہ صرف ملک کے قیمتی زرمبادلہ  
کی بچت ہے بلکہ صنعتی ترقی کے لئے ایک بھوس بنیاد کا حصول بھی ہے۔  
یونائیٹڈ بینک کے ملک کی صنعتی ترقی کی اہمیت سے پوری طرح واقف  
ہے۔ صنعتکاروں کو ہر قسم کی بینکاری کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے  
ملک کے طول و عرض میں بینک کی بہم سے زیادہ شائیں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے  
علاوہ لندن، منچسٹر، نیویارک، براؤنڈ، اورٹلی، دوہی میں بیرونی شاخیں، بنگالہ  
اور سوڈان میں ذیلی ادارے بھی موجود ہیں۔  
یونائیٹڈ بینک کے کو خدمت کا موقع دیکھئے۔ یونائیٹڈ بینک کے  
انتیاز — جدید بینکاری اور انفرادی توجہ۔



تاسیس شدہ ۱۹۵۹ء



# کیلنڈر

مدارج کی عکاسی کرتی ہے بلکہ یہ معلوماتی اور دلچسپ بھی ہے۔  
 CALENDERS  
 رومن اور لاطینی زبانوں میں تقریباً ہم معنی  
 لفظ ہے۔ اسی سے لفظ کیلنڈر بنا ہے۔ رومن میں اسے وقت کو  
 چھوٹی اکائیوں مثلاً گھنٹوں، دنوں، مہینوں اور سالوں  
 میں تقسیم کرنے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ لاطینی میں  
 اس سے مراد پہلی تاریخ کا چاند یعنی ہلال ہے۔ ہر زمانے کے  
 صاحب دماغ لوگوں کو ایک صحیح تقویم بنانے کے کام نے  
 ہمیشہ سرگرم رکھا ہے۔ کہو تو وقت کو سال، مہینے اور دنوں  
 میں یکساں تقسیم کرنا خاص دشوار اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ حتیٰ کہ  
 آج بھی جب دنیا سمٹ کر مختصر ہو گئی ہے اور علم کے افق بلند  
 ہو گئے ہیں، محققین ایک عالمی کیلنڈر بنانے میں دشواری محسوس  
 کر رہے ہیں جو اقوام عالم میں سے ہر ایک کے لیے قابل قبول  
 ہو اور اس کی شدت سے ضرورت اس لیے محسوس کی جا رہی  
 ہے کہ انسان نہ صرف روئے زمین پر ایک محدث بننے کے قریب

کی بات ہے انگلستان کے عوام مگر مگر مگر  
 ۱۷۵۲ کے حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے  
 تھے۔ ان کا صرف ایک ہی نعرہ تھا "ہمارے گیارہ دن واپس کر  
 دو۔۔۔ ہمارے گیارہ دن واپس کرو"۔ واصل حکومت نے  
 موجودہ کیلنڈر کی غلطی درست کر کے گیارہ دن کم کر دیے تھے  
 تنگ نظر پادریوں نے دین عیسوی کے ایک شمار کی بے حرمتی  
 کا فتوے دے کر عوام کی مشتعل کر دیا اور انہوں نے حکومت کی اس  
 اصلاح کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اسی لیے جا بجا ملاحظہ فرمائیے  
 ہونے لگے۔

موجودہ شمسی کیلنڈر یا سن عیسوی کو، جو قریباً ساری دنیا  
 میں رائج ہے، بہت سے ممالک نے بیسویں صدی کے آغاز تک  
 قبول نہ کیا۔ عیسائیوں کے ایک فرقے نے اسے ۱۹۲۳ تک تسلیم  
 نہ کیا۔ چین کے لوگوں نے اسے ۱۹۲۹ میں اپنے ماں رائج کیا۔  
 کیلنڈر کی اصلاح و ارتقاء نہ صرف انسانی علوم کے ارتقائی



ستمبر

نے مکے سے ہجرت کر کے مدینے کی اسلامی ریاست کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہودی اپنے کیلنڈر کا آغاز ۳۶۱ ق م سے کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سال ہماری زمین کو پیدا کیا۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے لیکن جدید محققین کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس سے چند سال پیشتر پیدا ہوئے تھے۔

علمی دنیا میں سن عیسوی گویا مسلم کیلنڈر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کو مرکزی نقطہ قرار دیا گیا ہے۔ جو اس کے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ انہیں انہی طرح شمار کیا جاتا ہے لیکن جو واقعات اس سے پیشتر ہوئے ہیں ان کے وقت کا فاصلہ بھی پیدائش سے نہیں ناپا جاتا ہے۔ اسے ق م یا قبل مسیح کہا جاتا ہے مثلاً یوں ہی مصر، مشرق وسطیٰ، بادشاہ، جس نے انگلستان کو فتح کیا تھا، نے ۴۶ ق م میں، موجودہ کیلنڈر ترتیب دیا تھا تو گویا یہ واقعہ آج سے دو ہزار چودہ سال پہلے کا ہے یا مصر کا سب سے بڑا ہرم فرعون خوفونے ۲۵۲۰ ق م میں تعمیر کروایا تو یہ آج سے چار ہزار چھ سو اٹھاسی سال پہلے کی بات ہے۔

غالباً اہل باال پہلی قوم ہے جس نے دنیا میں پہلا کیلنڈر تیار کیا۔ پیشتر قوموں اور قبیلوں کی طرح انہوں نے چاند کی مکمل گردش (۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۲ منٹ) اور ہلال کیلنڈر کو اپنا مذہبی قرار دیا جو کبھی انتیس روز کا ہوتا تو کبھی تیس کا ہوا۔ بارہ مہینے ۳۵ دنوں میں تمام ہو جاتے۔ موسمی سال اس سے گیارہ روز بڑا اختلاف باہل کی، اپنے زمانے کے مطابق سب سے بڑی اصلاح یہ تھی کہ وہ موسمی سال سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے ہر چوتھے سال میں ایک چاند یعنی مہینے کا اضافہ کر دیتے۔ یہودی اور مسلمان اپنے مذہبی ہزاروں کے لیے قمری تقویم پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن یہودی بالخصوص سے ذرا ملتے جلتے لیکن بہتر طریقے سے قمری اور شمسی سال

آرہا ہے بلکہ وہ عکس کی تسخیر کے لیے پہلا قدم بھی اٹھا چکا ہے۔ وقت کی عظیم کم کے لیے سورج چاند اور ستاروں نے ہمیشہ انسان کی مدد کی ہے۔ زمانہ قدیم کا انسان سورج کے طلوع اور غروب کو دیکھنا چاند کے چلنے پڑھنے کا مشاہدہ کرنا ستاروں میں سے مخصوص ستاروں کو طویل عرصے میں سمت تبدیل کرتے دیکھنا تو حیران اور متعجب رہ جاتا تھا ان میں سے سمجھدار لوگوں نے اپنے سالوں کے تجزیوں سے چند چیزیں نوٹ کیں انہیں معلوم ہوا کہ بے بی کی آمد سے پہلے نو چاند طلوع ہوتے ہیں، بارہ چاند بیت بائیں تو دس چاند بائیں دیکھا ہو جاتا ہے۔ شمالی امریکہ کے قدیم باشندے غدا اس وقت بونے جب شاہ بلوط کے پھول گلہری کے کان کے برابر ہو جاتے۔ یونانی شاعر HASOID نے لکھا ہے کہ کرب یونان کے ایک خاص درخت پر گھونگھے ہو جاتے تو ان لوگوں کی بیلوں کی ٹلائی نہیں کرنی چاہیے۔ قدیم چین جب کسی بچے کی عمر بتانا چاہتے تو وہ یوں کہتے "اس نے دس ہفتا بیل دیکھی ہیں" قدیم زمانے کے لوگ زیادہ تر اس بات کو جاننے کے لیے کردہ اپنے دوسرے سماعتیوں سے نہیں چھوڑتے ہیں یا بڑے، سالوں کو یاد رکھتے تھے اور سالوں کو ان کے خاص واقعات مثلاً وبا، جانوروں کی ملک بیماری، طاعون، جنگ، ہجرت، غیر معمولی طوفان یا بد فہاری سے یاد رکھتے تھے۔ عرب میں سن ہجری سے پہلے اصحاب نبی کے واقعات سے سال گئے جاتے تھے۔

کیلنڈر بنانے والوں نے ہمیشہ اہم واقعات یا داستانوں یا پیغمبروں کی زندگیوں کو نقطہ آغاز قرار دیا ہے، یونانی سالوں کی کتنی پہلے اولمپک مقابلوں سے شروع کرتے تھے جو ۷۷۶ ق م میں منعقد ہوئے۔ رومی اپنی تقویم ۷۵۳ سے، جب شہر روم کی بنیاد رکھی گئی تھی، شروع کرتے ہیں۔ ہمارے سن ہجری کا آغاز ۶۲۲ عیسوی سے ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

گو برابر رکھتے ہیں۔ یہودی ہر اسی سال میں سات دفعہ تیرہ چاند کا سال مانتے ہیں۔ یہودیوں کے دن کا آغاز بجی، بحری تقویم کی طرح غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔

قدیم مصریوں کے عالم علم نجوم کے ضرور ماہر ہوتے تھے۔ انہوں نے اہل بابل سے کیلنڈر اخذ کیا۔ اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر اس میں نہایت عمدہ ترامیم کیں۔ جن سے وہ بہت صحیح حد تک موسمی سال کے مطابق ہو گیا۔ جولیس سیزر نے ۴۶ ق م میں، ایک مصری عالم کے مشورے سے، ۳۶۵ دنوں کے سال کو اپنایا اور ہر چار سال بعد لیپ کا سال رکھا جس کی ضروری ۲۸ کی بجائے ۲۹ دن کی تھی تاہم یہ کیلنڈر بالکل صحیح سمجھ لیا گیا اسی بادشاہ کے نام پر ایک مہینے کا نام جولائی اور اس کے مہاشین انگلش کے نام پر دوسرے مہینے کا نام اگست رکھا گیا۔

لیکن سورج کے گرد زمین کی سالانہ گردش ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ میں پوری ہوتی ہے اب جو بڑھوتی ہو جاتی ہے اسے دور کرنے کے لیے ہر صدی کے آخری سال کو لیپ کی بجائے عام سال قرار دیا جاتا ہے لیکن اس غلطی کا احساس سب کو سولہویں صدی عیسوی میں آکر ہوا اس زمانے میں موجودہ کیلنڈر کے بانی نے اپنا نظریہ پیش کیا۔ شخص نینڈ کا ایک ماہر نجوم عالم اور طبیب تھا لیکن اس کی تفصیلات بیلرینس نے طے کیں جس نے اپنا مقالہ آٹھ سو معائنات پر رقم کر کے ۱۶۰۳ میں شائع کیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس سارے قصے کے باوجود موجودہ کیلنڈر تیرہویں یوگ لری کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے ۱۵ اکتوبر ۱۵۸۲ کو اس کی اصلاح کی تھی اور آئندہ کے لیے یہ اصول طے پایا کہ صدی کا آخری سال لیپ کی بجائے ۳۶۵ دن کا عام سال ہو گا اس سے سال چھرٹھواں سا کم ہو گیا اس کی کو پورا کرنے کے لیے ہر چوتھی صدی کے آخری

سال کو پھر لیپ کا سال بنا دیا گیا۔

گویا ۲۰۰۰ کی ضروری ۲۹ دن کی ہوگی۔

لیکن کیا یہ کیلنڈر درست ہو گیا؟ نہیں ایک باریک سی کسر سمجھ بھی باقی رہ گئی۔ اگر چوتھی صدی کے آخری سال کو لیپ کا سال بنا دیا جائے تو چار ہزار سال میں ایک دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس فرق کو دور کرنے کے لیے ہر اس سال کو چار ہزار پر پورا تقسیم ہو سکے (۴۰۰۰، ۸۰۰۰، ۱۲۰۰۰، ۱۶۰۰۰، ۲۰۰۰۰) پھر عام سال گردانا جائے گا گویا ۳۶۵ دن کا سال اور ضروری کا مہینہ ۲۸ دن کا شمار ہو گا بھی تک تو ایسا چار ہزاری سال کوئی نہیں آتا اور اس قسم کے پہلے سال کو چار ہزار پر پورا تقسیم ہو دیکھنے کے لیے کون زندہ رہے گا۔ ۵ کون جیتا ہے تری زلفت کے سر ہونے تک۔

۱۱ فروری ۱۷۳۳

یہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی تائید پائی ہے۔ اٹھارہویں صدی کی کتابوں اور دستاویزات میں آپ اسے اسی طرح لکھا ہوا پائیں گے۔ دراصل اس سے دو تاریخیں مراد ہیں گیارہ فروری ۱۷۳۱ اور ۲۲ فروری ۱۷۳۲ ظاہر ہے کہ صدر واشنگٹن دوم مرتبہ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یہ تاریخوں کا فرق جدید اور قدیم تقویم ساتھ ساتھ لکھنے سے پیدا ہوا۔ کیٹریل انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔

۱۰ انگلستان میں ۱۷۵۲ء سے پہلے سال کا آغاز ۲۵

مارچ سے ہوتا تھا لیکن پھر نچم جنوری سے ہی سال کا آغاز ہونے لگا۔ کچھ توں میں سال کا

پہلا دن ۲۵ ستمبر (حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت)

منا یا جاتا رہا ہے۔ اس تبدیلی سے اٹھارہویں

صدی کی دستاویزات کی تاریخ تشریح ہو سکتی

ہے جن میں جدید و قدیم تاریخیں ساتھ ساتھ دی

ہوتی ہیں مثلاً امریکی نوآباد کاروں نے ریاست

اور اس دن کو عبادت کے لیے مخصوص کرنے کا حکم ملا۔ عیسائیوں نے انوار کو عبادت اور چھٹی کے لیے مخصوص کیا مسلمانوں کو اذان جمعہ سن کر نماز کے لیے جمع ہونے کا حکم ہے اور اکثر مسلم ممالک میں اسی روز دفتروں، اداروں، اور درسگاہوں میں چھٹی ہوتی ہے۔ غالباً متمدن قوموں نے اسی طرح ہفتے کے سات دنوں کا پیکر شروع کیا۔

گھڑیوں کا استعمال اور دن کو چوبیس گھنٹوں میں تقسیم کرنا تو دو جدید کی بات ہے۔ اس سے پہلے لوگ وقت کے اظہار کے لیے دن کو آٹھ پہروں میں تقسیم کرتے تھے۔ مسلمان نماز کے ناموں سے اوقات بتانے میں مدد لیتے تھے اور اب تک آپ کچھ لوگوں کو یوں کہتے نہیں گے "میں آپ کے پاس چائے کے لیے عصر کے وقت حاضر ہوجاؤں گا۔ اردو ادب میں آپ صبح کا ذبا صبح صادق، مرغ افانیں وے رہے تھے۔ طلوع آفتاب، دن چڑھے، سایہ ڈھلے، سپر شام چھپنا اور رات بھیلنا پڑھتے رہتے ہیں۔ بڑے بوڑھوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہوگا "جب سورج ایک منزل چڑھ آیا۔ جب سورج سوایزے پر آئے گا۔ پہاڑوں کے دامن میں رہنے والے لوگ عام طور پر چوٹی کے سائے سے وقت کا اظہار کرتے ہیں۔

ادھر کچھ برسوں سے عالمی کیلنڈر کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے اور شاید مستقبل قریب میں اس کے لیے حالات سازگار ہوجائیں مختلف تحقیق نے اپنی تجاویز پیش کی ہیں بہر حال اس پر سب کو اتفاق ہے کہ موجودہ کیلنڈر کی اصلاح ضروری ہے جس کے کچھ مہینے ۳۱ روز کے ہیں اور کچھ ۳۰ روز کے اسی طرح فروری کبھی ۲۸ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ دن کا۔ ایک تجویز یہ ہے کہ سال کو چار برابر سہ ماہیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہر سہ ماہی انوار سے شروع ہو کر ہفتہ (سینچ وار) پر ختم ہوگی اس سے عیسائی دنیا کو یہ فائدہ پہنچے گا کہ ان کے اکثر مذہبی ہتھیار

پلائی ماؤتھ میں تعمیری کام کا آغاز ۲۵ ستمبر ۱۹۲۰ء سے کیا حالانکہ جدید کیلنڈر کے مطابق یہ تاریخ ۴ جنوری ۱۹۲۱ء تھی۔

ہفتے کے سات دنوں کی تقسیم بہت قدیم سے چلی آتی ہے۔ رہ جانے اس کا آغاز کس نے کیا ہا بریں علم معاشرت کا خیال ہے کہ اس کا استعمال غیر مشوری طور پر ہوا۔ قدیم چھوٹی چھوٹی لہنتیوں کے درمیان کسی مرکزی مقام پر، ہر ساتویں دن ایک میلہ لگتا تھا جہاں دستکار ہنرمند اپنی بنی ہوئی چیزیں لاتے۔ اناج اور جانور بیچنے والے اور خریدنے والے بیچ جاتے۔ اب بھی نیم متمدن علاقوں میں اسی قسم کی ہفتہ وار منڈیاں لگتی ہیں۔ پھر کچھ قوموں نے منڈی کے دن کی لازمی چھٹی کرنی شروع کر دی۔ یہودیوں کو سبت (سینچر وار یا ہفتہ) کی چھٹی کرنے

### مغرب کے جدید ترین طریقہ تشخیص سے استفادہ کیجئے

آپ صحت مند و خوش صورت انسان بن سکتے ہیں

آپ خدا کا خواست بہا رہوں گا اگر آپ کو صحت مند و خوش صورت بننے میں تو آپ کو چاہیے کہ فوراً ہمارے کلینک میں شریک ہو کر فرانس کے جدید ترین سائنٹفک طریق تشخیص ریڈیو تحقیقات سے فائدہ اٹھائیں اگر آپ لاہور سے باہر ہیں تو بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کریں ریڈیو تحقیقات نہایت اعلیٰ قابل اعتماد اور سائنٹفک طرز تشخیص ہے اور اس کے علاج کا ہمیں سالانہ تجربہ ہے ہم نے ہوشیار پور دہلائی سینے کی بیماریاں معدہ، جگر گردہ مثانہ کے عوارض کا ہمارے لائسنس شدہ میڈیسنیٹس علاج کیا جا رہا ہے۔ تجربہ مند اور اعلیٰ رتبہ کی کمزوریوں اور بیماریوں کے علاج میں ہم خاص بہارت رکھتے ہیں دراصل اعضائے رتبہ کی صحت میں خوبصورتی کا راز مضمر ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالسلام، میڈیسن پتھری ڈاکٹر نادر حسن، میڈیسن پتھری۔  
F-4 بین روڈ (ریلیٹ پلرک)، بین روڈ، میٹروپولیٹن لاہور۔

عمر خیام جس کے بارے میں اہل مغرب کا یہ خیال ہے کہ وہ صرف رباعیات کہنے والا ایک آزاد خیال مسلمان شاعر تھا، پانچویں صدی ہجری کا ایک ممتاز سمیت دان اور طبیب بھی تھا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے اصفہان میں ایک رصد گاہ قائم کی تھی جس میں عمر خیام دیگر محققین کے ہمراہ کام کرتا تھا۔ خیام کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ ایران کے قدیم کیلنڈر کی اصلاح کرے۔ خیام کا تجویز کر دہ کیلنڈر مذکورہ بالا عالمی کیلنڈر سے بہت حد تک مشابہ تھا اس کے سال میں بارہ مہینے اور ہر مہینے میں تیس روز تھے جنہیں پانچ بھرتی کے دنوں سے شمسی سال بنادیا گیا تھا اس کا نام "زنج جلالی" رکھا گیا تھا جس کا آغاز دس رمضان المبارک ۱۱۴۵ء سے گویا ۱۶ مارچ ۱۰۶۹ء سے ہوا۔ سائنس کا ارتقا "نامی کتاب میں لکھا ہے۔" یہ کیلنڈر عمر خیام کے حسن جلال الدین ملک شاہ کے نام کی رعایت سے التاریخ الجلالی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ کیلنڈر گریگی کے کیلنڈر سے زیادہ صحیح ہے۔ گریگی کے کیلنڈر میں تین ہزار تین سو تیس برس کے بعد ایک دن کا مغالطہ پایا جاتا ہے مگر خیام کے کیلنڈر میں پانچ ہزار برسوں کے بعد ایک دن کا مغالطہ ہے۔"

یانوسرمہ ماہی کے آغاز میں یا آخر میں آجاتی ہیں۔ اس طرح سال کے بارہ مہینے بارہ ہی رہ جاتیں گے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے تیرہ مہینوں کا سال تجویز کیا ہے لیکن اس میں موجودہ کیلنڈر میں اتنی زیادہ تبدیلیاں کرنی ہوں گی کہ لوگ اسے آسانی سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

عالمی کیلنڈر کے لیے یہ تجویز زیادہ قربان قیاس ہے کہ سال کے بارہ مہینے ہوں اور ہر مہینے کے تیس دن ہوں۔ سال کے فالتو پانچ یا چھ دن مکمل چھٹی کے دن ہوں اور کسی گنتی میں نہ آئیں۔ تمدن کے ارتقا کے ساتھ ساتھ ہمارے اوقات کار کم ہوتے جاتے ہیں۔ امریکہ اور کچھ دوسرے ممالک متنی کہ ہمارے ہاں کچھ اداروں میں بھی ہفتے میں دو روز چھٹی ہوتی ہے۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ سال کے آخر میں پانچ چھ روز کے عالمی جن کی چھٹی ممکنات میں سے ہے اس سے مہینے برابر ہو جائیں گے۔ دفتروں میں ریڈیو ریکارڈ رکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور ہر دو مہینے بعد آپ کو اپنی کیلنڈر واضح کی ایک تاریخ بڑھانی نہیں پڑے گی تاہم مسلمانوں کو اپنے ستہوار اور رمضان کے روزے رکھنے کے لیے قمری تقویم بھی ساتھ ساتھ رکھنی ہوگی یہ عالمی کیلنڈر ہمارے صرف غیر مذہبی امور کے لیے ہوگا۔

## ناکارہ موڑوں کا قبرستان

موڑوں کی بڑھتی ہوتی تعداد سے بڑے شہروں میں نہ صرف پارکنگ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے بلکہ ناکارہ موڑوں کو ٹھکانے لگانے کا سوال بھی بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ مغربی برطانیہ کے شہر جمہیر برگ میں موڑوں کا قبرستان کھلا ہے جس کا مالک کسی زمانہ میں بحریہ میں انجنیر تھا۔ ٹوٹی چھوٹی اور ناکارہ موڑوں کے مالک یہاں آتے ہیں اور موڑوں کو قبرستان میں چھوڑ کر اور گویا ایک بڑی مصیبت سے جان بچھڑا کر بھاگ نکلتے ہیں۔ بعد میں قبرستان کا مالک "متوفیہ" کے قابل مرمت پڑے چیک کر کے اور باقی خیمبر کو رہے میں ڈھال کر بیچ لیتا ہے۔ (اخبارِ خواستین) سہیلے ممتاز، ڈیرہ ناز علی خاں۔

صرف قارئین.....

## سیارہ ڈائجسٹ

ایک خصوصی پیش کش

وہ چند کتابیں جن کے کسی ایڈیشن شائع ہونے کا سانس کے بادبو  
میں نایاب تھیں اب محدود تعداد میں دستیاب ہیں ان کتابوں کے بیز  
آپ کی لائبریری ادھوری اور مطالعہ نامکمل ہے۔  
منگوانے کے لیے نیچے دیا ہوا کوپن پر کر کے بھیج دیجئے  
مطلوبہ کتب بذریعہ دی پٹی ارسال کر دی جائیں گی  
ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

### سٹوری آف پی۔ آئی۔ ایف میوز (انگریزی)

جنگ تہر پہلی اور وادہ مستند کتاب ہے سکواڈرن لیڈر محمد افضل نے شاہباؤں سے  
مل کر ان ہی کے الفاظ میں لکھا۔ روایتی کھڑے کر دینے والے فضائی سر کے۔ اپنے  
شاہباؤں کے ولولہ انگیز کاردانے طیاروں کے کیروں کی زبانی پہلی بار پیش  
کیے جا رہے ہیں۔ قیمت : ۶/۷ روپے

### بی۔ آر بی بہتی رہے گی

— ایک جنگل ناول —

جس کی ————— ہزاروں  
کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔

مصنعت، عثمانیت اللہ قیمت : ۴/۷ روپے

### پاک فضائیت کے شاہین (اردو)

یہ کتاب بھی ہمارے شاہباؤں کے کارناموں پر مشتمل ہے جسے سیارہ ڈائجسٹ  
کے سچی و قانع نگار عثمانیت اللہ نے اردو میں پیش کیا ہے۔ پاک فضائیت  
کے شاہین، جنگ تہر کے فضائی تمکوں کی مکمل تاریخ ہے جس کے مطالعے سے آپ کا  
ہیڈ بہل و محیرہ نازہ ہو جائے گا۔ ۶۰ تصاویر سے مزین اس کتاب نے تیسرا مارشل  
نور جٹان سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ قیمت : ۶/۷ روپے

### ”اُلجھے راستے“

اُردو کا ایک بہترین ناول  
عثمانیت اللہ کی حقیقت نگاری کا  
ایک نادر نمونہ

صفحات : ۲۱۸ قیمت : ۵/۷ روپے

### ”زندہ نئے“

ایک سو چار ملی تراژوں کا مجموعہ

دسی نئے ۶ ستمبر کی صبح کو توپوں

کی گرج اور بارود کے دھوئیں سے

اٹھائے تھے صفحات ۱۹۰ قیمت : ۳/۷ روپے

### ”سیارہ ڈائجسٹ“ کی جلدیں

اگر آپ مطالعہ کے سیارہ ڈائجسٹ کے ۱۲ شمارے نہیں پڑھ سکے ہیں تو یقیناً جانچئے  
ایک سیش بہاول واوب کے نر بیٹے سے خرم رہ گئے ہیں۔ شمارے کے ۱۲ شمارے  
دو جلدوں میں پکی کیے گئے ہیں پہلی جلد نمبری تا جون اور دوسری جولائی تا دسمبر کے  
شماروں پر مشتمل ہے۔ نمبر صورت اور مضبوط جلد بندی۔

قیمت فی جلد : ۶/۷ روپے

### آرڈر کوپن

مجھے درج ذیل کتابیں بذریعہ  
دی پٹی ارسال کر دیجئے  
مطلوبہ کتابیں

منبر صاحب  
پیراگرافرز سبکدوش انجمنی  
۳۔ بونس روڈ، گراچی

نام  
پتہ

### ”دلیں بدلیں“

ملک کے نامور مصنف جی۔ الان نے  
اپنے سفر امریکہ کے حالات نہایت  
چمکاپ انداز میں بیان کیے ہیں۔

صفحات : ۳۱۲ قیمت : ۳۰/۵۰ روپے

جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو پاکستانی  
خاتون عترمہ رضوانہ حامد افغانستان کے شہر کابل  
میں تھیں۔ انہوں نے کابل کے رہنے والے افغانیوں  
کے تاثرات قلم بند کیے ہیں۔

## جنگِ ستمبر

# کابل میں

۱۹۴۷ء کے مسلمانوں کے قتل عام میں کتنی مریوں کی  
صحتیں لٹیں، کتنے شیخواریچوں کو نيزوں پر اچھا لایا گیا، کتنے  
بزرگوں کو بیدردی سے قتل کیا گیا، کتنی مقدس ماؤں کو  
سرعام برہنہ کیا گیا اور کتنے آباد گھرانے کھنڈروں میں تبدیل  
کیے گئے۔ یہ سب میں نے نہیں دیکھا، صرف پڑھا اور سنا  
ہے۔ ۱۹۷۵ء کی پاک بھارت جنگ بھی میں نے نہیں دیکھی  
اس کے بارے میں بھی صرف پڑھا اور سنا ہے لیکن معلوم  
نہیں وہ کون سی چیز ہے، روح کا وہ کون سا جذبہ ہے؟  
کا وہ کون سا گوشہ ہے جو مجھے یہ محسوس کرتا ہے کہ ستمبر ۱۹۷۵ء  
کی جنگ میری نظروں کے سامنے ہوئی تھی میجر عزیز بھٹانی  
سکواڈرن لیڈر رفیع، فلائٹ لیفٹیننٹ یونس، بریگیڈیئر  
شامی اور اپنے مرہب ایک جوان کو سرزمینِ پاکستان کے لیے جہاد  
کرتے ہتھکڑی ہوئے اور ان کے مقدس لہو کی لالی کو وطن کی  
دھرتی میں جذب ہوتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا  
ہے۔ میں میدانِ جنگ سے کسوں دور تھی سول کی نگاہوں  
سے میں نے سب کچھ دیکھا ہے۔ وطن کی طرف سے آنے  
والی ہواؤں میں میں نے اپنے پیارے شہیدوں کے لہو کی  
نوشہو محسوس کی ہے۔ پاک سرزمین کی طرف سے آنے  
والے بادلوں میں میں نے اپنے مجاہدوں کے مسکراتے  
چہرے دیکھے ہیں۔ اگر میں نہ دیکھتی تو اپنے پیاروں کی شہادت  
پر ہلک نہ پڑتی، اپنے جوانوں کے کارناموں پر خوشی سے  
دلیلائی نہ ہو جاتی۔ اگر میں اپنے جذبات کے اظہار کا ڈھنگ  
جانتی تو جنگِ ستمبر پر اپنے ہی تاثرات لکھتی۔ پر شاید اپنے  
کسی بھی جذبے کا اظہار قلم کے ذریعے کرنا میرے لیے  
بہت ہی مشکل ہے البتہ میاں کے لوگوں کے تاثرات ضرور  
لکھوں گی جنہیں سن کر روح کو تقویت اور ذہن کو مضبوطی  
کا احساس ہوا۔

کچھ دن ہوئے ایک افغانی ڈاکٹر صاحب سے

— رضوانہ حامد (کابل)

”مجھے یقین ہے کہ سبھی تاثر تمام افغان قوم کا ہے۔ انہوں نے پُر اعتماد دلچسپی میں جواب دیا اور کہنے لگے: ”اگر پاکستان بھلا کو اتنی بری طرح شکست نہ دیتا تو عربوں کی شکست مسلمانوں کو چیلنج کرنا ہی میں ڈوبنے کے لیے کافی تھی۔“ پاکستانیوں نے عالم اسلام کی لاج کھلی ہے۔“

اپنے پیارے پاکستان کے بارے میں افغان ڈاکٹر کے اتنے اچھے تاثرات سن کر جب میں گھر آئی تو تمام رات مجھے اپنے مجاہدوں اور شہیدوں کے کارنامے ایک ایک کر کے یاد آتے رہے۔ میرا دل ان کی عظمت کو اپنی گمراہیوں میں سموتا رہا اور ذہن ماضی کے اس ستمبر میں بھٹکنے لگا جو پاکستان کے لیے زبردست امتحان لے کر آیا تھا۔

”چھب فٹ ہو چکا ہے جڑیاں پر ہمارا قبضہ ہے۔“ پاکستان ریڈیو کی اس خبر سے تمام پاکستانی قدرتی طور پر مسرور تھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے ہی رہے تھے۔ کرنی، بی، سی کی اس منحوس خبر نے کبھارت نے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے، افغانستان میں مقیم تمام پاکستانیوں کی روجوں تھک کو زور دیا۔ ہر شخص ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ کسی بھی پاکستانی کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا۔ لیکن کیا بی، سی جیسے ذمہ دار ریڈیو کی خبریں غلط ہو سکتی ہیں؟ یہ بھی یقین کرنے والی بات نہ تھی۔ دہشتی اور قلبی کشمکش میں مبتلا پاکستانیوں کے لیے ایسی خبر کی تردید نہ ہونے تک کے لمحات بڑے اذیت ناک تھے۔ پتھر چھوٹی ثابت ہونے پر بی، سی ریڈیو کا وقار اور اعتماد کم از کم ہر پاکستانی کے دل سے اڑ گیا تھا۔ پاکستان پر بھارت کے حملے کی خبر اور صدر پاکستان کی پہلی اردو تقریر میں معلوم نہیں کیا اثر تھا کہ دارغیر میں رہنے والے پاکستانیوں کی زندگی میں جیسے ایک انقلاب آ گیا ہو۔ اب پہلے کی طرح کوئی پاکستانی اپنے کو بنگالی، پنجابی یا پٹھان نہیں سمجھتا تھا۔ اب سب ایک

ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں عربوں کی شکست کا ذکر آ گیا۔ وہ بتا رہے تھے کہ عربوں کی شکست کے کیا اسباب تھے، انہیں کیا کرنا چاہیے تھا اور انہوں نے کیا کیا — بولے ”عربوں نے تو مسلمانوں کے وفادار کوئی میں ملا دیا۔“ ڈاکٹر صاحب بہت علم و غصے میں تھے اور ان کا سرخ و سفید چہرہ اور زیادہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے رکے تو میں نے موقع مناسب سمجھتے ہوئے ان سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب، پاک بھارت جنگ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ہمیں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب کا چہرہ پُر سکون ہو گیا اور ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی پھر انہوں نے کہا:

”شاہد اش ہے پاکستانی قوم پر ہندوستان سے پاکستان کی جنگ، جنگ کے میدان میں پاک افواج کے کارنامے اور پھر فتح یابی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فائز ہو کر دے جائے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس جنگ کو کبھی بھلا نہ پاتے گی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جنگ ایک ناہنجی اور چوہے کی جنگ تھی — چوہے کا تھپی سے مقابلہ بظاہر ایک امنونی مات تھی لیکن نیتاً دیکھ لیا کہ چوہے نے ہاتھی کو شکست دے دی اور زبردست شکست دی۔“

ڈاکٹر صاحب کی اس مثال پر مجھے ہنسنی آگئی اور میں نے کہا: ”ڈاکٹر صاحب چوہا تو بزدلوں کی صف میں آتا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”میں نے ہاتھی اور چوہے کی مثال صرف طاقت کے لحاظ سے دی ہے۔ بھارت کی فوجی طاقت ہاتھی جتنی اور پاکستان کی چوہے جتنی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا: ڈاکٹر صاحب یہ تاثر صرف آپ کا ہے یا تمام افغان قوم کا؟“



جنگ کے دوران بھارتی ہندوؤں پر جویتی مسوبیتی، کابل میں مقیم بھارتیوں کی گزریں بھی شرم سے جھکی ہوئی تھیں کوئی ہندو نظر ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ بہت کم ہندو عورتیں باہر نکلا کرتی تھیں۔ شاید انہیں یہ احساس تھا کہ افغان لاکھ ان کے دوست سہی لیکن میں تو مسلمان۔ کیا پتہ کوئی ان کی توہین کر بیٹھے لیکن وہ بھول رہی تھیں کہ مسلمانوں نے ماضی حال میں کبھی بھی کسی بھی حالت میں کسی عورت کی توہین نہیں کی۔

مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ وہ نومبر کی شام تھی یا دس ستمبر کی، اتنا ہی یاد ہے کہ اس شام ہمارے ہاں ایک اعلیٰ خاندان کی خاتم آئی ہوئی تھیں ان کے الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ انہوں نے جنگِ ستمبر کے بارے میں اپنے تاثر کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا: ”پاک افواج کی کامیابی پر مبارکباد قبول کیجئے میں نہیں جانتی تھی کہ پاکستانی قوم اتنی بہادر ہوگی۔ پہلے میرا خیال تھا کہ افغان قوم سے زیادہ دلیر اور جری قوم شاید کوئی نہیں ہے لیکن اب مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ مرہ قوم بہادر ہوتی ہے جس کے دل میں اپنے مقصد کے حصول کی لگن اور وطن کی محبت ہو۔“

خاتم کے ساتھ مجھے بڑھے افغانی بابا کا بھی خیال آ رہا ہے جو ہمارے ہاشیچے کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ جنگ کا دوسرا دن تھا۔ میں بڑے انہماک سے خبریں سن رہی تھی کہ بابا پودوں کے متعلق کچھ پوچھتے آئے۔ یہیں خبروں کے وقت اس کی مداخلت بہت ہی ناگوار گذری میں نے بڑی درشتی سے جواب دیا کہ گولی مارو ان پودوں کو، مجھے اپنے وطن کے پھولوں کی فخر ہے۔ وہ سن کر کہنے لگا کہ میں نے بھی سنا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ

تھی، سب پاکستانی تھے۔ سب کی دعا میں ایک اور ہتھیار تھیں۔ اور آرزو میں ایک جیسی تھیں۔ پاکستان کی فتح و کامیابی کے لیے ہر کوئی سر بسجود تھا، اور کبھی کے ماتھے دعا کے لیے ایک جیسے اٹھے ہوئے تھے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے؟ کس کس کا نام لیا جائے؟ پاکستانیت کا جذبہ پاکستانی سفارت خانے میں کام کرنے والے اعلیٰ افسروں کے دلوں میں بھی تھا اور وہی جذبہ عام عملے کے دلوں میں بھی موجزن تھا کیونکہ تھیں کادل پاکستان کی سلامتی کے لیے تڑپ نہیں رہا تھا۔ ہر کسی کا دل:

ہاں میں ان پاکستانی بچوں کا ذکر خصوصیت سے کروں گی جن کے معصوم دلوں میں معلوم نہیں یہ بات کس طرح اتر گئی تھی کہ ان کے پیارے وطن پر بھارت نے حملہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کے اس جارحانہ حملے نے ان کے ناپختہ ذہنوں کو بڑوں کی طرح متاثر کیا تھا۔ انہیں ہر ہندو سے نفرت ہو گئی تھی۔ یہ نفرت تو ہر پاکستانی کے دل میں تھی لیکن اس کا اظہار کوئی ہندوؤں کے سامنے نہیں کرنا تھا یا انہیں کر سکتا تھا (سفر کی ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی) مگر خدا بھلا کرے ہمارے ننھے غمے پاکستانیوں کا جو بر ملا اور کھلے لفظوں میں راہ چلتے ہندوؤں کے سامنے جا کر پاکستانی فوج کے کارنامے سناتے تھے اور انہیں ان کی بزدلی کے طعنے دیتے تھے۔ میں یقین کے ساتھ لکھ سکتی ہوں کہ ایسا کرنے کے لیے انہیں کسی نے آسایا یا انہیں تھا بلکہ وہ تو منع کرنے کے باوجود بھارتیوں کے لیے وبال جان بن گئے تھے۔

مجھے اپنے ملنے والے افغان گھرانے کی ایک دو سالہ بچی یاد آ رہی ہے جو ہر ہندو کو دیکھ کر کہتی تھی ”لالہ جی بہت گئے“ ایسے ہی ایک چار سالہ افغان بچہ تھا جو ہندو کو دیکھ کر بڑے ترغم سے گاتا تھا ”لالہ جی جان دہیو“ اس



ہو گئی ہے لیکن یہ جنگ کیوں ہوئی ہے؟ وہ جنگ کے بارے میں شاید اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا میں نے اسے جنگ کی پوری تفصیل سنائی تو اس کی آنکھیں پُر غم ہو گئیں اور اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ دوسرے لمحے اس کے فہر یوں بھرے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہا تھا جس کا یہ آخری جملہ ہی سن سکی۔  
خداوند! پاکستان کو فتح یا ب کئی؟

افغانی دھوبی جو پاکستانیوں کے کپڑے دھوتا ہے تمہری سلوٹاریخ کو ہمارے کپڑے لے کر آیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: تم پاک و ہند جنگ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ اس نے بغیر توقف کے کہا: میں اس جنگ کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں یہ کفر و اسلام کی جنگ ہے خدا بھارت کو خوار کرے۔ اس نے پاکستان پر حملہ کیا ہے۔ اس کا انجیر ایک دم سے بدل گیا اور وہ بہت ادا اس ہو کر بولا۔ "مگر خوامر جان یہ بہت برا تو کہ بھارت نے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے۔" میں نے اسے یہ سمجھا یا کہ یہ بالکل بے بنیاد اور جھوٹی خبر تھی اور اسے تفصیل سے سب کچھ بتایا اور کہا کہ تم یہ خیال اپنے دل سے بالکل نکال دو۔

وہ میری باتوں سے مطمئن ہو گیا۔ کہنے لگا: "سوچ رہا، خواہر جان، میں ہر نماز میں پاکستان کی فتح کی دعائیں مانگتا ہوں۔" شش ماہ کہ کہ میں جلدی سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ مہمانوں کی طرف بھاگی میرا خیال تھک و والد صاحب کے کوئی دوست ہوں گے لیکن میری افغان دوست اور اس کی چند ہم جماعت لڑکیاں تھیں۔ رسمی باتوں کے بعد میری دوست کہنے لگی: "مجھے بہت افسوس ہے کہ بھارت اور پاکستان میں جنگ ہو گئی ہے۔"

"لیکن اس میں افسوس کی کیا بات ہے؟ میں خوش ہوں کہ کم از کم تم لوگوں کو پتہ تو چل گیا کہ ہم پاکستانی لوگ

کتنے بہادر ہیں؟ یہ بات میں نے صرف اس لیے کہی تھی کہ یہ دہی دوست تھی جو اکبر احمد شاہ ابدالی محمود غزنوی اور دوسرے بہت سارے افغان جنریلوں کا ذکر کرتے ہوئے میری نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا تھا کہ کیا تمہارے پاکستان میں بھی ایسے بہادر لوگ ہوتے ہیں؟ کیوں نہیں؟ میں اسے سید احمد شہید اور اسماعیل شہید کی بہادری کی داستان سنائی تو وہ مقہور مار کر سنس پڑی اور کہتی: "وہ تو ہندوستانی لوگ تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کی بات کرو۔" میں اس سے کہتی تھی کہ کیا تادم اعظم محمد علی جناح سے بڑھ کر بھی کوئی فاتح ہو سکتا ہے؟ جنہوں نے مزاروں مخالفین کے باوجود ہمارے لیے ایک وطن پاکستان بنادیا۔ جہاں ہم آزادی اور بے فحری کی زندگی گزارتے ہیں۔" میرے اس جواب پر بھی وہ اکثر مجھے جتا یا کرتی تھی کہ افغان قوم سے زیادہ کوئی قوم بہادر نہیں ہے اور آج میں اسے اپنے وطن کے جانبازوں کی بہادری کی باتیں سناتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ وہ خاموش تھی اس نے میری بات نہیں کاٹی تھی اور بڑی خاموشی سے پاک فوج کے نقشے سن رہی تھی۔ اور میں نے محسوس کر لیا کہ اس نے آج پاکستانیوں کو بہادری کا اعتراف کر ہی لیا ہے۔

وہ شاید تیرہ ممبر کی شام تھی۔ میں کچھ خریدنے بازار گئی جوں ہی میں دکان میں داخل ہوئی میرے کانوں سے یہ نغمہ ٹکرایا۔ "جنگ کھینٹیں ہونڈی زانائیاں دی۔" ایک سردار جی بڑے اتھاک سے ریڈیو سننے میں مشغول تھے۔ دیہات کپڑے کی زیادہ تر دوکانیں کھولیں کہیں مجھ پر نگاہ پڑتے ہی انہوں نے ریڈیو بند کر دیا۔

"بند کیوں کر دیا سردار جی؟" "بس یوں ہی؟" اس نے جواب دیا۔ میں اگرچہ ریڈیو بند کرنے کی وجہ پہلے ہی سمجھ گئی تھی

— اور تم دیکھو گے کہ وہ دن دور نہیں جب کشمیر بھارت کے پنج غلامی سے آزاد ہوگا۔

دوکاندار باب میری ماں میں ماں ملاتے لگا تھا اور کہنے لگا خدا کرے کہ کشمیر آزاد ہو جائے۔ یہ باتیں کرتے ہوئے میں کلکھیروں دیکھ رہی تھی کہ اس ہندو لڑکی کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا ہے اور وہ بغیر کچھ خریدے اپنے ساتھ غوثیوں کو لیے ہوئے جلدی سے دوکان سے نکل گئی۔

میں شاپنگ کر کے گھر آئی تو ایک افغانی سردار کو والد صاحب سے باتیں کرتے دیکھا جب وہ مجھ سے غائب ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا آپ نے پاک افواج کی فتح کی خبر سنی ہیں؟

”ہاں ہاں کیوں نہیں روز ہی سنا ہوں۔“

”آپ کا کیا تاثر ہے اس جنگ کے بارے میں؟“

وہ میرے اس سوال سے جیسے گھبرا سے گئے کہنے لگے کہ بس یہی کہ پاکستانیوں کی مہادری کی داستان دنیا کی تاریخ میں کھنے کے قابل ہے۔ اب پاکستان کی ایک تاریخ بن گئی ہے۔

جنگِ ستمبر کے روز و شب میں بھٹکتے بھٹکتے میرے ذہن میں افغانستان کی مسجدیں ابھریں جہاں ہرافت ان پاکستان کی سلامتی کے لیے خدا کے حضور پانچوں وقت دعائیں مانگتا تھا جہاں ہر جمعہ کو خصوصیت سے پاکستان کی فتح پانی کے لیے ہزاروں ہاتھ دعا کے لیے اٹھتے تھے جہاں اہم کی تقریر افغانوں کے دلوں میں جوش پیدا کر دیتی تھی۔ وہ بڑی حسرت سے پاکستانیوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے ”کاش ہم بھی اس جہاد میں شریک ہو سکتے خدا کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ ہم پاکستان جاسکیں اور اپنے پاکستانی بھائیوں کے دوش بدوش جہاد میں شامل ہو سکیں۔“ میں دیکھتی تھی کہ ایسا کتنے ہوئے ان کی آنکھیں

سبز پھر بھی میں نے اس سے کہا۔ ”سردار جی آپ مسلمان نہ سی لیکن ہیں تو افغان۔ اس ناٹے سے تو آپ کو نعم از نعم اس تعصب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے تھا جب آپ پاکستان ریڈیو سنتے ہیں، اسے پسند کرتے ہیں تو پھر میرے سامنے ریڈیو بند کر دینے کا کیا مطلب ہوا؟ آپ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو پاکستان اور ریڈیو پاکستان سے کوئی دل چسپی نہیں۔“

سردار جی پر میری باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے ریڈیو کھول دیا اور کہا ”مہن جی آپ یقین کریں ہمارا یہ مقصد نہیں تھا۔ ہم نے تو صرف اس لیے ریڈیو بند کر دیا تھا کہ آپ سکون سے بھاؤ تاؤ کر سکیں۔“ اس کی باتوں میں کہاں بل حقیقت تھی مجھے اس سے واسطہ نہیں۔ ماں اتنی ناشی مزدور ہے کہ جب میں دوبارہ اس دکان پر گئی تو سردار جی نے مجھے پاک فوج کے کارناموں پر پھر پور مبارک باد دی۔ سردار جی کی دوکان سے نکل کر ایک افغان کی دوکان پر گئی۔ وہاں ایک شال مجھے بہت اچھی لگی۔ میں نے کانڈا سے پوچھا کہ یہ کہاں کی بنی ہوئی ہے؟ دوکانداروں کے باب دینے سے پہلے ہی وہاں پر کھڑی ہندو عورتوں میں سے ایک لڑکی جھٹ بول پڑی کہ ہندوستان کی بنی ہوئی ہے۔ میں اس کے لمحے کا طنز محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ارا بھی کچھ بولنے کا ارادہ کر رہی رہی تھی کہ دوکاندار نے ہی اس لڑکی کی ماں میں ماں ملائی اور کہا۔ ”خوہر جان! یں شال ساختہ کشمیر است، کشمیر یک شہر کلاں ہر ہند مت۔“ میں نے دیکھا ہندو عورتیں اور وہ لڑکی مسکرا رہی تھیں۔ میں نے دوکاندار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”اسے کس نے کہا کہ کشمیر بھارت کا ایک شہر ہے؟ کشمیر پچاس لاکھ کشمیریوں کا ہے، مسلمانوں کا ہے۔ اس پر بھارت نے محض طاقت کے زور پر قبضہ کیا ہوا ہے۔“

نہیں گرسے، استنبول اور انقرہ میں گرسے ہوں اور جب میں انہیں یہ بتاتی کہ آج اتنے شہری بھارتی مہاری سے شہید ہوئے ہیں تو وہ رو پڑتی تھیں ان کی میٹھی فریہ ہمارے ساتھ کٹر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا با کرتی تھی۔ اب وہ کابل سے چلی گئی ہیں لیکن میں پاکستان کے لیے اتنی محبت کھنے والی خاتون کو کبھی بھول نہ سکوں گی صرف اس ترک خاتون اور بیٹی کو ہی نہیں میں تو جنگ ستمبر کے متعلق کسی بھی بات کو نہ بھول سکوں گی۔ بلوچستانی اور دہشتہتی ہے کہ گرسے خواہوں میں ڈوب جاؤں۔ ایسے خواہوں میں جہاں مجھے کوئی خیال یا کوئی احساس پریشان نہ کرے میں پاکستان کے سرسبز میدانوں کے گیت گاتے دریاؤں کے گنگناہتے چشموں کے، زرخیز زمینوں کے ہمسکرتے سپاہیوں کے اور مسرور شہیدوں کے خواب دیکھتی رہوں پاکستان کے چھیل چھیلے غازیوں کے خون کی سرخی سے سجے ہوئے خواب میری روح کو جگاتے رکھتے ہیں۔

جھگ جاتی تھیں اور وہ ہم پاکستانیوں کو بڑی عقیدت سے دیکھتے تھے۔

جنگ ہی کے دنوں میں ایک نثار کام کرنے والی آئی۔ انی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ "خاتم صاحب ہمارے بیٹے اور داماد کہتے ہیں کہ آج کل ہماری بیویاں ہم پر حرام ہیں۔"

میرا دل نثار کے لیے عقیدت سے بھر گیا اور اس کے داماد اور بیٹے مجھے بہت عظیم نظر آنے لگے۔

مجھے وہ ترک خاتون اور اس کی لڑکیاں یاد آتی ہیں جن کی جذباتی کیفیت پاک بھارت جنگ کے دوران میں دیکھنے کے قابل تھی۔ جب وہ پاکستانی سپاہیوں کی شہادت کی خبر سنتیں تو ان کی آنکھیں پر غم مہ جاتی تھیں اور ان پر کچھ ایسا اثر ہوتا تھا جیسے پاکستان کے جوان نہیں ترکی کے جوان شہید ہوتے ہوں۔ جیسے ہم وزیر آباد اور پشاور میں

## غیر مالک کے لیے سالانہ خریداری

غیر مالک کے لیے ستیارہ ڈائجسٹ کا عام بحری ڈاک سے سالانہ چندہ ایک پونڈ چندہ شلنگ یا ۲۰ روپے ہے اور رجسٹرڈ بحری ڈاک سے دو پونڈ پانچ شلنگ یا ۲۶ روپے ہے۔ غیر مالک میں مقیم سالانہ خریداری کے خواہش مند حضرات سالانہ چندہ اپنے پاکستان کے کسی عزیز کی توسط کے ہیں جمع کرا دیں یا براہ راست ہمیں برٹش پوسٹل آرڈر زرکی صورت میں بھیج دیں۔ پاکستانی حضرات اگر غیر مالک میں مقیم اپنے کسی عزیز کے نام ستیارہ ڈائجسٹ جاری کرانا چاہیں تو وہ ہمیں مندرجہ بالا نرخ کے مطابق رقم بذریعہ مئی آرڈر بھیج دیں اور ساتھ ہی ان عزیز کا نام و پتہ بھی ارسال کر دیں۔ غیر مالک کے حضرات اگر پاکستانی کتب منگوانا چاہتے ہوں تو ہم سے خود کتابت کریں۔

پیراڈائز سبسکرپشن ایجنسی ۳۔ پونس روڈ۔ کراچی ۴۔ پاکستان

تمام غیر مالک کے حضرات کی سہولت کے لیے سالانہ چندے کی ادائیگی کا انتظام برطانوی کے درج ذیل بینک میں بھی کیا گیا ہے۔ بینک میں سالانہ چندہ جمع کرانے کے بعد ہمیں فوری مطلع کیا جائے۔

Paradise Subscription Agency A/c No. 1176 C/o Habib Bank (over seas) Ltd.

12-Finsbury Circus P. O. Box 555 London - E. C. 2

بھی زیادہ افراد اس موزی مرض کے باعث راجی ملک عدم ہوئے۔ سرطان کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ پیچھے پڑے کے سرطان میں اضافے کی ایک بہت بڑی وجہ تمباکو نوشی میں اضافہ ہے۔

آج سے کوئی بیس سال قبل کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تمباکو نوشی اس قدر مضر صحت ہے۔ ۱۹۱۲ میں ڈاکٹر آئی ایڈلر نے اعضاء تنفس کی بیماریوں کے بارے میں اپنی کتاب میں اس شبہ کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے کہ پیچھے پڑے کے سرطان کا تمباکو نوشی سے کوئی تعلق ہو۔ ۱۹۲۷ میں ڈاکٹر الین ٹائیٹکوٹ نے انگلستان کے مشہور طبی رسالے لین سیڈ میں ایک مضمون شائع کر دیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ پیچھے پڑے کے سرطان میں اجانب اضافے کا باعث بڑھتی ہوئی سگریٹ نوشی ہی ہو سکتی ہے۔ جرمنی کے ڈاکٹر اے۔ اپنچ رو فونے بھی

امریکہ کے عظیم اٹلان شہر نیواک کا ایک بہت بڑا حصہ جس جزیرہ میں ہن پر آباد ہے ، اسے سفید فام لوگوں نے ایک ریڈ انڈین قبیلے سے پندرہ ڈالر یعنی تقریباً ۷۲ روپے اور شراب کی چند بوتلوں کے عوض حاصل کیا تھا۔ امریکہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے ان اصلی باشندوں کے ساتھ یورپ سے آئے ہوئے سفید فام لوگوں نے اکثر دھوکہ بازی اور بے ایمانی سے کام لیا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک مشہور ریڈ انڈین قبیلے کے سردار نے غالباً مذاق میں یہ کہا کہ سفید فام لوگوں کو شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی جو قحط انہوں نے ہم سے سیکھی ہے وہ بہت جلد سرطان کی بیماری سے ان کی نسل کا خاتمہ کر دے گی اور ہمارا وطن اور ہماری زمین ایک مرتبہ پھر ہمیں واپس مل جائے گی۔

ریڈ انڈین سردار نے یہ بات تقریباً ہی کہی ہوگی کیونکہ نہ تو امریکہ کا ہر مرد و عورت، بوڑھا اور بچہ سگریٹ نوشی کا عادی ہے اور نہ سگریٹ نوشی کرنے والے تمام افراد سرطان ہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ بہر حال حقیقت ہے کہ تمباکو نوشی اور خاص طور سے سگریٹ نوشی صحت کے لیے بے حد مضر ہے اور مندرجہ ذیل اعداد و شمار اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

۱۹۵۰ میں امریکہ میں پیچھے پڑے کے سرطان سے ۱۸,۳۱۳ اموات ہوئیں۔ یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ۱۹۶۴ تک ۵۸,۸۴۸ ہو گئی تھی اور اس میں ہر سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں پیچھے پڑے کے سرطان سے مرنے والوں کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۴۶ میں یہ تعداد آٹھ ہزار تھی۔ ۱۹۶۵ میں اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی اور ۱۹۶۶ میں ۲۷,۰۰۰ سے



عقیل اطہر (لندن)

ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران تباہ کنوشی اور سرطان کے باہمی تعلق کے بارے میں کوئی خاص تحقیق نہیں کی گئی۔ شاید اس زمانے میں ہمارے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے سائنس دانوں کی ساری توجہ زیادہ سے زیادہ مہلک ہتھیاروں کی ایجاد اور زہریلی گیسوں اور جراثیم کی طرف ہی رہی تاکہ کسی نہ کسی طرح دشمن کا صفایا جلد از جلد کیا جاسکے۔

تباہ کنوشی کا پھیپھڑے کے سرطان کے ساتھ تعلق صاف اور واضح طور پر ثابت کرنے والوں میں ڈاکٹر ای۔ ایل۔ وائمنڈر اور ڈاکٹر ای۔ اے۔ گراہم کے نام سر فہرست ہیں۔ واشنگٹن یونیورسٹی کے ان دو ڈاکٹروں نے ۲۷ مئی ۱۹۵۰ء کے امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کے جریدے میں ایک تحقیقی مقالہ شائع کر لیا جس میں انہوں نے پھیپھڑے کے سرطان میں مبتلا چھ سو چوراسی مریضوں کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا کہ تباہ کنوشی کی سب سے زیادہ خطرناک قسم سگریٹ نوشی ہے اور سگار اور پائپ نسبتاً محفوظ ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ سگریٹ پینے والے اول تو سگریٹ کے سستا ہونے کے باعث زیادہ تباہ کنوشی کرتے ہیں اور دوم سگریٹ کا دھواں عام طور پر سانس کے ساتھ پھیپھڑوں کے اندر کھینچا جاتا ہے جبکہ سگار اور پائپ کا دھواں پھیپھڑوں تک نہیں پہنچتا۔

ڈاکٹر وائمنڈر اور ڈاکٹر گراہم کے چھ سو چوراسی مریضوں میں سے چھانوے فیصد ایسے تھے جو یا تو کبھی کبھار سگریٹ پیتے تھے یا سگریٹ نوشی سے بالکل پرہیز کرتے تھے۔ اسی قسم کی ایک تحقیق نیویارک کے محکمہ صحت کے ڈاکٹر مورٹن لیون اور ان کے رفقاء نے بھی کی۔ انہوں نے

سرطان میں مبتلا ایک ہزار سے زائد مریضوں کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان میں سے تقریباً پچاس فیصد سگریٹ نوشی کے ایک بہت لمبے عرصے سے عادی تھے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ صحت کی ۱۹۶۶ء کی سالانہ رپورٹ کی رو سے پھیپھڑے کے سرطان کا خطرہ روزانہ پانی جانے والی سگریٹوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے۔ امریکہ میں دس سگریٹ روزانہ پینے والے افراد کی شرح اموات سگریٹ نوشی سے پرہیز کرنے والوں کی بر نسبت چالیس فیصد زیادہ ہے، بیس سے لے کر تالیس سگریٹ روزانہ پینے والے افراد کی شرح اموات سگریٹ نوشی سے پرہیز کرنے والوں کے مقابلے میں نوے فیصد زیادہ ہے اور چالیس سے زیادہ سگریٹ روزانہ پینے والوں کی شرح اموات سگریٹ نہ پینے والوں کے مقابلے میں ایک سو بیس فیصد زیادہ ہے۔ اس کے برعکس پانچ سگار یا پانچ پائپ روزانہ پینے والے افراد اور تباہ کنوشی سے پرہیز کرنے والے افراد کی شرح اموات میں کوئی فرق نہیں۔ اس رپورٹ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کم عمری میں سگریٹ نوشی شروع کر دینے سے سرطان اور سانس کی دوسری بیماریوں کے پیدا ہونے کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ کینیڈا کی میڈیکل ایسوسی ایشن کے جریدے میں بھی حال ہی میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کینیڈا میں بھی تباہ کنوشی کرنے والے افراد کی شرح اموات تباہ کنوشی سے پرہیز کرنے والوں کے مقابلے میں پچون فیصد زیادہ ہے۔ اسی طرح تباہ کنوشی ترک کر دینے والوں کی شرح اموات تباہ کنوشی جاری رکھنے والوں کے مقابلے میں کم ہے۔

تباہ کنوشی سے پھیپھڑے کے سرطان کے علاوہ دوسرے اعضا کے سرطان بھی ہو سکتے ہیں مثلاً پائپ

ہیں۔ ان میں سے ایک ٹار یا گندہ بروڑہ کی قسم کا ایک کیمیائی جزو ہے اور دوسرا نیکوٹین جسے عرف عام میں تباکو کا زہر بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں اجزاء میں سرطان اور سانس کی دوسری کئی بیماریاں پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ اگر کسی طرح سے تباکو کو ان دونوں مضر صحت اجزاء سے پاک کر دیا جائے تو کم از کم پھپھرے کے سرطان کا خطرہ بہت حد تک دور ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کافی تحقیقات کے باوجود کوئی سگریٹ فلٹر ایسا نہیں ایجاد کیا جاسکا ہے جو ان دونوں اجزاء کو بھی علیحدہ کر دے اور تباکو کے مزے میں بھی فرق نہ آنے دے۔ عام فلٹر والے سگریٹوں میں جو فلٹر استعمال ہوتا ہے اس سے ٹار اور نیکوٹین بہت ہی تھوڑی مقدار میں دھوئیں سے علیحدہ ہوتے ہیں، اس لیے فلٹر والے اور بغیر فلٹر والے سگریٹ تقریباً ایک جتنے ہی مضر صحت ہیں۔ البتہ تھکے کا دھواں جس میں سے ٹار اور نیکوٹین کی کافی مقدار پانی میں حل ہو جاتی ہے نسبتاً محفوظ ہے۔

جولائی ۱۹۶۶ء میں نیویارک کے ایک ریسرچ کیمسٹ نے جس کا نام رابرٹ سرگک مین ہے، یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے ایک ایسا اعلیٰ فلٹر ایجاد کیا ہے جو ٹار اور نیکوٹین کی کثیر مقدار کو دھوئیں سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے سانس واں اور خالص طور سے سگریٹ بنانے والی کمپنیاں اس کی اس ایجاد کو اڑان لیں، سرگک مین نے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ فلٹر کس طرح کام کرتا ہے۔ اس ایجاد کے جملہ حقوق کو لمبیا یونیورسٹی کے میڈیکل سکول نے حاصل کر لیے ہیں اور کچھ عرصہ ہو یا یہ اعلان بھی کیا گیا کہ کو لمبیا یونیورسٹی ہی اس فلٹر کو سگریٹ کمپنیوں کے ہاتھ فروخت کرے گی لیکن بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ اس فلٹر میں بھی کئی خامیاں موجود ہیں جنہیں دور کرنا ضروری

پینے والے کبھی کبھی لب کے سرطان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ زیادہ تباکو نوشی سے خلق اور منہ کا سرطان ہو جاتا ہے۔ زخروں کے نالی کا سرطان اکثر سگریٹ نوشی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور بے حد خطرناک اور مہلک ہوتا ہے۔ گلے سے معدے تک کی نالی کا سرطان بھی بعض حالات میں تباکو نوشی سے پیلا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بلبلہ کے سرطان کا تعلق تباکو نوشی کے ساتھ حال ہی میں ثابت کیا گیا ہے۔ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تباکو نوشی نہ صرف سرطان بلکہ اور بھی کئی دوسرے امراض کا باعث ہو سکتی ہے حال ہی میں پانچ آزاد تحقیقاتی اداروں نے فرانس، برطانیہ اور امریکہ میں یہ معلوم کیا ہے کہ سگریٹ نوشی کرنے والے افراد کی شرح اموات قلب اور شریانوں کی بیماریوں کے باعث سگریٹ نوشی سے پرہیز کرنے والے افراد سے کہیں زیادہ ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں زخروں کے نالیوں کے درمیان کائرس کی اہم وجہ سگریٹ نوشی ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ تباکو نوشی کرنے والے لوگ اکثر کھانسی اور بلغم میں مبتلا رہتے ہیں اور تباکو نوشی سے پرہیز کرنے والے اس سے عام طور سے محفوظ رہتے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ اور روس کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ تباکو نوشی کے عادی افراد کے لیے نمونیا اور انفلوئنزا کی بیماریاں زیادہ مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کے دو ڈاکٹروں نے چند سال ہوئے یہ معلوم کیا ہے کہ جو عورتیں دوران حمل تباکو نوشی کرتی ہیں ان کے بچوں کا پیدائش کے وقت کا وزن تباکو نوشی سے پرہیز کرنے والی عورتوں کے بچوں کی نسبت بہت کم ہوتا ہے اور وہ اکثر لاغر اور کمزور بھی ہوتے ہیں۔

تباکو میں دو خاص مضر صحت اجزاء پائے جاتے

بھی معمول کے مطابق پائے گئے۔ اس قسم کے اوپر بہت سے تجربات بندروں، خرگوشوں اور چوہوں پر بھی کیے گئے ہیں اور ان سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمباکو کا دھواں ان کی صحت کو تباہ کر دیتا ہے۔

ایک روسی سائنس دان نے حال ہی میں اپنا ایک نہایت دلچسپ تجربہ بیان کیا ہے۔ روسی جارجیا کے ڈاکٹر جارجی جاگیڈز نے چہتر خرگوشوں کو اپنے اس تجربے میں استعمال کیا۔ ان میں سے پین خرگوشوں کو دھوئیں سے دور رکھا گیا اور چھپن کے منہ پر اس قسم کے نقاب لگائے گئے کہ سانس لیتے وقت وہ نقاب میں بندے ہوئے دوسو انچوں کے علاوہ کہیں اور سے ہوا نہ حاصل کر سکتے تھے۔ نقاب کے ایک سو رانچ میں وقتاً فوقتاً سگریٹ لگادی جاتی تھی، شروع شروع میں خرگوش نقاب پھاڑ کر پھینک دیتے تھے لیکن چند ماہ کے اندر ہی وہ سگریٹ نوشی کے اس قدر عادی ہو گئے کہ اگر انہیں وقت پر سگریٹ نہ ملتے تو بے چین ہو جاتے تھے۔ ایک سال کے بعد چند خرگوشوں کو ہلاک کر کے ان کے پھیپھڑوں اور سانس کی نالیوں کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سگریٹ نوش خرگوشوں کے پھیپھڑوں اور سانس کی نالیوں کے اندر سوجن پیدا ہو گئی تھی اور غلیوں کو بھی مضر پہنچا تھا۔ وہ خرگوش جنہیں تمباکو نوشی کی عادت نہیں ڈالی گئی تھی، ہر قسم کے برے اثرات سے محفوظ رہے تھے۔

ہے۔ چنانچہ فی الحال یہ فکرمگربٹ کمپنیوں کو مہیا نہیں کیا جا رہا ہے۔

جانوروں پر تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ تمباکو نوشی نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں کے لیے بھی مضر صحت ہے۔ جنوری ۱۹۶۶ء کے American Review of

Respiratory Diseases میں ڈاکٹر جے۔ اے

ہرنینڈیز اور ان کے رفقاء نے ایک مقالہ شائع کر لیا ہے جو جانوروں پر تمباکو نوشی کے اثرات پر مشتمل ہے۔ اپنے اس تجربے میں انہوں نے تئیس گرے ہاؤنڈز کے استعمال کیے ہیں۔ ان میں سے پندرہ کتوں کو خاص قسم کے لکڑی کے ڈبوں میں بند کر کے دن میں دو مرتبہ آدھے گھنٹے تک سگریٹ کا دھواں پہنچایا گیا۔ جب یہ کتے سانس لیتے تھے تو انہیں تازہ ہوا کی غیر موجودگی میں مجبوراً دھوئیں سی بھری ہوتی ہوا پھیپھڑوں کے اندر کھینچنا پڑتی تھی۔ ان پندرہ کتوں میں سے سات کو پانچ ماہ بعد اور آٹھ کو پندرہ ماہ بعد ہلاک کر کے ان کے پھیپھڑوں کے غلیوں کا معائنہ کیا گیا۔ پندرہ کے پندرہ کتوں کے پھیپھڑوں کو نقصان پہنچا تھا لیکن وہ بیمار آٹھ کتے جو پندرہ ماہ تک تمباکو نوشی پر مجبور کیے گئے تھے ان کے پھیپھڑے بہت ہی زیادہ خراب حالت میں پائے گئے۔ اس کے برعکس وہ آٹھ کتے جنہیں تمباکو کے دھوئیں سے دور رکھا گیا تھا، بالکل صحت مندر ہے اور ان کے پھیپھڑے



ایس ایس پی لاہور نے بتایا ہے کہ لوہاری گیٹ اور رسول لانےز کے تھانوں کو ماڈل پولیس

شیشن بنایا جائے گا۔ ان تھانوں کو یورپی ملک کے طرز پر جدید آلات سے ایس کیا جائے گا۔ انہوں نے معززین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دونوں تھانوں کو مثالی بنایا جائے گا اور ان دونوں تھانوں میں دبا تدار عملہ مقرر کیا جائے گا جو خود کو حوام کا خادم سمجھے گا۔ انہوں نے بتایا کہ ان تھانوں میں بہتر فرنیچر رکھا جائے گا اور ان تھانوں کے عمل کو زیادہ اطلاعات دینے جائیں گے تاکہ وہ رشوت کے خواہاں نہ رہیں۔ (مشرق) فیض محمد راجہ ودی۔ مستونگ۔

یورپی  
طرز  
کے  
تھانے

# کیا جنگ ختم ہو گئی ہے؟

— اظہر جاوید —

اسلاف کے ان کارناموں کو بھرتا زہ کر دیا ہے جن کی یاد سے تاریخ کے اوراق اور ہمارے سینے منور ہیں۔ راکٹوں اور میزائلوں کے اس دور میں بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لے کر لڑنے پر ثابت کر دیا ہے کہ سچائی کی قوت اور ایمان کی حرارت کے آگے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی سرنگوں ہے۔

ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے سترہ دن، سترہ پل تھے، آئے اور گذر گئے، لیکن ان سترہ دنوں نے قوم کے چہرہ پر سے جمی ہوئی وقت کی گرد کو دھو ڈالا ہے۔ قومی شعور پر نئے گہرے رنگ کو کھینچ دیا ہے اور ضمیر کے آئینے کو صاف کر دیا ہے۔ ان سترہ دنوں نے ہمارے اسلاف کی عظمتوں کی قسم کھائی ہے، اس عہد کے جیالوں کی سر بلندی کا اقرار کیا ہے اور آنے والی نسلوں کی سرحدوں کا بیان باندھا ہے۔

اس جنگ کو اچھی صرف اور صرف تین برس ہوئے ہیں ابھی تو سرحدوں کی سوندھی مٹی سے شہیدوں کے خون

بھی با اصول اور باشعور قوم نہ جنگ سے محبت کرتی ہے نہ امن سے نفرت کرتی ہے اور اسلام تو ایک ایسا مسلک زندگی ہے جس کا خمیر ہی صلح و محبت اور امن و سلامتی سے اٹھا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ پیران اسلام نے نہ جنگ میں ہیل کی ہے نہ قیام امن سے گریز کیا ہے۔ مگر جب کبھی اصولوں کی بقا، ملت کے تحفظ، ناموس کی سلامتی اور ایمان کی سر بلندی کا مسئلہ آن پڑا ہے اہل اسلام نے قرآن کریم کے ارشاد و جہاد وانی اللہ حق جہادہ اور جہاد کو راہ اللہ کی راہ میں جیسا کہ جہاد کا حق ہے، پرپورا عمل کیا ہے۔

اور — اس جہاد کی داستان غزوہ بدر سے لے کر جنگِ تتریک پھیلی ہوئی ہے تیرہ صدیاں پہلے اللہ کی راہ میں جس جہاد کا آغاز ہوا تھا، اس کی انتہا نہ جانے کہاں اور کب ہے۔ لیکن ستمبر ۶۵ء میں پاکستانی قوم نے اپنے معرکوں سے



ہیں۔ کیا ہم ایک ہونے کا اعلان کر سکتے ہیں؟۔ باجمیت قوم کے زندہ ضمیر سے ایک ہی آواز بار بار ابھرے گی۔ نہیں... نہیں... نہیں!!!

ان سوچوں کی غیر صحت مندر کو دبائے اور جہاں پاکستان کے شہیدوں اور غازیوں کے کارناموں کی تابندگی کو پابندہ رکھنے کے لیے میں نے "سیارہ ڈائجسٹ" کی طرف سے ایک سوالنامہ ترتیب دے کر اس جہاد کے غازیوں، ملک کے دانشوروں اور اہل قلم حضرات سے ان کی آراء طلب کی ہیں۔ ذیل میں وہ سوالات دیکھیں اور پھر ان کے جواب ملاحظہ کریں:

۱۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے متعلق آپ کے تاثرات اور رائے کیا ہے؟

۲۔ کیا آپ کے خیال میں ہماری جنگ ختم ہو گئی ہے؟

۳۔ بھارت کی تازہ ترین جنگی تیاریوں اور دھمکیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

۴۔ کیا ہم ستمبر کی جنگ کو "صلیبی جنگ" کہہ سکتے ہیں؟

۵۔ اس جنگ کی روشنی میں کیا آپ نے آئندہ نسلوں کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا ہے؟

۶۔ پاکستان کی جرات و شہرہ کیلئے

لاہور کے دفاع کے محاذ اور اس دہلیز پر سینہ سپر فرما

کے جنرل آفیسر کمانڈنگ سے جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے پہلے اس جنگ کے تمام محکات اور اس منظر پر سیر حاصل کر

ڈالی۔ سامنے نقشہ بکھر کر محاذوں کی جنگی باریکیاں سمجھائیں اور

سترہ روزہ جنگ کے خوفناک اور خوشگوار واقعات کا ذکر کیا

رعنا بیت اللہ صاحب، اپریل ۱۹۶۸ء کے "سیارہ ڈائجسٹ" کا سالنامہ میں انہیں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں، جنرل صاحب نے کہا کہ دراصل ہندوستان سے ہماری جنگ کا آغاز تو قیام پاکستان کے وقت سے ہی ہو گیا تھا۔ ہندو کی مکار یوں اور

کی بوباس بھی ختم نہیں ہوئی۔ ابھی تو غازیوں کے نعروں کی باگشت دلوں میں دھڑکتی محسوس ہوتی ہے۔ ابھی تو ٹینکوں کی گولیاں ہٹ توپوں کے دھماکے اور جہازوں کی زناٹے بھرتی ہوئی آوازیں فضاؤں

میں سچی سچی ہوتی ہیں مگر۔ کیا یہ المیہ نہیں کہ ہمارے مال ایک ایسی سوچ، ایک ایسا ذہن پیدا ہو رہا ہے جو اس جہاد کو ایک ہنگامی واقعہ اور وقتی حادثہ کہہ کر بھلائے کی کوشش کر رہا ہے۔

ایسا سوچنے اور کہنے والے برخود غلط دانشور ہیں جن کی تربیت غلامانہ انداز کی محتاج ہے اور کا لسمیہ جن کا مزاج ہے۔ اس

جنگ پر لکھنے والوں کے ذہن مغلوب ہو گئے ہیں۔ اس موضوع پر بات کہنے والوں کی زبان گنگ ہو گئی ہے اور اسے عنوان

بن کر نکھرنے والی تحریریں حالات کی تحدید میں دفن ہو گئی ہیں۔ کوئی رسالہ جنگی تخلیقات کو مرتب کرے تو اسے اس لیے

علیحدہ ضمیمے کے طور پر چھاپنا چاہیے کہ ان "ہنگامی افکار" کا شعور ادب کی دائمی قدروں سے کیا تعلق ہے۔ کہیں کوئی صاحب ایمان

اور غیور پاکستانی اپنے شہیدوں اور غازیوں کا ذکر کرے، اپنے مضامین میں انہیں خراج عقیدت پیش کرے تو اس کی یہ

کہ کر محالفت کی جائے کہ آخر ہمارا کسی بڑوسی ملک سے جھگڑا

ہی کیا ہے؟ ہمارا ادب ایک ہماری ثقافت ایک، آخر ہر ملک ہی تو ہیں۔ ایسا سوچنے اور کہنے والے یقیناً اقبالؒ کے الفاظ

میں "نگاہ آدم نگاہ دیں نگاہ وطن"۔ ہیں انہیں پسند

اپنی جگہ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہندو ہمارا دشمن نہیں ہے یا اس نے دل سے ہمارے وجود اور ہماری ہستی کو تسلیم

کر لیا ہے اس پر صغیر کی تاریخ کے صفحے صفحے پر ہندو کی مسلمان سے نفرت اور دشمنی کی داستان رقم ہے اور یہ بات

آج کی نہیں، گذرے ہوئے کل کی نہیں۔ ایک مزدور دس سو سینکڑوں برسوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہی نفرت ستمبر

۱۹۶۵ء کی جنگ کا روپ دھار کر سامنے آئی۔ تاریخ کی اتنی واضح اور صاف تصویر دیکھنے کے بعد کیا ہم دوستی کا دھوکہ کھا سکتے

کو بھی ساتھ ملائے ہوئے کھینچ لگے، اس کی جنگی تیاریاں اگرچہ کھینچ کر چین کے لیے ہیں مگر یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بھارت چین سے کبھی کر نہیں لے سکتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ وہاں دفاعی جنگ ہی لڑ سکتا ہے اس لیے اس کا ساز اور پاکستان کی طرف ہی ہوگا۔

”اس کے علاوہ“ جرنیل صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ سے برطانیہ کے انخلا کے بعد بڑی طاقتیں چاہتی ہیں کہ بھارت اس فلاں کو ٹکڑے کرے۔ بھارت کے جراحانہ عوام کو اس سے مزید شہ ملتی ہے جنگ ستمبر میں پھر ہم اسے کافی سبق سکھا چکے ہیں لیکن پھر بھی ضروری ہے کہ ہم بھی اسی پیمانے پر اپنے آپ کو آئندہ کسی بھی جنگ کے لیے تیار رکھیں۔ ہم مذہب اور مسلک امن پسند ہیں مگر سپل کرنے والے کو جواب دینا بھی ہم جانتے ہیں۔“

چوتھے سوال کے جواب میں کہنے لگے ”پاکستان، بھارت، ایک اسلامی مملکت ہے اور ہندوستان کا خدا خواست پاکستان کو مٹانے کا خواب دیکھنے کا مطلب اس برصغیر سے اسلام اور اسلامی نظریات کا خاتمہ ہے۔ صلیبی جنگوں میں بھی تمام عیسائی قوتیں اس جذبے کے تحت اکٹھی ہوئی تھیں، اس تعلق سے تو یقیناً جنگ ستمبر بھی اور اس کے بعد بھی ہندوستان سے ہونے والی کوئی بھی جنگ اسی کی ہی کڑی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے حوالہ دیتے ہوئے کہا ”خود امریکہ کے دانشور عرب اسرائیل جنگ کو صلیبی جنگ کہتے رہے ہیں، ہماری جنگ کی کیفیت بھی اس جنگ سے کچھ مختلف نہیں ہے۔“

آئندہ نسلوں کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے جواب میں کہنے لگے ”ان کے لیے سب سے اہم مسئلہ اپنی روایات کو برقرار رکھنا ہے جس طرح ہم نے جنگ ستمبر، اپنے اسلاف کی عظمت اور ان کی یادوں کے تقدس کے سہارے حقیقی ہے اسی طرح آنے والی نسلوں کو آج کے بہادروں کے نقش قدم

فرنگی کی چالبازوں کی ملی جھگت نے برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان کو ایسے مسائل میں الجھا دیا جانا تھا جن سے عاجز آ کر پاکستان بہت جلد گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا جب ان کی یہ حسرت پوری نہ ہوتی تو طرح طرح کی پھوپھائیاں جاری کر دیں۔ کشمیر تو ایک فٹناز علیہ سلسلہ بن ہی چکا تھا۔ دریاؤں کا پانی، حیدرآباد اور جزائر گڑھ کا جبری الحاق، کشمیر میں زبردستی چھوٹی حکمرانی کا قیام ایسے قضیے شروع کر دیے، دن کچھ کے جھگڑے کے وقت تک بفضل تعالیٰ پاکستان قوی، عسکری اور اقتصادی طور پر مدہجہ نہ ہو چکا تھا اور مستحکم ہو چکا تھا۔ یہاں سے منہ کی کھانے کے بعد اس نے کشمیر پھر اعلان شریعت وغیرہ کی طرف رخ کیا جب یہاں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے ملا تو اس نے، جھانک کر تمام بین الاقوامی پاسداریاں اور مضابطہ نظر انداز کر کے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ ہم دن کچھ کے بعد سے بالکل تیار تھے جرنیل صاحب نے کہا۔

— ”اوجھ حملہ ہو جائے تو کسی بھی جرنیل کا پہلا کام اسے دکانا اپنی دفاعی لائن کو مضبوط کرنا اور اپنے آپ کو جواب کے لیے بھرپور تیار کرنا ہوتا ہے۔ اس جنگ کے بارے میں میرے تاثرات ایک جرنیل کی حیثیت سے، ستمبر کو شروع ہوتے ہیں، ۱۴ ستمبر کو ہم نے دشمن کوئی کرنی کے باپ اپنی پہلی دفاعی لائن سے پرے ہی روک دیا تھا۔ حالات پر ہمیں کسی حد تک قابو تھا۔ اب کسی بھی ماہر جرنیل کی طرح مجھے یہ سوچنا تھا کہ دشمن کے حملے سے پہلے ہی۔۔۔ اسے کس طرح نقصان پہنچایا جائے اور جب میں وہ تدابیر کر رہا تھا تو سچی بات ہے وہ تدابیر ہی ایک جرنیل کے تاثرات ہو سکتے ہیں۔“

دوسرے سوال کے جواب میں انہوں نے ٹھوس اور مثبت الفاظ میں کہا کہ نہ ہماری جنگ ختم ہوئی ہے نہ ہوگی۔ انہوں نے کہا: ”ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ناگزیر ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے پہلے ہی کہی ہے کہ بنیادی طور پر اس نے پاکستان کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ تیسرے سوال

دوبارہ پایا ہے۔ میں جنگ میں شریک تو نہ ہو سکا۔ مگر یلہیان تھا کہ اس وقت جب اس قوم کی ایک تاریخ بن رہی ہے میں اس تاریخ کا عینی شاہد ہوں۔

بات جاری رکھتے ہوئے جسٹس صاحب نے کہا ہر فرد اور ہر قوم کو اللہ تعالیٰ امتحان میں ڈالتا ہے اور اس امتحان میں کامیاب ہونے والا ہی سرخرو ہوتا ہے! انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت کی:

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ محض ایمان کا دعویٰ کرنے

سے جنت میں چلے جاؤ گے۔ ہم نے تمہیں کبھی

آزمایا نہیں۔ تم نے کبھی جہاد نہیں کیا۔“

اس لیے میں کہتا ہوں کہ ستمبر کی جنگ خدا کے لشکر کا موقع

تھی، آفت نہیں تھی۔ وہ آواز آئی تھی جس میں ہم کامیاب

اترے۔ وہ ہماری زندگی موت کا مسئلہ تھی، جسے ہم نے نبھایا۔

جسٹس محمد گل صاحب نے کہا یہ ستمبر کی جنگ ہی تھی

جس سے پہلی بار مسادات کی سطح پر غریبوں میں بھی مجھ جیسے

پاکستانیوں کو سر بلند ہونے کا موقع ملا۔ جب میں جنگ کے

بعد ۶۶ میں یورپ گیا تو میرے کسی پرانے دوست دور دراز

سے مجھ سے صرف جنگ ستمبر کے واقعات اور پاکستانیوں کی

ہمدردی، جرات اور دلیری کی داستانیں سننے آتے رہے۔

جسٹس صاحب نے بتایا کہ کچھ عرصہ پیشتر ہی ان کی ترقی بھی

ہوئی تھی مگر کسی پرانے دوست کو مبارک نام دینا یا دینیں

تھی مغربی جرمنی میں سپریم کورٹ جج صاحب

سے ملاقات ہوئی تو وہ بھی دیگر جج منیوں کی طرح پہرہ بیٹھے

مجھ سے جنگ ستمبر کی باتیں کرتے رہے۔

”یہ جنگ ستمبر ہی ہے جس نے ہمیں صحیح معنوں میں باہر

کی دنیا سے روشناس کروایا ہے۔ جسٹس نے کہا اور ان دنوں

میں ان سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے اندر خود اعتمادی سی

محسوس کرتا تھا۔ یورپ میں میری کچی تعلیم کے لیے گئی ہوئی

ن کر اپنا مستقبل صرف سنوارنا ہوگا، بلکہ وقت پڑنے پر ایسی

نجات۔ یہ گانگت اور ایشیا کا شہوت دے کر ان کے

نوزندہ رکھنا ہوگا۔

اقوام عالم میں جنگ ستمبر کی اہمیت اور اس کے حیالوں

عظمت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا

مگے ”جب جنگ بندی کے کافی عرصے بعد فوج سے

فٹ پارک میں ایک سول ادارے کی ملازمت کے سلسلے

امریکہ کے ایک شہر یوسٹن میں گیا تو میرے وہاں پہنچنے کی

سری صبح متحالی اخبار نے شہر سخی سے صفحہ اول پر یہ خبر

نچ کی۔ ”پاکستانی ہیرو کی آمد۔“ اور نیچے لاہور کے محاذ

بیچ اور جذبات انگیز واقعات درج تھے۔ یہ وہی امریکہ

اس کے دبی اخبارات تھے جو جنگ کے ابتدائی دنوں میں

ی متضاد اور گول مول خبریں دیا کرتے تھے۔ آپ اسی ایک

تھے سے ستمبر کی جنگ اور اس کے شہیدوں اور غازیوں کی

دت کا اندازہ کر لیں۔“ جنرل صاحب نے اپنی بات کو

م کرتے ہوئے کہا ”جہاد اسلام اگرچہ بہت ضروری ہے لیکن

ی ہمارا جذبہ غلوں اور لگن ہی دنیا میں سرخرو کر گئے ہیں۔“

جسٹس محمد گل، ڈائی کورٹ، مغربی پاکستان

جسٹس گل صاحب سے ان سوالات پر گفتگو ہوئی تو

منے لگے ”ستمبر کی جنگ سے پہلے اگرچہ ان کچھ کی لڑائی ہو چکی تھی

اس سے پہلے بھی بھارت سے ہماری ذرا شدید قسم کی جھڑپیں

جوچی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاید ہم نے کبھی سنجیدگی سے اس

ف دھیان نہیں دیا تھا۔ کچھ کو جب ساؤنڈ بیریز کا پلازہ بروت

ہکا کر تھوڑا زمین کورٹ لگانے ہوئے تھا میں نے اسے بھی

سبوتا سمری سے انداز میں لیا مگر وہ دھکا بند ریج میرے

ل دہان میں انقلاب پیدا کر گیا تھا۔ آنے والے دنوں میں

یہ احساس لیے ہوئے تھا کہ اس گم گشت قوم نے خود کو

کہا۔ حق و باطل ہمیشہ برسرِ بیکار رہے ہیں۔ ازل سے اب تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور شدتِ ایزدی یہی ہے کہ آخر حق کو غلبہ ہو، جہنم کی علامتِ مذہبیت اور دنیا میں اس بات کا مستحق ہے کہ وہ جب بھی پاکستان کو کمزور اور خود کو طاقتور سمجھے گا حملہ کرے گا۔ مگر رے گا مسلمان پر قرآن کی رو سے اور رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے طفیل کئی طرح کی اخلاقی پابندیاں ہیں لیکن ہندو کسی حدِ باطل، کسی اخلاق کا پابند نہیں، تقسیمِ بھگت کے وقت بھی لکھا جوتا معاہدہ تھا جس کی رو سے اس نے پاکستان کے حصے کا اسلحہ اور کمزور روپے کی رقم دینی تھی۔ کیا وہ آج تک ہمیں مل گیا ہے۔ ہجو میسوں معاہدوں سے مکر چکا ہو اس پر کیا ہو، کشتہ آہ، دھم، ہاتھ کا تو بھی وہ جنگ کرنے

تھی۔ اس کی فزائش تھی کہ میں پاکستان سے اس کے لیے جنگی ترانوں کے رہنماؤں اور اس کے علاوہ وہاں مقیم سینکڑوں پاکستانیوں کی یہی فزائش ہوتی تھی۔

یورپ کے بعد میں مشرق وسطیٰ بھی گیا اور عمرہ ادا کرنے بھی حاضر ہوا۔ انہوں نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: وہاں کی لبنان اور سعودی عرب کے عام لوگوں کے علاوہ مدینہ کے تقاضی سے ملاقات ہوتی انہوں نے مجھے کہا کہ تم پاکستان والوں نے سچ سچ دہی کر دکھایا ہے جس کا وعدہ ربؐ ذوالجلال نے قرآن شریف میں کیا ہے۔ یعنی اگر تم بیس افراد بھی ثابت قدم رہو تو دوسو پر غالب آؤ گے (آیت) اور پھر اسی طرح چھوٹی قوموں کا بڑی طاقتوں پر غلبے کا ذکر آتا ہے۔

جنگ کے متعلق

انہوں نے دکھ کا اظہار کر دیا کہ تمہارا ہے کہ جنگِ خلاف لڑتے رہے پلر دیر فوجیوں کے کارناموں فوج میں انفرادی شجاعت

وقارِ عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

”در اصل یہ رائے تو دوزخِ نفاق جانتا ہوں کہ ہندو بھی بڑا نوازی بنے کبھی یقین ہو گیا کہ پاکستان باطلین سے مذہبی اس کی غلطی لیا۔ اب وہ اس کا اعادہ نہیں

کرے گا لیکن پاکستان کے ساتھ چھڑے خانی ضرور کرے گا؟ جو تھے سوال کا جواب بڑا مختصر تھا۔ انہوں نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے جنگِ تمہیر کی کڑی کس طرح سے صلیبی جنگ سے ملاتی ہے۔ مگر ہے ایسا ہو لیکن میرے نزدیک تو یہ بہ طورِ کفر و اسلام کا معرکہ تھا۔ آخری جواب میں کہنے لگے: اس جنگ کی روشنی میں بات اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ قرآنی تعلیمات کا فروغ ہی آئندہ نسلوں کے لیے سب سے اچھا لائحہ عمل ہے۔ اگر ہم توجہ اور غلوص سے قرآن کو پڑھیں، اسے سمجھیں اور صرف ثواب کے لیے اسے نہ رکھیں تو یقیناً آج معاشرے میں پھیلی ہوئی سب برائیوں کا قلع قمع ہو جائے۔ یہ بے اطمینانی رہے ہی

عرب اسلحہ جنگ میں کیوں مدد کے لیے نہیں گئے تھے؟ آپ خداوندِ کرم کے ارشادات کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اگر تم ثابت قدم ہو گے، صبح راستے پر چلو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ یہ تو خدا کا وعدہ ہے۔ ایک زبردست اصل ہے آپ اسے کیسے معجزے کا نام دیتے ہیں؟ نیک صاحب نے پھر قرآنِ کریم کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ دنیا میں وہی قوم ابھرتی ہے جسے مرنا آتا ہے۔

”خدا نے بار بار مجاہد کی تعریف کی ہے، اسے جنت کی بشارت دی ہے۔ پیروںِ فقیروں اور خالی وعظ کرنے والوں کے لیے تو کہیں بشارت نہیں آئی عام لوگوں کے لیے صرف نیچا۔ دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے

تبر

افراق فری سب ختم ہو جائے خدا نے بار بار تاکید کی ہے کہ اگر  
ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر کار بند نہیں رہو گے تو دلیل  
ارہو جاؤ گے۔

کونسل محمد نواز سیال

برہنہ کی عمارت پر دشمن کے خلاف تڑپ خانے کا حصار بنادینے  
لے کر اٹل محمد نواز سیال فوج سے سبکدوش ہو کر نئی شہری زندگی  
آغاز کر چکے ہیں۔ ان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے فوراً شیخ  
حامدؒ کی کاپی صریح دہرایا۔ عدو دشمن سے برا بھلا کہہ کر خیر یاد اس کا باشد  
”دشمن ایک ایسا شہید کرتا ہے جس میں آخر کار

ہمارے لیے بھلائی

انہوں نے کہا: ”جنگ“

عزت من کرہاری زندگیا

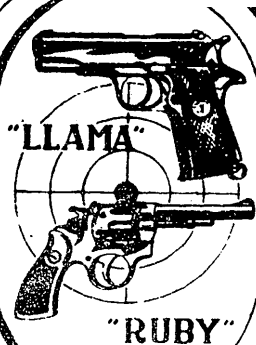
وقع مل گیا تھا جس سے ہم

عظیم قتل کا نشانہ پایا جہین اپنی قوت، اپنی قومی یکاگت اور اسلامی سطوت کے اظہار کا موقع نصیب ہوا۔ ہمارے لڑوں میں اپنی قبیل نفری اور دشمن کی برتری کے جو جھوٹے دعوے اور خدشے تھے وہ سب مٹ گئے۔ یہ جہاں ایسی بھیڑ تھی جس میں پاکستان کو سونے کی طرح پرکھا گیا۔ وہ کھنڈن کی مانند کھرا نکلا۔ پاکستان مزید مستحکم اور مضبوط ہوا اور قوم زیادہ سے زیادہ سر بلند ہوئی۔

سیال صاحب دشمن پر ناز کرتے ہوئے توپ کے گولوں کی طرح رواں دواں چھلوں میں اپنے تاثرات بیان کر رہے تھے۔ کہنے لگے ”فوجی تربیت ان اصولوں پر ہوتی ہے کہ  
..... کہ جسے باقائدہ..... جیسا اسلحہ اور قریب قریب  
میں کس طرح پورے کرتے  
اپنے اوپر وارڈ نہیں کر سکتے  
نئے پہلو، ایک نئے جذبے

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام



# رائف ملک، بندہ کارِ توبہ

— مرقۃ سے کا انتظام —

علی برادرانند محمد بنی (ایکستان لمیٹڈ)

۴۳- دی مال، نزو رنگل سینما۔ لاهور ۳

فوتہ منبر لاہور ۶۵۵۲۹، راولپنڈی ۶۴۲۶۵، کراچی ۶۳۰۸۸

”بھارت کی دھمکیوں کو صرف گیدڑ بھجکیاں ہی نہیں کھنا چاہتے۔ اس کی پشت پناہی کچھ سادراجی طاقتیں کر رہی ہیں۔ یہ بجا کہ اسے چین کے خلاف ہلاک بنانے کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن ہر طور اس سے تبصیف کا امن خطرے میں پڑتا ہے۔ بات چلتی ہوئی سبز پوشوں تک آئی تو انہوں نے کہا۔ ”کیا نعوذ باللہ۔۔۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی افضل ہوگا۔“ آپ جب غزوہ بدر میں شریک ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے لڑنے والوں کی صحت بندی کی، دفاعی لائنیں بنائیں، ایک اپنے ٹیلے پر اپنا منہ کارڈ قائم کیا اور تیز رفتاری سے سواریوں کو کھانڈوں کی خیرلانے کے لیے مقرر کیا۔ اور پھر اس کے بعد خدا کے حضور دعا کی کہ مولا میں نے اپنا سارا انتظام کر لیا۔ کیا سبز پوش و ہاں۔

میں جانتے، عرب  
میرے بات بہت  
نہیں کی ہوئی تھی،

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

یہ کہنے لگے: ہندوؤں  
لے دل میں بھی عیسائیوں سے  
تمام عیسائی اور غیر مسلم طاقتیں آج بھی ان کی پشت پر ہیں آج  
بھی تمام طاغوتی قوتیں اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کو  
مٹانے کی تیاری ہوئی ہیں اور اگر ہم اپنے اسلاف کے نقش قدم  
پر چلے تو انشاء اللہ انہی کی طرح سر بلند و سرخرو ہوں گے۔  
بیرونی محلوں پر بھیسلی ہوئی باتوں کو سمیٹتے ہوئے سیال  
صاحب نے کہا۔ ”ہم پاکستانیوں کی بقا اسی میں ہے کہ ہر  
وقت دشمن سے جھٹلنے کے لیے خود کو اودھانے والی نسلوں کو  
ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رکھیں۔ اس جنگ کا ایک ایک واقعہ  
ایک اک لمحہ بیکار نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ انہی سے تاریخ بنے  
گی۔“ انے والوں کی روح اور ضمیر میں اسی کے انجکشن لگنے چاہئیں

سے روشناس کر لیا۔ اپنے آپ کو وقف کر دینے کا جذبہ اپنے  
مقصد پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ جانے کا احساس  
اسی جنگ نے نمایاں کیا تھا۔ عسکری اور جنگی تاریخ میں ایسے  
واقعات کی مثالیں کم ملتی ہیں کہ افروادی قوت چاہے تھوڑی  
اور قلیل ہو اور اسلحہ چاہے مختصر ہو مگر قوت ایمانی کے بل بوتے  
پر اور اپنی عسکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمارا ہر  
فرد دشمن پر بھاری راہبہ اور اسی جنگ نے ثابت کر دیا کہ  
تمام تر جدید اسلحوں کی موجودگی کے باوجود جنگ توپ نہیں،  
توپچی لڑا کرتے ہیں۔

اپنی غفلت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔  
”یہ کہنا کہ بھارت نے چپکے سے ہم پر حملہ کیا ہے حقیقت

کو جھٹلانے والی بات ہے۔“

ڈھول بیٹھے اور نثار سے بجا۔

اور پھر۔۔۔ جاگتی آنکھوں سے

جائے تو ہندوستان سے ہماری

نہیں ہوا۔ اس جنگ کا سرا

واقعات میں کھرا ملتا ہے جنگ

نہیں ہوتا۔ اس تبصیف کی تاریخ سادہ ہے کہ ہندو نے بھی جی  
بدل جہاں سلمان کو قبول نہیں کیا بین الاقوامی اصولوں و ضابطوں  
پابندیوں اور حدود بدلیوں کی پہلے جو تھوڑی بہت شرم، لحاظ اور  
پاس احساس تھا۔ اس جنگ نے وہ بھی ہندو کے دل سے مٹا  
دیا ہے۔ آج اس کے پاس کشمیر کا بہانہ تھا۔ کل اس سے  
کم اہم بہانہ گھر کر وہ اپنی قوت کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ اس کی  
بلیا و نہایت ہے۔ وہ بار بار حملہ کرے گا اور ہم انشاء اللہ بار بار  
اسے دندان شکن جواب دیتے رہیں گے۔ اسی میں ہمارا ارتقا  
ہے۔ یہی ہماری سلامتی اور اتحاد کی کڑی ہے۔ اسی سے ہمارا  
نمناص بن دودھوگا اور قربانیاں دے دے کہ یہ قوم کھڑی چلی  
جائے گی۔ نہ کرنل سیال نے زور دیتے ہوئے کہا۔

تین چار دن ہم یوں مصروف رہے کہ کسی خاص تبدیلی کا خیال تک نہ آیا یعنی ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ دشمن سرحدوں پر اگلیا ہے تو اب کیا ہو گا؟ بھٹیا کے خط کے جواب میں میں نے بڑے عزم اور ایمان کے ساتھ لکھا تھا کہ پاکستان کے شہری بھی اپنے جیالے فوجیوں کے دوش بدوش اپنے وطن کی ایک اک انج زمین کے لیے جانیں قربان کر دیں گے۔ ہوائی حملوں سے سجاد کے لیے ہم نے گھر میں اگرچہ مورچے بھی کھدوا رکھے تھے لیکن انہیں کبھی استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ دس ستمبر کو انہوں نے ذرا رک کر اور ایک گری سانس بھر کر کہا۔

”سب بھٹیا کی شہادت کی خبر ملی تو یوں لگا جیسے جنگ کا رے آگن ہوا گئے تھے کچھ اے کے لیے اپنے بھائی کی محبت نے جوش پھر یہ سوچ کر کہ — کھیم کران سے

— اور ایک احسن رشید شامی ہی

طرح اپنی بہنوں کی عصمت نامیں

نہ ہوں گے اور پھر — جب میں

کے حوصلے، صبر و تحمل اور ضبط کو

دیکھا تو دل میں عزم و ہمت کی نئی مشعلیں جل اٹھیں پھر میں

محاذوں پر گئی — اپنے سینکڑوں بھائیوں سے باتیں کیں یہیں

اپنے سپاہیوں کو دیکھ کر تقویت ملتی اور جب انہیں پتہ چلتا کہ ہم

شہری بھی ان کے پیچھے اسی جذبے اور احساس کی مجمع فوجوں

کیلئے تھے تو ان گھروں کی گونجاہیں اور بھی خود اعتمادی جھلکے

لگتی — یہی چھوٹی چھوٹی وہ باتیں ہیں جو بڑی حقیقتیں بن جاتی ہیں

رفعت صاحب نے کہا: ”عام حالات میں ہم اپنے شعبے کی

لڑکیوں کو اکیلا و کھلا نہیں بھیجتے۔ ان دنوں میں نے دیکھا کہ شعبے

کے کھانڈرے اور شریرانے بھی اس وقت تک شعبے کا حصہ نہیں

چھوڑتے تھے جب تک تمام لڑکیاں اور ہم لوگ اپنے گھر کو

نہیں چلے جاتے تھے۔ ایک دن پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ سب ٹال

— میں اس جنگ کا معنی شاہد ہوں۔ اپنے ذہن کو میں ایک  
آلتر بری میسوس کرتا ہوں جس میں قوم کا سرمایہ محفوظ ہے میں  
انشاء اللہ جلد ہی اسے کسی کتاب کی صورت میں قوم کے  
سامنے پیش کر دوں گا تاکہ آنے والے مورخ کو حالات کی  
کڑیاں ٹھونڈنے میں دشواری نہ ہو

بات کو ختم کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ”اگر ہم اتحاد،  
تنظیم اور ایک ڈسپلن سے قوم کی بنیاد رکھتے چلے جائیں اور محنت  
محنت اور محنت کا درس داور رکھیں تو میرا ایمان ہے کہ پاکستانی قوم  
کو دنیا کی کوئی طاقت نیچا نہیں دکھا سکتی“

ڈاکٹر رفعت رشید

رفعت رشید

کی نگران اور کھیم کران

کی گفتگو، رکھ رکھاؤ

کا اس وقت اور خود اعتمادی

ان سے ملا تو اس مختار

نام پر یوں جھپکتی ہوئی

تھا، جیسے وطن کی پاک مٹی نے شامی شہید کے منبر کو لپیٹ

جھپک کر خود میں جذب کر لیا تھا۔

جنگ ستمبر کی بات چھڑی تو کہنے لگیں یوں سمجھئے کہ ایک

قاتلون ہونے کی حیثیت سے یا جنگ کے بارے میں کوئی تجویز

نہ رکھنے کی وجہ سے ابتدا میں کچھ گھبراہٹ سی ضرور ہوئی تھی مگر

یہ چند لمحوں کا تاثر تھا۔ یوں جیسے کسی خیال کی رول مارتی ہوئی گدڑ

جائے پھر مختلف شعبوں کے نگرانوں نے مل کر فوراً ایک جنگی

کھیتی بنائی اور یہ سوچا کہ ہم وطن کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ اور

پھر جب ہم پڑے اٹھے کر رہے تھے، سو بیڑ تیار کر اور کوارٹر

تھے۔ ریڈ کراس کے دفاتر میں حاضری دے رہے تھے تو یہ

احساس بار بار جاتا تھا کہ ہم اپنے وطن کے لیے کچھ کر رہے ہیں

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

فیروز گاہ  
ایک اور اہم کڑی



فیروز اللغات

عربی  
اردو

50 ہزار سے زیادہ

قدیم و جدید الفاظ، مرکبات اور اصطلاحات اردو معنی اور مترادفات

© اس لغت کی ترتیب و تالیف میں

مشرف: مولانا محمد رفیع الرحمن صاحب دہلی کونیا دارالادب ہے۔

مؤسس (تحصیل صبی)

تقدادہ کیا گیا ہے۔

عربی اردو

دربار اہتمام کیا گیا ہے۔

بے غمے ہیں۔ ہر فعل

تعدی، اور اگر متعدی

ہے تو اس کا اور اس کے ساتھ فاعل اور مفعول کا استعمال

کیونکر ہوتا ہے۔ دیکھ۔ ایسی خوبیاں ہیں جو

اس لغت کو دوسرے تمام عربی لغات سے ممتاز کرتی ہیں۔

کسی طباعت، کپڑے کی مضبوطی، قیمت 25.00

فیروز اللغات کی دوسری شہرہ آفاق لغات اور کتبیں

• فیروز اللغات آزاد جامع 30.00

• فیروز اللغات اردو روزہ پوری 6.00

• فیروز اللغات فارسی اردو 16.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

• فیروز سنہ اردو و انگریزی 12.00

حفاظت کے لیے پھرہ دیتے تھے۔ اس وقت احساس ہوتا تھا کہ ہم واقعی زندہ قدروں کے امین ہیں اور ہمیں صرف آزمائش اور امتحان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم اپنے اصول، اپنے نظریات اور اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے لڑے تھے اور خدا کے فضل سے ہم سرخرو ہوئے۔

جنگ کے خاتمے کی بات پر کہنے لگیں: ”ابھی جا رہے شہیدوں کے خون اور غازیوں کی قربانیوں کا مقصد یہی حاصل نہیں ہوا۔ یہ جنگ صرف سرحدوں اور علاقوں تک محدود نہیں یہ ہمارے اور ہندو کے درمیان ہر سبب و سبب کی نفرت کا ایک پتو ہے۔ ہم اس سے بھی زیادہ قربانیاں دے سکے ہیں مگر اپنے حق اور اپنے موقف سے ہٹنا نہیں چاہتے۔“

سہی۔ اس میں لاکھ مصائب طے رہے و منزل پائی لیتے ہیں تیسرے سوال کے ”بیات روز روشن کی کا مشاہدہ ہے کہ بھارت نے کیا ہم فطرتاً اور مسلکاً امن پسند

جائے گی تو ہم منہ تو جواب دیں گے۔ بھارت پھر ہمیں لگا رہے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پوری قوم، معاشرہ اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ والدین بھی شعوری طور پر کام کریں اور خود کو جنگی حالات کے لیے تیار کریں جس اہلیت اور صلاحیت کا ثبوت اس جنگ میں ملا ہے اس کی ترویج کریں اور انہی بنیادوں پر قوم کو تربیت دیں؟

چوتھا جواب ٹھوس اور مختصر تھا۔ ”ہم پاکستانی بھر حال اسلام کے علمبردار ہیں اور ہر دور اور ہر عہد میں کفر ہم سے برسرِ بیگاریا ہے۔ یہ کفر و اسلام کے معرکے دراصل انہی صلیبی جنگوں کی ایک کڑی ہیں۔ بات تو مل کی نہیں، بلکہ کون کس سے جنگ کرتا ہے مسئلہ تو نظریات اور



اردو انسائیکلو پیڈیا

فیروز گاہ

فیروز گاہ

فیروز گاہ

فیروز گاہ

فیروز گاہ

فیروز گاہ

فیروز گاہ



کے حملے نے مجھ پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ ہماری جان کا دشمن اور ہمارے خون کا پیا سا ہے اور ہمیں ہر وقت اس سے ہوشیار، خبردار اور محتاط رہنا چاہیئے۔

جب ہندوستان جیسا خونچکاں خنجر ہمارے سروں پر لٹک رہا ہو، ہماری جنگ کس طرح سے ختم ہو سکتی ہے؟ کوئی پاکستانی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ہماری جنگ ختم ہو گئی ہے یا ہو سکتی ہے۔ کسی سال کسی موسم میں کسی بھی وقت ہندوستان ہم پر پھر حملہ کر سکتا ہے۔ بھارت کی تازہ جنگی تیاریاں اس حقیقت کی ضامن ہیں کہ وہ ایک بار پھر پاکستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے میرے اندازے کے مطابق بھارت کا دوسرا حملہ مستقبل بعید

میں ہو گا۔ بھارت کسی صورت ہمسایوں کو بالعموم اور ہمیں کرنا۔ اگر پاکستان آگاہی رت کے ساتھ پورا نہ اترا رہے ہیں پڑ جائے گا بلکہ اس پوٹے چھوٹے ملک ہمیشہ

لے لیے میست و نابود ہو جا رہے ہیں۔ آئندہ نسل تو اپنی راہیں خود متعین کرے گی لیکن اس ضمن میں اگر کہیں ہم سے پوچھا جائے تو پاکستان کے دس کروڑ باشندوں کا ایک ہی جواب ہو گا کہ ملک خدا وادیں ہر شخص کو لازمی فوجی تربیت دی جائے۔ ۲۔ چھٹے پوٹے آہوؤں کی سونے خرم ماہی کی جائے۔ ۳۔ اپنی خارجہ پالیسی میں ان ملکوں سے ناٹھ ٹوٹتے ہوئے خوف و محنتوں کی بجائے جو بھارت اور اسرائیل کو پال رہے ہیں۔ ۴۔ سائنسی اور تکنیکی تعلیم کو چین کی طرح اونچے معیار پر لایا جائے اور ۵۔ چھ تہہ کے واقعے کو اپنی دھڑکنوں میں شریک کر لیا جائے۔ لیکن یہ ساری باتیں اسی وقت ممکن ہو سکیں

ایمان کا ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ اعلیٰ نظریات اور سچے مقاصد کی ہی فتح ہوتی ہے۔

آئندہ نسلوں کا ذکر کیا تو رفعت رشید صاحب نے کہا۔ ”ہمیں من حیث القوم اس کو کشش میں مصروف ہونا چاہیئے کہ اس جنگ کے ایک اک لمحے کو تاریخ میں ریکارڈ کر لیا جائے۔“ انہوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”ہم اپنے شعبے کے طالب علموں کے لیے انسانی موجودہ جنگ کے ہیروؤں کو اپنے ہاں مدعو کرتے ہیں۔ ان سے کھل ملی جائے گی ایک تقریب منعقد کرتے ہیں اور راج کے نوجوانوں اور کل مستقبل کے محافظوں کو ان جیالوں سے انہی کی زبانی ان کے کارنامے (جنہیں وہ بہادر سپاہی اور افسر اپنا فرض کہتے ہیں) سنوایے ہیں۔ یہ نئی نسل کو آئندہ کا معمولی سا عمل ہے۔ خدا کا۔“

## وقار عظیم پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

### اشفاق احمد

”ملکین شاہ“ جیسے  
کہ نہ مشرقی افسانہ نویس اشفاق

۱۔ ستیر کی جنگ کو میں اس ایب وجہ سے سہو سی ہیت دیتا ہوں کہ اس کی بدولت ہم میں قومیت کا احساس اور حب الوطنی کا شعور پیدا ہوا۔ پہلے بھی لوگ پاکستان کے شیدائی اور وطن عزیز کے عاشق تھے لیکن ملک سے ان کی محبت اور شہنشاہی انفرادی حیثیت کی حامل تھی۔ ایک قوم اور ایک گروہ کی حیثیت سے پاکستان کے افراد ستمبر ۶۵ کے بعد ہی وجود میں آئے ہیں۔ اس جنگ کے بارے میں میرے تاثرات بڑے متنوع قسم ہیں۔ ان کا احاطہ اتنے مختصر وقت میں ایسی مختصر سی تحریر میں نہیں کر سکتا۔ ایک بات البدن عرض کرتا ہوں کہ پہلے میں کچھ آفاقی قدروں اور عالمگیر آورشوں کا قائل تھا لیکن ہندستان

صحت نے انتشار پیدا کیا۔ اور پھر جنگ کے دنوں میں میں نے مانچسٹر گارڈین، اکنامسٹ، ٹائم اور نیوز ویک پڑھے۔ ایسی صورت میں اس جنگ کے بارے میں جسے جدی بصیرت ہی کے ذریعہ جانا جا سکتا ہے، میرے تاثرات کیا معنی رکھتے ہیں۔ میں یا تو یہ کہوں گا کہ پاکستان بھارت کے عوام سے نہیں بلکہ سامراجی طاقتوں سے، سامراجی طاقتوں کی ایجنٹ بھارتی حکومت سے لڑ رہا تھا۔ یا یہ کہوں گا کہ ہمیں جنگ سے نفرت ہے۔ ہم نے تو امن کی بقا کے لیے یہ جنگ لڑی تھی۔ یا یہ کہوں گا کہ ستمبر ۶۵ کی جنگ میں پاکستانی قوم نے اپنے آپ کو دریافت کیا ہے۔ یہ اس عمدہ

کے ... ..

۱۔ مؤخر الذکر

۲۔ ہاتھوں ختم

۳۔ واردات کو

۴۔ شہادت دے

۵۔ سے عاری

۶۔ پھر اعلان

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

تاشقند نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟

تاثرات سپاہیوں کے معنی رکھتے ہیں کہ انہوں نے جنگ لڑی۔ ان سادہ و معصوم عام لوگوں کے معنی رکھتے ہیں جنہوں نے کھلی آنکھوں سبز پوش سواروں کو دیکھا۔ ان نیک سپاہیوں کے معنی رکھتے ہیں جنہوں نے خواب دیکھے، بشارتیں پائیں اور جنگ کو روحانی واردات کے طور پر قبول کیا۔ ان کے تاثرات کے ذریعے شاید اس جنگ کا تجربہ صحت کے ساتھ مرتب ہو سکے۔ لیڈروں ادیبوں اور دانشوروں کے تاثرات کیا معنی رکھتے ہیں کہ وہ توحیدی بصیرت سے محروم ہو چکے ہیں اور ٹائم، اور مانچسٹر گارڈین، کوسند جانتے ہیں۔ میں بھی بے بصیرت

بہ اس ملک سے دولت کی نامہوار تقسیم ختم ہو گی برتری کے معیار تبدیل ہو جائیں گے۔

انتظار حسین

معروف افسانہ نویس اور کالم نگار انتظار حسین جواب دیتے ہیں:

آپ نے جنگِ ستمبر کا ذکر چھیڑا تو مجھے معاہدہ حقان یا جو جنگ کی زد میں آئی ہوئی ایک بستی سے نکلنا اور اس کے سر پر رکھا ہوا بھاری ٹھکر دھکم پیل میں اٹھا۔ اس افراط فرمی میں کون اس کا گھڑا اٹھوانے رد کرتا اور اس دو حقان نے بعد میں ...

و میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑے

بیب تن کیے گھوڑے کو سرے

اس کے پیچھے دو جوان ہیں چانا

رکی قبائیں سفید گھوڑوں پر

تے گزرتے تلوار کی نوک سے

دیا اور آگے نکل گیا پیچھے پیچھے

۱۔ دیکھا کہ وہ سیدھے محاذ کی طرف چلے جا رہے ہیں۔

جنگِ ستمبر کا یہ مشاہدہ اس شخص کا ہے جو نہ کسی کالج

ی داخل ہوا تھا، نہ دانشوروں کی صحبت میں اٹھا

نا۔ اور اسے مطلق پتہ نہیں تھا کہ اس جنگ کے

میں مانچسٹر گارڈین، کیا لکھ رہا ہے، اکنامسٹ کیا

ہے اور ٹائم کا کیا تبصرہ ہے۔ اس نے جنگ کو اپنے

ماتواں کے ساتھ محسوس کیا، ایک عقیدت مند

والی نظر سے مشاہدہ کیا اور اپنی سیدھی سچی تصویر

میں ... اسے بیان کر دیا۔ مگر میرا معاملہ تو بہت

ہے۔ اور میری جدی بصیرت میں پہلے کالج کی تعلیم

رہت والی۔ ہم دانشوروں اور ادیبوں کی بے بصیرت

چھب جوڑیاں کے وہ ہرے بھرے مانوس ستے ہادی  
نظروں سے اوجھل کیوں ہو گئے اور اس شاداب فضا میں  
اڑتی ہوئی فاختا بی بی ہم سے قریب آ کر دو کیوں ہو گئیں  
امن کے تقاضے اپنی جگہ مگر آدمی اپنی قبروں اے  
فاختاؤں کو تو فراموش نہیں کر سکتا۔ ان کی قیمت پر کوئی صلہ  
نہیں ہو سکتی۔ شاید میں دوسرے سوال تک آ گیا ہوں  
باقی سوالوں کے متعلق میں کچھ نہیں کہوں گا کہ وہ لیڈروں  
اور محققوں کا علاقہ ہیں۔

### الطاف فاطمہ

ایک مقام، زمانہ کالج کی پروفیسر اور ناول انجیل

۱۰

ال یا سیاست دانوں سے  
روں سے کرنے کے ہوئے  
سوال کرنا بالکل ایسا ہی ہے  
رے پر آگ لگ جائے  
اس آگ پر قابو پالے

اس سے آپ پوچھنے بیٹھ جائیں کہ اس وقت تمہارے  
تاثرات کیا تھے یا اب کیا ہیں۔

مذہبات یہ ہے ہم پر ایک حملہ ہوا اور ہم نے دفاع  
جنگ لڑی جو قابل ذکر اعزاز میں یادگار طریقے پر لڑی گئی  
لیکن اس جنگ میں خون ہما تھا وہ فقط اس لیے نہیں  
کہ سال بسال رسالوں کے نمبروں میں اس یادگار سترہ  
واردات کا کچھ تذکرہ اور اس بارے میں تاثرات ملے  
ایک نمبر نکال دیا جائے .... بیخون کسی زیادہ گہرے  
مخلص جذبے کو فروزاں کرنے کے لیے ہمارے ایک  
صرف سرفروشی ہی کے لیے نہیں زیادہ لطیف و شرمیلے  
اور جذبات کے لیے۔ اور وطن کی سرزمین کے تقدس

### وقار عظیم

### پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

لوگوں میں سے ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ وہ جنگ کیا تھی  
بشارت کا ایک منور لمحہ تھا جو جاگتے سپاہیوں اور خواب  
دیکھتی ہوئی بیبیوں کو املا مال کر گیا اور مجھے سوتا دیکھ کر  
برابر سے گذرا چلا گیا۔ اور اب وہ جنگ کا پورا زمانہ میرے  
لیے ایک خواب ہے۔ کبھی خواب کا ایک ٹکڑا ابھرتا ہے  
اور فضائے یاد میں بادل بن کر چھا جاتا ہے اس وقت مجھے  
چھب جوڑیاں کے وہ راستے یاد آ رہے ہیں جن پر میں  
فاز بندی کی ایک ڈھلکی سہ پہر میں ایک قافلے کے ہم  
رکاب گزرا تھا۔ میں اس گزریے دن کی آہستہ سنتا ہوں۔  
ان رشتوں پر اٹھتے ہوئے قدموں کی چاپ، فاختاؤں  
کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ، اکیس، تھوڑا، قطار۔ اور  
قبروں کے سرمانے لکھ

دوستو، یہ ہمارے ان  
نے چھب پر پہلا ہلہ  
راہیں ہم پر کھول دیں  
یہ وہ نہیں جانتا۔ مگر وہ  
کی قبریں ہیں۔ اور ہم پاک  
دشمن کے قبضے میں نہیں چھوڑا کرتے اور اپنے رفیقوں  
کی قبریں غیروں کے حوالے نہیں کیا کرتے۔ یہ قبریں چھب  
کے علاقے میں داخل ہوتے ہی نظروں کے سامنے طلوع  
ہوتی ہیں۔ پھر گھنے درختوں میں چھپے ہوئے گھوم کھاتے  
رستے، قدموں کی چاپ اور فاختاؤں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ  
فاختا بی بی یہاں کتنی بہت سی ہیں۔ فاختا بی اور نیل کنٹھ  
اور نیل کنٹھ کہیں ایک وہم اور اندیشے کے ساتھ دیکھتا  
ہوں۔ کہیں وہ ہمارا رستہ تو نہیں کاٹ جانے لگا۔

یہ بات مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ کسی نیل کنٹھ  
نے ہمارا رستہ نہیں کاٹا تھا۔ اور میں حیران ہو کر سوچتا  
ہوں کہ یا اللہ اگر نیل کنٹھ نے ہمارا رستہ نہیں کاٹا تھا تو

سنجیدگی کوئی معنی رکھتی ہوتی تو ہم اس کی روشنی میں دیکھتے کہ جنگ تو چار کھونٹ جا رہی ہے لیکن ہم تو ستّرہ روزہ جنگ لڑ کر کامیابی کے سرور میں کچھ اور زیادہ مدہوش ہو گئے۔ ”میں اس کا جواب کئی وجوہ کی بنا پر نہیں دے سکی اول یہ کہ تازہ ترین کی جو شرط آپ نے لگائی ہے وہ شرط میں نہیں پورا کر سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دھمکیوں کی خبر کو یوں بھی نظر انداز کر دینا چاہیے کہ دھمکیاں انسان کو پست ہمت بنا دیتی ہیں۔

آپ کے اس سوال کا جواب میں یوں نہیں دوں گی کہ میرے نزدیک یہ سوال مہمل ہے ”صلیبی جنگ“ میں صورت حال قطعی مختلف تھی۔ اب آپ اس کو زیادہ سے

ہم کو مسلم تر اور عزیز تر بنانے کے لیے اور جب وطن کی سرزمین کے تقدس اور سالمیت کا نام آجاتا ہے تو ہر جہیں کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ اور کتنے بہت سے مواقع اور ملاقات سے دستبردار نہیں ہونا پڑتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس لٹکار اور خون شہیدان نے ہمارے اندر زمین وطن کو تقدس کا صحیح احساس و تصور پیدا کر دیا یا نہیں؟ کسی کے خیال کرنے نہ کرنے سے جنگیں نہ ختم ہوا کرتی ہیں اور نہ ہی جیتی یا ماری جاتی ہیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ سرحدوں کے انسانی حملوں کا اور جنگ جاری رہنے اندر رہنے کے اندیشے میں تو ہم گھلے جا رہے ہیں لیکن ہمارے بیرونی چاروں طرف سے سماج دشمن رجحانات اور افعال اور کاروبار دین رات چھپے

ہمارے ذہن فکر اور کرد  
لوگوں کی فکر ہی نہیں کرتے۔ اگر

مل کے لیے ایک ہی  
بت کی قدر پہچانو۔

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

عنایت

ایک اور جیتی کتاب

”کی ولینز“

ستمبر کے آخر میں شائع ہو رہی ہے

میں عنایت اللہ

پڑھا تھا۔ اب

لاہور کی دلیلیز

شہید ہونے والے ایک سوچے جاننا زوں کی شہادت

کی ولولہ انگیز اور جذبات میں زلزلے پا کرنے والی داستانیں

جن میں ہر ایک شہید کا نام، ہمد اور گاؤں بھی دیا گیا ہے۔

بانا پور کے پل کو آخری دم تک بچا ہے

دکھنے والوں کے معرکوں کا لمحہ بہ لمحہ

آنکھوں دیکھا حال اور ان کی آخری باتیں

• ایجنٹ حضرات آرڈر بک کرا لیں •

دعوت سے کتاب منگوانے والے حضرات ابھی

— اپنے کارڈ بکے کرا لیں —

مکتبہ داستان • ایڈیٹر شائع ناشر جناح لاہور

# شہید کے مات

تیسرے سینے میں درخشاں — سینہ شمشیر ہے  
 دہلاؤں شہیداں — تیری موجِ شمشیر ہے  
 عظمتِ حق کی تہمتی — منکرِ نرانی میں ہے

یہ ہے

وقارِ عظیم

ن میں

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ہی تری

زندگی تیری سہیلی — موت تیری غامہ زاد  
 مریم ایتار و جہر و زورِ روحِ تخلیق و حیات  
 جنبشِ مرگاہ میں تیری پرفشاں ہے کائنات

جلوہ رنگِ شہادت — دامنِ گلشنِ ترا

پرچمِ فوجِ شہیداں — گوشہٴ دامنِ ترا

# شہید کی ماں

غمزدہ بھی ہے، شاد ماں بھی ہے  
 مامتا کی بجھی بجھی سی آگ  
 مسطون بھی ہے، سوگوار بھی ہے  
 گھر سے سونا مگر ہے دل آباد  
 شعلہ گل بھی ہے، دھواں بھی ہے  
 ایک اک سانس میں ہے دیکھا لگ  
 کچھ خزاں بھی ہے کچھ بہار بھی ہے  
 ذہن و فکر آشنائے ناز جہاد  
 دھوپ جاڑے کی جس میں اب بھی ہے  
 غم بھی، شکر بھی ہے، صبر بھی ہے

دل

درد

ذکر

حق

اپنے

آنسو

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

رخ پر غارہ ہے حسن عصمت کا  
 ہے جہیں پر گلزارِ غیرت کا  
 کیا ضرورت ہے اس کو پرے کی  
 ہے یہ ماں اک شہید بیٹے کی

ماہر القادری

# شہید کی ماں

میرا فرزند ہوا شوق سے شہر بان وطن  
میسری مٹی سے اٹھا مہر درخشاں وطن  
شیر مادر نے یہ تاثیر دکھائی اپنی  
کام اسلام کے آئی ہے کما لئی اپنی  
میسرے مشوہر کے لہو نے یہ دکھایا اعجاز  
میسرے بیٹے کو شہادت کا ملا ہے اعزاز

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

دور اس کا ہے مرے سب دوستاں سرور  
یہ ہے زخمِ دلِ مادر کے لیے مرہم نور  
مادریت کو بڑا رتبہ دیا ہے اُس نے  
نامِ ملت کا سرا فراز کیا ہے اُس نے  
صورتِ اس کی مرے جذبے جو دکھاتے ہیں مجھے  
ہلے انوار کے ہر سونے نظر آتے ہیں مجھے

عبدالعزیز فطرت

سرحد

# ایک کوئی روک سکا

عنایت اللہ



پریس کانفرنس میں پاک فضائیہ کے ایک نمائندہ راجیٹ ایئر مارشل نور خان نے کہا تھا — ”میری مشکل یہ نہیں کہ میں اپنے ہوا بازوں کو میدان جنگ میں کیسے دھکیلوں بلکہ میری دشواری یہ ہے کہ انہیں بڑھ بڑھ کر حملے کرنے سے روک کر رکھوں؟“

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

اور بھارت کے ہوائی والے اور دشمن پر دھکیلوں کی طرح کرنے والے شاہبازوں میں شہید تھنا جو ایئر مارشل نور خان بڑھ بڑھ کر حملے کرنے سے روک

پر واز پر کیا اور لوٹ کے نہ آیا لیکن اس نے جس مقصد کے لیے زندگی کی آخری گھڑیاں وقف کر دی تھیں وہ مقصد پورا ہو گیا — جام نگر کا فضائی اڈہ جھلسے ہوئے بھیانک کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔  
بمبئی کے قریب جام نگر بھارت کا ایک مضبوط اور اہم ہوائی اڈہ تھا جہاں کے لڑاکا بمبار طیارے کراچی اور سابق سندھ کے دور دور تک کے علاقے کو بمباری کی زد میں لے سکتے تھے۔ کراچی کی بندرگاہ اور ساحلی دفاع کو اس اڈے سے شدید خطرہ تھا۔ واکار کا رٹار اس اڈے کے ہوائی پڑے کی راستہ بنائی کرتا تھا جس سے جام نگر کے اڈے کو پاک فضائیہ کے بمباروں کے حملے کی اطلاع قبل از وقت مل جاتی تھی۔

دنگ کا نمائندہ انصاری نے ہی متبعیہ عالم صدیقی شہید کو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے سے روکا تھا لیکن وہ ہر بار مسکرا کر کہتا تھا — ”نہیں، میں تھکا تو نہیں ہوں“ — اس جانباز شاہباز کے بمبار طیارے (بی ۷ھ) کے گراؤنگر بمبوکا کہنا ہے کہ بھارتی حملے کی اطلاع ملنے ہی سکواڈرن لیڈر صدیقی شہید پر جنوبی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ بمباری کے ایک حملے سے واپس آتا تھا تو اس کے منہ سے یہی ایک بات نکلتی تھی — ”بم لگاؤ جلدی“ — اور وہ دوسرے حملے کے لیے چلا جاتا تھا۔ اس کے لیے دن اور رات کی تیز ترنم جو گئی تھی۔ بمبار طیارہ اس کے حجم کا حصہ اور اس کی زندگی کا لازمی جزو بن گیا تھا۔ اسی جنوں میں وہ بمباری کی آخری



لیے "رن وے" کی طرف جارہے تھے۔

میں نے پاک فضا تیبہ کے اس اڈے کے چند ایک گراؤنڈ کریمو اور دو تین افسروں سے پوچھا کہ ان طیاروں کو جانا دیکھ کر ان کے ہوش کیوں بل رہے تھے؟

"میں آئینہ لکڑی پڑھ رہا تھا۔ ایک نے کہا۔

"میں یاقوتی و یاقیم پڑھ رہا تھا۔ دوسرے نے کہا۔

"میں سوزن سلین کا ورکر رہا تھا۔ تیسرے نے کہا۔

"باخدا تے ذوالجلال .... تیسرے نے جواب دیا۔

"میری زندگی ان چھ شاہبازوں میں تسلیم کروے .... میرے

ہوٹوں سے یہی ایک دعا بھلتی جا رہی تھی؟

.....

پچوں کا کھیل نہیں تھا۔ جو تھے

نہیں تھا کہ ہمارے شاہباز واپس

کا ریڈار تھا جو مغربی پاکستان

فائدہ اٹھاتا تو رڈیارتھ تھا کہ

اڑتے ہی ہمارے طیارے اُسے

رو تاج پڑے جا رہا تھا؟

میں نے نعرہ نہ لگایا کسی نے کوئی

اونچی بات دی۔ خاموشی دعا میں جو مبارکبادوں کے دھوئیں

کے ساتھ آسمان کی طرف جا رہی تھیں۔

جب طیارے "رن وے" کی طرف گئے تو ہوائی اڈے

کے سٹیشن کمانڈر نے ہاتھ ملا کر انہیں خدا حافظ کہا۔ یہ ایک

انوکھی سی بات تھی۔ روزمرہ کی پرواز پہ جانے کوئی کسی کو

الوداع نہیں کہا کرتا تین اس روز بات کچھ اور تھی۔ سکواڈرن

لیڈر شعیب عالم صدیقی شہید نے وائرلین پرنس کر کہا۔ "بوڑھے

سٹیشن کمانڈر سے ہاتھ ملا کر الوداع کہلانے کے لیے غالباً جنگ

ضروری تھی۔" صدیقی شہید خاصا خوش گفتار انسان

تھا۔ اس کی باتوں میں مزاح کا رنگ غالب ہوتا تھا۔ وہ نازک

کے ایک خطرناک ترین حملے پر جاتے بھی مذاق کے موڈ میں

دوا کا جام نگر کا حصار تھا۔ اسے بھی توڑنا ضروری تھا اور جام نگر کو تباہ کرنا اس سے زیادہ لازمی۔

دوا کا کے ریڈار کی موتو دگی میں پاک فضا تیبہ کے

مباروں کا جام نگر پر حملہ خدوش اور پرخطر تھا۔ کوئی نہیں

کہہ سکتا تھا کہ ہمارے مبارک دوا کا جاکر واپس آسکیں گے یا

نہیں کیونکہ دوا کا کے ریڈار کی وجہ سے سب کو یقین تھا

کہ جام نگر کے ہوائی بیڑے اور طیارہ شکن گولوں نے ہمارے

مباروں کو ختم کرنے کا پورا انتہام کر رکھا ہوگا اور ان کا دفاع

منظر ہوگا۔

اس یقینی خطرے کے باوجود ۲۴ ستمبر دن کے تیسرے پہر

جام نگر کے ہوائی اڈے پر درباری کرکٹ گراؤنڈ پر

کے لیے چھ مبارک دوا

اور نیوی گیسٹوں کو

تختہ سیاہ پر نقشہ بن

گیا۔ مبارک طیارے۔

کتنے گئے تھے۔ شاہ

کھڑا ہے اور انہیں

ساتھ کس قسم کے ہم لگائے گئے ہیں۔

ذرا ہی دیر میں جیسے شاہبازوں اور نیوی گیسٹوں کو

ان کے طیاروں کی طرف انتہائی رفتار سے لے جا رہی تھیں

اور متوڑی دیر بعد چھ کے چھ مبارک طیارے حبیب گولڈا ہسٹ

سے شارت ہوئے۔ طیاروں نے دھوئیں کی سیاہ گھٹائیں

اگلیں جو فضا میں پھیلنے لگیں۔ ہوائی اڈے پر اور کوئی آواز نہیں

سنائی دے رہی تھی۔ کوئی انسان اونچی آواز سے بول نہیں رہا

تھا۔ سب پر سیمائی کسی کیفیت طاری تھی اور سب کے ہونٹ

بل رہے تھے۔ آنکھیں مٹی ہوئیں اور نظریں اُن چھ مبارک

طیاروں کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں جو جام نگر پر بھاری

مباری HEAVY BOMBING کے پہلے حملے کے

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

یہی یہ ذرا ذرا سی کشتیاں آج عظیم اہمیت کی حامل ہو گئی تھیں۔ دُور پر سے پاک بحیرہ کے جنگی جہاز ارضِ پاک کے دفاع کے لیے سمندر میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ ان کی توہین و دشمن کے انتظار اور تلاش میں بے تاب ہیں۔ بڑی توپوں کے دھانے صاف نظر آ رہے تھے۔ ان کے انداز میں قہر و غضب تھا۔

اور جس وقت یہ چھوٹا سا جہاز جامِ نگر پر لمباری کے لیے جا رہے تھے، سکواڈرن لیڈر حیدر کا سیدر سکواڈرن پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے کا صفایا کر رہا تھا۔ یہ پہلی ضرب سیدر تھی جس نے بھارت کے ہگ بڑے کو زمین پر ہی جھسم کر دیا اور دشمن کے ہگ بڑے کو زمین پر ہی جھسم کر دیا۔ یہ سب سے پہلا ہگ بڑا تھا۔

یہ ہگ بڑے کے لیے جامِ نگر

خاموش تھے کوئی شاہباز

ہی میں جا لیں۔ صرف

فی ضروری تھی۔ ہم

ہم۔ طیارے زمین

عزوب ہونے والا تھا۔

چنانچہ اب کوئی سمندر اور کوئی جزیرہ نہ تھا۔ طیارے آباد زمین پر اڑ رہے تھے۔ سڑکوں پر بسوں، بیل گاڑیوں، انسانوں اور مویشیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ بھارت کے ان قریب نووہ عوام کو شاید علم ہی نہ تھا کہ ان کے ایک ہوائی اڈے پر کیا کیا ہوتے ہوئے والی بے یاساں دہائیوں نے اس زخم میں مبتلا کر رکھا تھا کہ وہ پاکستان کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر لیں گے اور انہیں خوابی وار کرنے کے قابل ہی نہیں رہنے دیں گے۔ بہر حال سڑکوں پر بھارت کے لوگ اس تلخ حقیقت سے بے خبر تھے۔ بے دھڑک آ جا رہے تھے کہ ان کی فوج پاکستان کی سرحدوں پر کھڑی رہی ہے اور ان کے مکرانوں کا تعلق انہیں ہو گا مارنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ کروڑوں، اربوں روپوں کا اسلحہ،

تھا۔ وائرلیس پر ایک دو لمحے اس کی مہنی کی سس سس سنائی دیتی رہی تھی۔ وہ زمین اور پائلٹ بھی وائرلیس میں سنتے رہتے سنائی دیتے۔ اس سے سبب کی کیفیت اور اعصابی تناؤ میں خاصی کمی واقع ہو گئی۔

طیارے ایک دوسرے کے پیچھے زن وے پہ آتے تھے۔ اٹل کھلے، انجنوں نے دل دہلا دینے والا شور بلند کیا اور فائر میٹن لیڈر کا طیارہ تیز دوڑتا، اور تیز، اور تیز، فضا میں بلند ہوتا اور فضا کو چیرتا۔ سب سے پہلی سمت چھوٹا ہی چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے دوسرا اور اس کے پیچھے سکواڈرن لیڈر شہید عالم صدیقی شہید کا لمبار غانا، گر جتا، قہر و غنا کے سیاہ آگ بگڑنے کی مانند فضا

چھ کے چھ طیارے فضا میں

ذرا دیر بعد اپنی پر سیاہ و صوا

و جھٹے بھی نظروں سے اوجھل

بار بھی سکوت طاری ہو گیا۔ پٹ

جو بگڑنے پہا تھے ان کی بھی

بمبار طیارے فضا کی کم

دشمن کے ریڈار کی نظروں سے بچے رہیں۔ کراچی کا سب کا مہر پرور شہر دُور پیچھے رہ گیا۔ نیچے سمندر اور چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے۔ شاہبازان جزیروں پر کبھی بار اڑتے رہے تھے لیکن ان پر ایسی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوتی تھی جو اس روز طاری ہو رہی تھی۔ آج شاہبازوں کو یہ دلدلی جزیرے بڑے ہی پیارے لگ رہے تھے۔ آج وہ پہلی بار دل کی گہرائیوں سے محسوس کر رہے تھے کہ یہ جزیرے اور ان کے ارد گرد پھیلا ہوا نیلا سمندر ان کے وطن کا حسن اور آبرو ہے جس کی خاطر وہ جان کی بازی لگا دیں گے۔ سمندر میں انہیں ماہی گیری کی معموم معصوم سی آبادی کشتیاں بھی نظر آئیں جو چھ ستمبر کے روز بھی پھیلیاں پکڑنے لگی تھیں۔ شاہبازوں کے

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

گراتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد شاہبازوں کے طیارے بموں سے خالی ہو گئے۔ وہ دور دراز چلے گئے اور نیچے دیکھنے لگے۔ نیچے جہاں کا منظر ذرا دیر پہلے خوبصورت تھا اب سیاہ دھوئیں میں روپوش ہو چکا تھا۔ کوئی بھی نہ لگن سکا کر کتنی جگہوں سے دھواں اور شعلے اٹھ رہے ہیں۔ دراصل جام نگر اس کیفیت میں زیادہ حسین لگتا تھا۔

دوار کے ریڈار کی آنکھوں میں وصول جھونک کر پاک فضائیہ کے شاہباز واپس ہوئے۔ انڈین ایئر فورس کے کسی لڑاکا سکواڈرن نے ان کا تقاب ز کیا۔ دشمن کا کوئی طیارہ فضا میں نظر نہ آیا۔ نظر کہاں سے آیا؟ جہاں سے انہیں گھٹائیں تھیں۔

ابھی تک سکوت طاری تھا۔

لہلہ اور اڑے پر دوسرے

کان آسمان کی آواز پہ لگاتے

جبر سے پردوں کو چاک کرنے

نخنے میں دُور سے کچھ ایسی

آواز سنانی دی جیسے کوئی تلٹنا ناچلا آ رہا ہو۔ یہ مترنم سی آواز

بلند ہوتی چلی گئی اور گرج بن گئی پھر ایک زناٹہ سنانی دیا۔ اس

کے پیچھے دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا زناٹہ —

اڑے پر ہڑ بڑ بگمگم میٹ گئی۔ سینوں میں جو ہلگائے رکے ہوئے

تھے اُبل کر باہر آ گئے۔ فتح اور مسرت کا ایک غوغا تھا جس سے

ہوائی اڈہ گونج اور گرج رہا تھا۔ — آگئے۔ آگئے۔ ....

سارے آگئے۔ — پورے بچے — سارے بچے گرا آئے۔

شاہباز اور نیوی گیٹ کو دکر طیاروں سے اترے اور کربوروم

میں آکر ایک دوسرے سے لنگیر ہونے لگے۔ — وہ جام نگر

پر کاری ضرب لگا آتے تھے۔

جام نگر ایک وسیع اور مضبوط اڈہ تھا جس پر مزید جہازوں

طیارے، ٹینک، توپیں اور بھارت کی لاکھوں ماؤں کے ارمان، پاکستان پر حملہ کر کے پاکستانیوں کے ہاتھوں تبہ لڑ رہا ہے۔

سورج ابھی ڈوبا نہیں تھا کہ شاہبازوں کو جام نگر کا ہوائی اڈہ نظر آنے لگا۔ عالم صدیقی شہید ہدایت کے مطابق طیارے کو حملے کی پوزیشن بے لگیا۔ ہر ایک شاہباز کو ترتیباً پوزیشن الاٹ کی گئی تھی۔ نیچے منظر اس قدر خوبصورت تھا کہ صدیقی شہید کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ وائرلیس پر خاموشی اختیار کیے رکھنی ہے۔ وہ وائرلیس پر بول پڑا۔ — ”بہت خوبصورت منظر ہے۔ تاگیٹ خوب نظر آ رہا ہے۔ ہم اسے تباہ کر لیں گے۔“

تارگیٹ کے قریب جا کر طیارے ایک دوسرے کے

پیچھے تیروں کی طرح فضا میں

پیچھے ونگ کمانڈر سیدان

شہید لیڈر نے طیارے کو

لگا۔ نیچے سے طیارہ شکن گنز

فضا میں ٹرلیر ایئریشن کی

نوپوں کے گولے فضا کے

ہناہٹ اطمینان سے ہم گرا دیے اور آگے نکل گیا۔ اس کے پیچھے

دنگ کمانڈر انصاری نے اپنے تارگیٹ پر ہم گرا دیے۔

شہید عالم صدیقی شہید چونکہ پیچھے تھا اس لیے اسے ان

دونوں کی بمباری نظر آ رہی تھی۔ اس نے حوصلہ افزا اور شگفتہ

آواز میں کہا۔ — ”بم ٹھکانے پر جا رہے ہیں۔ نہایت صحیح

بمباری ہے۔“ اور وہ خود دم گرانے کے لیے اپنے تارگیٹ

کی طرف بڑھا۔ اس کے ہم بھی اپنے پہلے دوسا جہتوں کی طرح

ٹھکانے پر گرے۔ اس کے پیچھے تین اور بمبار تھے۔ طیارہ شکن

شین گنز اور توپوں نے انہیں مار گرانے کی بہت کوشش کی

لیکن شاہبازوں کی پرواز میں بال برابر مزاحمت نہ ہوئی۔ وہ

پورے سکون، اطمینان اور ماضی دہائی سے تارگیٹ کو دیکھ کر ہم

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام



موت نے کا عادی نہیں تھا، بادلوں کے نیچے چلا گیا ہوگا۔ اس قدر نیچے کہ اپنے ہی بھوں کے پھٹنے سے اس کا پیارہ زو دیں آگیا ہوگا۔

سکواڈرن لیڈر شبیر عالم صدیقی فرض کی لگن اور حب الوطنی کے جنون میں شہید ہو گیا اور اپنے مبارک دمک کے لیے جان بازی کا ایسا معیار قائم کر گیا جس کے تحت مبارک شہبازوں نے بھارت کا کوئی ہوائی اڈہ سلامت نہ رہنے دیا۔

جانتے تھے۔ محرم صدیقی شہید کے پیارے کی آواز نہ سنائی دی نہ اس کا پیارہ نظر آیا۔ ان میں سے کوئی بھی اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ سکواڈرن لیڈر شبیر عالم صدیقی شہید بھی واپس نہ آئے گا۔

شہبازوں کا خیال ہے کہ تاریکیت پر بادلوں نیچے اور گہرے ہو گئے ہوں گے اور عالم صدیقی شہید جو ہر کام کو بالکل صحیح طریقے سے مہر سجام دینے کا عادی اور خطرات سے مزہ

## متغذ کیوں؟

جزائے مہر سہنے نے ایک جگہ تغذیہ کرنے ہوئے کہا کہ ہر گز تب تک ہر کے چند روزہ بعد پاک فوج کے کچھ افراد اور جوانوں کو بہادر رہنے کے تغذیہ دینے کے تقریب منعقد کر کے گئے۔ یہ تغذیہ دینے کا نام معلوم ہوا کہ تغذیہ دینے والا ایک سپاہی فرما رہا ہے۔ وہ بہتہ دیر بعد کیا تو اسے مرزاشہ کے کچھ ایسے نے پرید سے میرے حاضر کے کھانے مانفہ

## وقار عظیم

ہٹایا  
رنگی

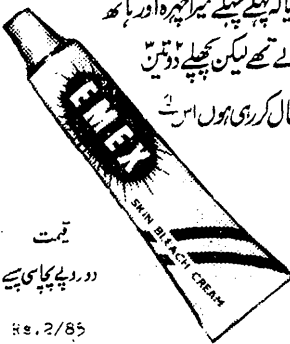
پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

لیڈ

اس لئے کہ خاتون کا چہرہ اور ہاتھ تو خوب گورے تھے لیکن بقیہ جسم بہت سانولا تھا لیڈی ڈاکٹر نے اس کی وجہ پوچھی تو خاتون نے بتایا کہ پہلے پہلے میرا چہرہ اور ہاتھ دھوپ کی وجہ سے میرے بقیہ جسم سے بھی زیادہ کالے تھے لیکن کچھلے دو تین سال سے میں باقاعدگی کے ساتھ ایمکس کریم استعمال کر رہی ہوں اس لئے میرا چہرہ اور ہاتھ خوب گورے ہو گئے ہیں۔

ایمکس کریم رنگ گوراکرتی ہے  
داغ دھبے دور کرتی ہے۔

بھائیاں صاف کرتی ہے۔



قیمت  
دو روپے پچاس پیسے

Ne. 2/85

# عادل، آصف اور عاقل

بگیم جیہا منظور

پھر اس نے ہمیں وہ مٹی دکھائی جو  
بڑھیا کے شہید بیٹوں کے خون  
سے رنگی ہوئی تھی۔

چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

سیاکوٹ پہنچ کر سب سے پہلے میں نے حجیم غلام حسین  
کو دکھانے کا پروگرام بنایا اور میں مجاہد سپاہی کے سہرا حجیم صاحب  
کے مطب میں پہنچ گئی۔ پر بد قسمتی میری کہ مطب خالی پڑا تھا حجیم  
صاحب کے اچانک چلے جانے پر ماتم کر رہا تھا۔ میرے دل  
ب میں زندگی بھر

اچانک چلے جانا میرے  
لگا گئے قریب ہی  
بچھ لیا۔ وہ یوں گھبرا  
سے گی۔

نے کی دوسری پیش کش  
وہ جہاں ۱۹۶۱ء

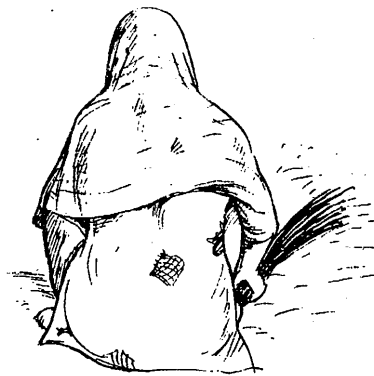
کی جنگ میں ہمارے جانا زوں  
نے خون کے نذرانے دے  
کر پاکستان کی عزت و آبرو کو  
بچا لیا تھا۔ ان انماط کو ادا کرتے  
وقت مجاہد سپاہی کا چہرہ خوشی  
سے چمک اٹھا یہ فوج کی سیرت  
تھی۔ میرے دل میں پاکستان  
کے جانا زوں کا میدان کارزار  
دیکھنے کی آرزو کبھی کی تڑپ  
رہی تھی میں بے اختیار چلا

مدت بعد یہ مجاہد سپاہی میرے گھر آیا تھا۔ میں تو کب  
سے اس کے آنے کی آرزو کر رہی تھی جنگ سے آنے والے  
مجاہد تو قاتل تعظیم ہو تے ہیں اور پھر یہ تو میرا اپنا ہی خون تھا۔  
ان مجاہدوں کے لیے تو میں نے سجدے کر کے راتوں کو دعائیں  
مانگی تھیں۔ آئینہ الکرسی پڑھ پڑھ کر مجاؤ اور موحیوں پر دم کیا تھا

پڑ جانے کیوں میں اس وقت  
بانے بننے میں ایسی کھو گئی تھی  
پیروں سے نہ ہٹ جاتا تو میں ا  
خباہوں میں الجھی رہتی۔ کئی روز  
تھی اور میں گھٹنوں سے پڑی  
نے تو مجھے زندہ درگور کر دیا ہے  
نے مجھے چونکا دیا۔ ارے اس وقت

یہاری کے متعلق سوچ رہی  
میں تجی جان؟ چھوڑیے بھی  
اس چکر کو تو اس نے میرا سر زور  
سے ہلا دیا۔ چلیے میں آپ کو اپنے  
ساتھ سیالکوٹ لے چلوں۔  
وہاں خدام حسین جڑے مشہور و معروف  
حجیم ہیں۔ ان کے علاج سے  
یقیناً آپ کو آرام ہو جائے گا۔  
یہ ایک نئی اور انوکھی پیش کش  
تھی جس سے میں سیالکوٹ

## وقار عظیم پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام



ہے۔ وہ بڑا سجادہ اور بڑا سپاہی تھا۔ اس نے بڑی دلیری سے  
بھارتیوں کا مقابلہ کیا اور جامِ شہادت پی لیا۔

مجاہد سپاہی کی آنکھیں پریم ہو گئیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مجاز  
جنگ کا پورا نقشہ میرے سامنے پھیل کر رکھ دے۔ وہ بہت خوش  
میں بھر گیا۔ چچی جان اب میں آپ کو اپنے ایک عزیز اور جنگری  
دوست کا کارنامہ سنوں گا جس نے جنگ لڑتے وقت  
قسم کھائی تھی کہ نہ تو میں کبھی ہیلٹ پہنوں گا اور نہ کبھی پیرے  
کے اندر بیٹھوں گا اسے اپنے حند پر پڑا توکل اور بھروسہ  
تھا اور حقیقت میں اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ مسلسل کئی روز  
تک محاذِ جنگ پر دادِ شجاعت دیتا رہا۔ ایک دن اچانک  
اسے اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ہندوستان کی سرحد کے  
ہٹنے کا حکم ملا اور حقیقت تو یہ

تھی جس پر وہ نہ جانے کب  
ن کر ہندوستان کی افواج پر گرا  
ماٹھ دشمن کی صفیں دریم پریم  
شہادت سے سرشار مقررہ حد

وقارِ عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاکٹ کام

یہ دریں سے یہی پایا تھا کہ اس اپریشن میں اس کا  
ساتھ دینے کے لیے وہاں کچھ ٹینک بھی پہنچ جائیں گے اور  
اس طرح اس مقام پر قابض ہونے میں اس کی مدد کریں گے  
مگر قومی امکان ہے کہ جس وقت ہمارے ٹینک اس کی مدد  
کے لیے آگے بڑھ رہے ہوں وہ اس سے زیادہ اور کسی اہم  
معرکہ میں الجھ گئے ہوں اور کوشش کے باوجود اس کی  
مدد نہ ہو سکی ہو۔ دفعۃً اسے ایک مضبوط ہندوستانی قلعہ نظر  
آیا جو سچیت گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ مجاہد سپاہی نے  
سامنے کی طرف اشارے سے بتایا۔ وہ دور دھندلے میں  
آپ شاید سفید سا چٹا بھی دیکھ سکیں۔ وہی سچیت گڑھ کا  
قلعہ ہے اور یہاں پہنچ کر میرے دوست نے پاکستان کی

اتنی غرور و غرور میں حضور دیکھوں گی۔ یوں لگا جیسے میرے  
دل سے بیماری کا حساس ہی مسٹ گیا ہوا اور میں ان مقدس  
منامات کو دیکھنے کے لیے آگے بڑھتی ہی چلی گئی جہاں کی  
زمین کا چپچہ پیہ شہیدوں اور غازیوں کے نعروں سے گونجتا  
ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ میں ایک عجیب سی سوت میں ڈوبی ہوئی  
تھی چپ چاپ اور بالکل خاموش۔ میری نظروں کے سامنے  
چٹیل میدان، کھنڈرات اور جگہ جگہ گولے بارود کے نشان تھے  
بڑا ہی المناک سماں تھا۔ میرے دل میں جذبات کی لپلپ مچی  
ہوئی تھی اور میں باز بار کر رہی تھی: اللہ، کتنے ہی دار تھے ہمارے  
سپاہی جنہوں نے اپنی قوم کی آن کی خاطر لوں اپنے جسموں  
کو مٹی میں ملا دیا۔ ان کے جذبے کتنے بلند اور مستحکم تھے۔  
کتنے دلیر اور شجاع تھے۔

ماں، بہنوں اور بیٹیوں

اچانک مجاہد سپاہی

چچی جان یہاں کا چپچہ پیہ

رنیکا ہوا ہے۔ یہاں کی ہر

اور وہ دیکھتے وہ... مجاہد

جگہ ہے جہاں ہم نے بڑی

لنگاری تھیں اور اس جگہ ہمارے مورچے تھے۔ یہاں سے  
ہم نے بیشمار بھارتیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا فعلتے  
ذوالجلال نے ہمیں ایسی قوت اور استقلال بخشا تھا کہ  
جاری ہمت برقرار رہی اور ہم شیروں کی طرح گر جتے دھڑکتے  
دشمنوں پر پل پڑے۔ ہم اپنے جذبے کے بل بوتے پر ایک  
ہٹان بن گئے تھے۔ ہم نے پاکستان کی حفاظت کے لیے اپنی  
بقیہ جانوں کی پروا نہ کی اور اب یہ وہ جگہ آگئی ہے جہاں سے  
ہم ان علاقوں میں بیڑ و لنگ (گشت) کرنے جایا کرتے تھے۔

مجاہد سپاہی ذرا خاموشی کے بعد بیکایک چلا اٹھا۔ وہ  
یہ جو سامنے نظر آ رہا ہے یہاں میجر نسیم حیدر رضوی کا مزار

تھا۔ اپنے زنجی نائیک کو اپنی پیٹھ پر لاوا۔ اور پاس ہی پانی کے ایک گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ بات پوری طرح اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ ٹینک جسے وہ اپنا سمجھ رہے تھے وہ اصل ہندوستانی تھا اور اس میں اس کا پورا علم موجود تھا۔ غالباً ہماری ٹینک کی وجہ سے اس ٹینک کی چین لوٹ چکی تھی اور وہ حرکت سے معذور تھا۔ دیکھتے دیکھتے ٹینک کا ڈھکن بند ہو اور اس نے اس علاقہ میں فائرنگ شروع کر دی۔ اسی اثنا میں ہندوستانی فوج سچیت گڑھ کے قلعہ میں پہنچ چکی تھی اور یوں اس طرح پورے زور شور سے فائرنگ جاری تھی۔ اس خود بزرگ معرکہ میں اس بہادر سپہی کے بیشتر ساتھی شہید ہو گئے تھے۔

”کوئی ایک گھنٹہ کی مسلسل فائرنگ کے بعد ٹینک دوسری

ٹن نائیک کو پیٹھ پر لاوے

رت بھری نگاہ سچیت گڑھ

سرحدوں کی طرف چل پڑا۔

رے پھٹ رہے تھے۔

اپر یہ سوچ کر آگے بڑھ کر

لمحات میں بچایا شاید اس

اسی حالت میں اپنے نائیک کو پیٹھ پر لاوے چلتا رہا اور اپریل

کی مسافت طے کر ڈالی۔ اچانک شیل کا ایک ٹکڑا اس کے

دونوں جبڑوں کو توڑتا ہوا بائیں نکل گیا اور گرم گرم خون اس کے

گالوں سے بہہ کر اس کے سینے پر گرنے لگا۔ وہ اپنے جسم سے

بلے نیاز ہو چکا تھا۔ وہ اس حالت میں بھی دیر تک دشمن کا

مقابلہ کرتا رہا۔ اگر اس پر گری نیند کا غلبہ طاری نہ ہو جاتا تو نہ جانے

یہ بہادر اور شجاع انسان کب تک دشمنوں کو موت کے

گھاٹ اتارتا رہتا۔ وہ اپنے عزم اور توکل کی بدولت آج بھی

زندہ سلامت ہے۔

مجاہد سپاہی کو کافی ختم ذکر پایا تھا کہ سسکیوں کی آواز

جنگی تاریخ میں ایک سنہری باب کا اضافہ کرنے کی صفائی پاس ہے  
اپنے جوانوں کو قلعہ پر قابض ہونے کا حکم دیا۔ قلعہ میں موجود ان سے  
کئی گنا زیادہ ہندوستانی افواج اور ٹینک ان کے ارادے  
مترزل نہ کر سکے اور یوں وہ قلعہ کے مختلف حصوں پر قابض  
ہوتے گئے۔ یہ ٹینک کام بغیر ٹینکوں کی مدد کے بغاوت ناموں معلوم  
ہوتا تھا۔ اس نے پھر گرم جوشی سے ایک لمبی سی سانس لی۔  
یوں لگتا تھا کہ اس جنگ کے تمام کارنامے مجاہد سپاہی کی زنگ  
کا ہم جوتن گئے ہیں۔ اس نے پھر کمان شروع کیا۔

”معرکہ میں الجھے ہوئے سپہی کو اس کے نائیک نے  
اطلاع دی کہ باہر اپنا ایک ٹینک کھڑا ہے مگر میرے چلانے  
کے باوجود وہ اس طرف آنے کا نام نہیں لیتا۔ اپنے ٹینک کی

موجودگی اور اس کا اس طر

ایک حادثے سے ہم نہ تھا۔

کبھی ایسا سوچ بھی نہ سکا

نائیک کے ساتھ ٹینک

نے دیکھا کہ ٹینک کے ا

وہ سختے سے ہلے ہوئے

کو کہتے ہوئے دیکھ رہے۔ درحقیقت اس نے

کرتے بہ جنہی کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ

بغیر جواب دیے ٹینک میں بیٹھا اور جب دوبارہ ٹینک کے

سوراخ سے اپنا سپر بائیں نکلا تو اس کے ماتھے میں ایک پستول

تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس بہادر سپاہی پر اپنا پستول آزمائے مگر

اس کا نائیک جو اتنی دیر میں تمام بات سمجھ چکا تھا۔ اس نے اسے

اس بات کا موقع نہ دیا۔ اس کی رائفل نے شعلہ افلا اور ہندوستانی

سپاہی زخم کھانے کے بعد گرا مگر گرتے گرتے اس کا پستول

بھی چل گیا۔ یوں اس کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اس بہادر

نائیک کے پیٹ میں اتر گئی۔

”مجاہد ہر حالت کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہو چکا

دقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام



نہیں چڑھنا دیا میں تو خوف سے پھل پڑی۔ پورے جسم میں رعشہ طاری ہو گیا۔ لگتا نہ بیماری اور حادثاتِ عم نے میرے اعصاب شکستہ کر ڈالے تھے اور اب میدانِ جنگ دیکھ کر اور جنگی حالات سن کر تو میں کچھ کھوسا بھی گئی تھی۔

میں چپ چاپ مجاہد سپاہی کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس دھوپ کی جھلس اور پتے ہوئے میدان میں ایک بوڑھی عورت بھاڑ دے رہی تھی۔ اگر مجاہد سپاہی اس سے مخاطب نہ ہوتا تو وہ ہمارے آنے سے بالکل بے خبر رہتی۔ مائی میدان میں بھاڑ دو کیوں دے رہی ہو؟ — اس نے جڑھیا سے پوچھا۔

جڑھیا نے جاری طرف دیکھا۔ اوہ! وہ تو رو رہی تھی انسو بڑھے زخموں پر بسے ہمارے تھے۔

”تم رو بھی رہی ہو ما

بچھا کیوں؟

وہ تھکے مار کر نفیس

سو ہیں — یہاں میری

ڑھی نے ایک تھنڈی سا

اس لیے صاف کر رہی؟

ی۔ وہ اس میدان میں کھیلنا لگا اور جھب بڑا ہو گیا اپنی کوٹھڑی کی صفائی اپنے ہاتھ سے کیا کرتا تھا۔ اگر کبھی میرے نے کوئی لنگڑی پھیلا دی تو جھٹ پٹ اسی جھاڑو سے مدد ماہر پھینک دیتا تھا۔

میں حیرت سے بوڑھی کا منہ تک رہی تھی۔ اس کی ٹھوں میں حسرت و مایوسی کا سمندر مجھ میں مار رہا تھا جس کا قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اب میرا سا خوف و دہشت میں بدل گیا میں نے قریب جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”کیا کبھی ہو مائی؟“

”کچھ نہیں بی بی۔ اپنا اور اپنے بچوں کا ذکر کر رہی ہوں

آصف، عادل اور عاقل تینوں لڑے جوان تھے تینوں نہاد اور دلیر تھے۔ آصف نے تو شاید شیرنی کا دودھ پیا تھا۔ وہ شیر کی طرح گرجتا تھا۔ گنہگار اور بے خوف تھا میرا آصف۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنے بھارتیوں کو کیسے مار گرتا۔ بوڑھی کے الفاظ میں جہاں یاسیت اور عاقل سی تھی وہاں ولولہ اور نصرت کا تاثر بھی تھا۔ وہ اپنی زبان بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر پھیر رہی تھی۔ اس کے سینے میں جیسے ایک تلاطم چلتا تھا۔ وہ کہے جا رہی تھی۔ ”آصف کتنا تھا کتا تو مٹنے کو لگاڑ کھوڑ گئے۔ مٹا بھی تو شیر تھا۔ بہت شرمِ عم اگر اس کی بیاری بیماری شرتیں دیکھ لیتے تو ضرور میرے مٹنے کو انعام دیتے اور پھر مٹنے نے تو انعام پاسی لیا۔ وہ بھارتیوں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ یہی تو انعام تھا۔“

انعام تھا، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳

کو دیکھتے آتی ہوں“

اب ہمارے بھی آنسو جاری تھے۔ اس کی باتوں نے ایک الم ناک سماں پیدا کر دیا تھا۔ اس دوران بڑھیا کو تپہ چل چکا تھا کہ میرے ساتھ جو مرد ہے وہ ایک سپاہی ہے اور اسی میں میں لڑا تھا۔ بڑھیا نے کہا: تو تو مجاہد ہے۔ تیرے تو قدم چومنے کے لائق ہیں۔ تیرے آنسو بھی قیمتی ہیں۔ چل میری کوٹھری میں بٹھے وہ مٹی بھی دکھا دوں جس کو روزانہ میں پانی دیتی ہوں اور اللہ جانے کب تک دیتی رہوں گی“

”میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا تمہارا منہ کس طرح شہید ہوا؟“

”تمنا تو پھر امید رہ ہو گئی، تمنا تو آصف کی واحد اولاد تھا۔“

”میں دیکھ رہی ہوں کہ تو بھاریوں نے کوٹھری

ب دیں۔ وہ معصوم کچھ

اشروع کر دیا۔ اُف

عزم سے چٹا جا رہا تھا

اور قریب کی ایک

انسان، پھر اس نے

کا باپ ہے۔ یہ بھی

تو مہادر ہے پر کیا کرے بڑھاپے نے معذور کر دیا۔ ورنہ نہ

جانے یہ بھی کتنے بھاریوں کو مارتا یہ بوڑھا میرا جسم کا ساتھی

اور میرے شہید میٹوں کی بڑی پیاری یادگار ہے۔ اُن کی رکول

میں اس مرد کا خون تھا اور اس خون میں غیرت تھی۔ ایمان

تھا اور وطن کی آبرور مٹنے کا جذبہ تھا۔“

پھر اس نے ہمیں وہ مٹی دکھائی جو بڑھیا کے شہید

میٹوں کے خون سے رنگی ہوئی تھی شہیدوں کے خون سے

بڑھیا کا کمرہ انوکھی سی خوشبو سے مینے لگا اور مجھے یوں

لگا جیسے میرا روگ میرے جسم کو آزاد کر گیا ہو۔



ما اور دعا مانگی۔ آصف بولا: ”اے خدا سے ذوالجلال میں عازم جنک پر جا کر ختم ہو جاؤں لیکن میری قوم کے بچے جیتے جاگتے رہیں۔“ پھر عادل نے دعا کی: ”اے رب العزت، میری قوم کے اوپر جو بھی مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہوں وہ سب میرے اوپر آجائیں۔“ عاتل نے بھی ہاتھ اٹھائے اور خدا سے دعا کی: ”اے پروردگار، دشمن میری تنگنا ہوئی کر ڈالے لیکن میری قوم سلامت رہے۔“ دعا مانگنے کے بعد مینوں نے باپ کے پیروں کو چوما اور میرے سینے سے آکر لگ گئے۔ ”تو روزی ہے ماں۔“ آصف بے اختیار بول اٹھا۔ ماں یہ آزمائش کی گھڑی ہے۔ ہمارے صبر کا امتحان ہے۔ ایسا نہ ہو ماں کہ تیرے آنسو ہمارے ارادے کو بدل دیں۔ پھر ساری زندگی یہ موقع تھا نہیں آئے گا تو بھول رہی ہے۔“

کر دیکھ، ہم ۱۹ کی جنگ کا نقشہ لگا

بیوی اور سپاہی کی بیٹی ہے ماں

کیا ہے جب ہمارے تھانے؛

بابا کی بندوق لے کر اپنی چھت

عزم سے کیا تھا جب تک اس

باتی ہے، کوئی اس تھانے کے

تھانے کی ساری عورتوں کو جمع کر لیا تھا اور ان کی آبرو کے

تحفظ کی قسم کھا کر بیٹھی تھی۔ پر نہ جانے آج کیوں تیری مانتا

تجھے لگا رہی ہے۔ دیکھ ماں اس میدان کی مٹی کو اکٹھا کر کے

اس کو نڈے میں بھر لے اسی مٹی کے اندر ہمارا ماضی، حال اور

مستقبل شامل ہے جب مٹی سوکھ جائے تو اس کو پانی سے

تر کر تی رہیو۔“

یہ کہ کر بوڑھی نے ایک زور کی چیخ ماری میں لرز اٹھی۔

اللہ کی پناہ۔ اس کی چیخ سے تو زمین اور آسمان لرز اٹھے۔ وہ

بولی: ”چل بیٹا وہ مٹی بھی تجھے دکھا دوں جس میں میرے شہیدوں

کا خون ہے اور میرا منہ۔ وہ اس پٹی تلے سوراخ ہے۔ روزانہ اس

دقار عظیم

پاکستانی پبلیش ڈاٹ کام

میں ستمبر ۱۹۶۵ء میں امریکہ کے شہر ایسٹ لانگ  
میں انجینئرنگ کا کورس کر رہا تھا۔ ۵ ستمبر کو چند دوست میرے  
ہاں چائے پر مدعو تھے۔ ان دوستوں میں اکثریت پاکستانیوں  
کی تھی۔ اور تین امریکی تھے۔ چائے کے بعد باتوں کا سلسلہ  
جو چلا تو موضوع کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کی مسلسل پسپائی  
بن گیا۔ ہر دوست نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا آخر  
میں ایک امریکی دوست نے پوچھا: ”کیا آپ بتا سکتے ہیں  
کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کی پسپائی کا انجام کیا ہوگا؟“  
اس سوال کا جواب دوسرے امریکی دوست نے  
دیا: ”اب آپ کسی لمحے بھی یہ نہیں سن سکتے ہیں کہ ہندوستان  
نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔ کیونکہ بھارت کے لیے

کشمیر کے بچاؤ کا صدر  
پاکستان کی بین الاقوامی  
یہ بات مسئلہ ہے کہ ا  
بے بس ہو گئی ہے۔“  
”ہندوستان پاک“

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

کرے گا۔ ایک پاکستانی دوست نے کہا ”آخر اسے اپنی  
بین الاقوامی پوزیشن کا بھی تو کچھ خیال رکھنا پڑے گا۔“  
لیکن امریکی دلتوں سے کہہ رہا تھا کہ ہندوستان پاکستان پر  
مزدور حملہ کرے گا۔

رات کافی دیر تک ہم اس موضوع پر گفتگو کرتے  
رہے دوسرے دن ہمیں لیبر ڈے کی چھٹی تھی۔ اس لیے  
رات چٹنی دیر سے سویا تھا، ارادہ تھا صبح ٹری دیر سے  
اٹھوں گا۔ میں گہری نیند سو رہا تھا کہ مجھے ٹیلی فون کی  
گھنٹی سنائی دی۔ میں نے باڈی ناخواستہ ریسور اٹھایا۔  
دوسری طرف سے میرا دوست اڑ گھبرائے ہوئے لہجے  
میں بول رہا تھا ”ہیلو، ہیلو“ میں نے ہیلو کی آواز سن کر جواب

سے کہا ”تو بیر تم نے کچھ سنا؟“  
”جے میں پوچھا۔“ کیا؟“  
”مکی سرحد سے پاکستان میں  
نے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے۔“

میرے امریکی دوست نے کہا: ”اب آپ کس لیے بدیں یہ خبر سن سکتے ہیں  
کہ ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔ کیونکہ بھارت کے لیے کشمیر کے  
بچاؤ کا صدر ایک راستہ دیکھا ہے کہ وہ پاکستان کے بائیں الاقوامی سرحدوں  
پر گریڈز شروع کرے۔ یہ بات مسئلہ ہے کہ انڈین آرمی کشمیر سے  
گوریلوں کے سامنے بے بس ہو گئی ہے۔“

تذکرہ احمد

جنگ ستمبر ————— ایک مہینہ

شہر کے گلی کوچوں میں گھسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ مگر پاکستان یہ کہہ رہا ہے ہندوستان کے حملے کو سرحد پر روک لیا ہے۔ اور اب پاکستانی فوجیں ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہیں۔ یہ خبریں سن کر مجھے یوں محسوس ہوا۔ جیسے ہندوستانی توپوں کے گولے میرے سینے میں پھٹنے لگے ہوں۔ میں گم غم پلنگ پر بیٹھا گرمی سوچوں میں ڈوب گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے گھر کے ہر فرد کا چہرہ گھومنے لگا۔ میں لاہور کی مٹی میں جوان ہوا، یہیں میرے ماں باپ اور بہن بھائی رہتے ہیں۔ اس وقت ان پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہو گی۔ ہندوستان کے وحشی سپاہی کس بے دردی اور بے لگی سے شہ کا عمارتوں، رگولے رسا رہے ہوں گے۔ میرے ہاتھ ناپاک قدموں تلے

میں چکڑا سا گیا۔ دوسرے لمحے مجھے خیال آیا۔ انور تو فضول باتیں کرنے کا عادی ہے۔ رات دیر تک ہم ہندوستان کے متوقع حملے کے متعلق کرتے رہے ہیں۔ ممکن ہے صبح اٹھتے ہی اس نے انہی باتوں کو مزاح کا روپ دے لیا ہو۔ لہذا میں نے غصے سے کہا ”تم جانتے ہو“ کمبخت، کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے جو صبح تمہیں براؤکھی بات سوچھی ہے اور مجھے نیند بھی پوری نہیں کرتی“ میں نے ریسپور رکھ دیا۔ اور دوبارہ چادر اوڑھ کر سو گیا چار گھنٹوں بعد پھر مجھے ٹیلی فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس بار میرا بنگالی دوست اسلام بول رہا تھا ”تنویر۔ ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ خبر غلط تھی۔ ہندوستان اور ہندو قبضہ نہیں کر سکا“

## وقار عظیم

## پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ا جیسے کوئی غیبی قیامت  
ہا ہے ایسا کبھی نہیں  
ملک کے شیر دل  
ہندوستانی فوجوں کو

میں حیران تھا۔ اول تو لاہور پر ہندوستان کے قبضے نے پاکستان پر حملہ کر بھی دیا قابض کیسے ہو گئے؟ لاہور و فوجیں حیدر آباد کے رضا کار

عبرت ناک شکست دی ہو۔ کیا اب اس ملک کے فوجی دشمنی کے مقابلے میں اتنے بے بس ہو گئے ہیں کہ انہوں نے ہندوستانیوں کو اتنی آزادی سے لاہور گھس آنے کی اجازت دے دی؟

تو نہیں جو انہوں نے ہندوستان کو بغیر کسی مقابلے کے لاہور پر قابض ہونے کی اجازت دے دی۔ بہر حال انور اور اسلام کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ واقعی ہندوستان نے اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لیے میرے وطن پر حملہ کر ہی دیا ہے۔ کل شام میرے امریکی دوست نے مجھے پوچھیں گوئی کی تھی، وہ پوری ہو گئی ہے۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ ہر گھنٹے بعد نشر ہونے والی خبروں سے صورت حال واضح اور صاف ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود ان خبروں کا افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ امریکی اخبارات اور ریڈیو کے نمائندے ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں موجود تھے۔ لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کراچی میں ان کا کوئی بھی نمائندہ نہیں ہے نشر ہونے والی خبروں میں ہندوستان کے ”دعوے تو بڑی تفصیل سے

امریکہ میں ہر گھنٹے بعد ریڈیو سے نہیں نشر ہوتی ہیں۔ لہذا میں نے اپنی بے چینی اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے سوچا کہ کیا، تو خبریں نشر کرنے والا ناؤ نسر کہہ رہا تھا؟ ہندوستان یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس کی فوجیں پاکستان کی سرحدیں عبور کر کے لاہور میں داخل ہو گئی ہیں اور اس

22

نے دیارِ غیر میں مجھے پہلی بار یہ احساس دلایا: میرا پاکستان زندہ ہے۔ میرا لاہور زندہ ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں نیست نہ کر سکتی۔ میرا دل چاہا کہ میں دیوانہ وار ناچوں اور اپنے طور پر ہی جشنِ مسرت سناؤں۔

اناؤں نے فسر کہہ رہا تھا یہ ہمارے نمائندے نے یہ نعرے  
کراچی سے ٹیپ کر کے بھیجے ہیں جہاں ایک بہت بڑے  
جلوس نے کراچی کی سڑکوں پر ہندوستان کی جارحیت کے  
کے خلاف مظاہرے کیے ہیں۔ پاکستانی فوجوں نے ہنڈ تائی  
حملہ آوروں کی یلغار روک دی ہے اور جن ہندوستانی  
فوجوں نے لاہور پر قبضہ کرنے کے لیے داہرہ کی سرحد عبور کی  
بارہ میل دور روک لیا گیا ہے۔

مے ریڈیو سٹیشنوں سے خبریں  
اٹھا کیونکہ وہاں سے تو ہندوستان  
ہو تی تھیں۔ اس لیے اب میں  
یو سٹیشن سے خبریں سننے لگا،  
ہی ایک ریڈیو سٹیشن ایسا تھا

عجیل سے نشر کرتا تھا۔

آٹھ ستمبر کو اسے بی سی نے ایک ایسی نیر فشر کی جس نے ہمارے پڑ مردہ دلوں میں خوشی کی لہریں دوڑا دیں صبح ریلوآن کیا تو اناؤس کمرہ رہا تھا۔

”کیم کمن سیکٹر میں پاکستانی فوجوں نے اپنی پوزیشن کافی مضبوط کر لی ہے۔ اور ان کی پیش قدمی ہندوستان کے علاقے میں جاری ہے“

کھیم کرن کے متعلق مجھے معلوم تھا۔ یہ اچھا خاصا قصہ ہے اس کے علاوہ کھیم کرن کو ابوالکلام آزاد کی وجہ سے کافی اہمیت ہے۔ ریڈ کلف نے تقسیم کے وقت جو ناس ہمارے وجود پر چھوڑا تھا اس ناسور کا جی اس قصبہ گہرا تعلق ہے۔ پاکستانی فوجوں کا اس قصبہ پر قبضہ کرنا

بیان کیے جاتے تھے اور پاکستان کی خبروں پر زیادہ توجہ دے دی جاتی تھی جس سے میری پریشانی میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ لاہور کے متعلق ابھی صورت حال واضح نہیں ہو رہی تھی۔ میرے دل سے آواز اٹھ رہی تھی "لاہور تمہارا ہے لاہور پاکستان کا ہے۔ اس شہر کے بیٹے اپنے لاہور کو سٹالین گراڈ بنائیں گے وہ اس شہر کے ایک ایک بازار ایک ایک گلی، اور ہر مکان کی ہر سیڑھی پر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ وہ ختم ہو جائیں گے پھر پاکستان کے پرچم کو لاہور کی فضاؤں میں بلند و بالا رکھیں گے"

شام کو ٹیلی ویژن پر خبریں ہوئیں تو انا دوسرے

نقشبے کی مدد سے یہ

نے کس کس علاقے میں  
اب کہاں کہاں لڑا  
خبروں میں بھی اناؤ  
کی ہوئی یا اس کے  
انہی کو دہرایا۔

رات بڑی جلد پہنچ گئی۔ سر پر  
کروٹیں بدلتے گزریں، بلکہ مجھے تو اپنے کمرے کی دیواروں  
سے وحشت برستی دکھائی دینے لگی۔

سات ستمبر کو میں مختلف ریڈیو شیشیوں سے نشر ہونے والی خبروں سے جنگ کی پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ میری کوشش جوتی زیادہ سے زیادہ شیشیوں کی خبریں سنوں۔ اس کوشش میں مصروف تھا کہ اچانک ریڈیو کی سونی لے بی سی (امریکن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن شیش پر جاری۔ وہاں مجھے اردو کے نعرے سنائی دیئے یہ نعرے میرے لیے ڈوبتے ہوئے تینکے کاسہدار ثابت ہوئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے یہ نعرے میرے لیے اندھیرے میں امید کی پہلی کرن بن کر ابھرے۔ یہی وہ نعرے تھے جنہوں

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

بات کا اعلان کرتے ہیں کہ آخر ہم اپنے مقصدیں کامیاب ہو گئے ہم آپ کو پاکستان کے تین ہوا بازوں سے ملاتے ہیں جو ابھی ابھی ہندوستان میں ہواڑہ کے ہوائی اڈے پر پانچ ہندوستانی طیاروں کو تباہ کر کے بغیر کسی قسم کا نقصان اٹھائے اپنے اڈے پر واپس لوٹے ہیں۔

جب ان ہوا بازوں کو سکریں پر دکھایا گیا تو مجھے پاکستان کے شیر دل شاہینوں کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ دکھائی دی، جو اس بات کی گواہی دے رہی تھی یہ ہوا باز ناقابل تسخیر ہیں۔ اس مسکراہٹ کے پس پر وہ عزم ہے جس عزم نے انہیں فضاؤں کا فاتح بنا دیا ہے۔ یہ ایک شہرہ آفاق کامیابی ہے۔ کہ تباہ و برباد کرتے ہیں۔ ان میں دشمن کے

دقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

جاننا تھا۔ البتہ تیسرا  
ن فیلو۔ سیسل کے دل  
ہر گنا ہے۔ اس وقت  
دے لگا۔

اے بی سی ٹیلی ویژن کے نمائندے نے ہوا بازوں سے مختلف نوعیت کے سوالات کیے جن میں ایک سوال یہ تھا۔ پاکستان کی ایئر فورس بھارت کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہے، اس کے علاوہ بھارت کے طیارے جدید اور تیز رفتار ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان کی چھوٹی سی ایئر فورس نے انڈین ایئر فورس کو فضا میں شکست نہیں دیا؟ ایک پائلٹ نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ”میں خود جبران ہوں کہ بھارتی طیارے ہمارے طیاروں کی نسبت بہتر ہیں، اس کے باوجود بھارتی ہوا باز ہم سے خائف ہیں۔“ اس معاملے میں ہر پاکستانی ہوا باز کے اپنے اپنے خیالات ہوں گے۔ پرج پوچھیں تو مجھے اس کی ایک ہی

ہی تھا، جیسے میرے ملک کے جانباظوں نے ہندوستانی فوجوں کو ناقابل یقین شکست دی ہے۔ پھر یہ اسے بی سی ریڈیو ہی تھا جو گھنٹے بعد ہندوستانی ذرائع سے حاصل کی ہوئی خبروں کی تردید کرتا رہا۔ نو ستمبر کو صورت حال واضح اور صاف ہو رہی تھی یہ بھی پتہ چل گیا اب جنگ زیادہ دیر چلے گی۔ لہذا اسی دن پاکستان سٹوڈنٹ ایسوسی اٹ امریکی حرکت میں آگئی۔ ایٹ لائننگ میں ہم صرف سترہ پاکستانی طالب علم تھے۔ اول تو طالب علموں کے اخراجات اتنے ہوتے ہیں کہ کچھ بچانا نامکن ہوتا ہے۔ پھر امریکہ جیسے مہنگے ملک میں تو کچھ بچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود ہم سترہ طالب علموں نے گیارہ ستمبر کو جمعہ کو اس

کے ساتھ ہی اپنے سفار

پر نازل ہونے والی مصیبت

کرتے ہیں جب بھی ہماری

جہان سے حاضر ہیں۔ ہمیں با

ہمارے مقابلے ہیں

خبریں مل رہی تھیں۔ اس با

بلکہ جب بھی ہمیں ملنے، بڑے طنز پر انداز میں مسکرا کر سلام کرتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان پر ہندوستان کے حملے کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور ہم جتنے پرجوش اور سرگرم تھے، وہ اتنے ہی خاموش اور مطمئن تھے۔

نوتا تاریخ کی خبروں سے ہمارے چہروں پر کچھ رونق آئی کھلنے پینے کا ہوش آیا۔ میں نے شبو بنائی اور کپڑے بھی بدل لیے۔ تاریخ کو اسے بی سی ٹیلی ویژن نے ایک فلم دکھائی اور اناؤنسرنے ابتدا میں یہ تعارفی الفاظ کہے۔

”ہم چھ ستمبر سے ہی اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ ہمیں موقع ملے تو ہم آپ کو پاکستان ایئر فورس کی کارکردگی سے متعارف کرا رہے ہیں آج ہم بڑے فخر و خوشی سے اس

ہے۔ کچھ امریکی ایسے بھی تھے جو یہ کہتے تھے کہ دونوں ملک ہمارے ہی مہیا کردہ ہتھیاروں سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہیں، لیکن وہ پاکستان کی بہادری کی تعریف فرور کرتے تھے۔

پھر جوں جوں جنگ کی صورت واضح ہو گئی۔ اور ہندوستان کی ناکامی کی خبریں امریکہ کے طول و عرض تک پہنچنے لگیں تو امریکی جہاں کسی پاکستانی کو ملتے تو کہتے "پاکستان بہادروں کا ملک ہے یہ بہادر اتنے بڑے دشمن کے مقابلہ میں اپنی آزادی اور بقا کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں جس قوم کے بٹھوں نے ہندوستان کے بھاری بھر کم ٹینکوں، تیز رفتار بکتر بند گاڑیوں اور زلوں کے لئے اس قوم کی دوستی کھو کر

وجہ دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ وجہ یہ ہے کہ کوئی غیر ملکی طاقت ہماری پشت پر ہے، جو ہمیں حملہ کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے اور ہمیں اپنے دفاع کے لیے تیار رکھتی ہے۔ دراصل مشین نہیں لڑا کرتی، مشین کو چلانے والا انسان لڑا کرتا ہے۔"

پاکستان کے ہوا باز نے یہ مختصر سی بات کہہ کر اپنے تمام ہوا باز ساتھیوں کے جذبات و خیالات کی ترجمانی کر دی۔ اور اس بات نے امریکیوں کے درمیان ہمارے سرفخر سے اونچے کر دیئے۔ اب ہم اپنے وطن کے ہوا بازوں پر ناز کر سکتے تھے ہم خوش تھے اور اس خوشی میں ہمارے امریکی دوست ہمارے ساتھ شامل تھے۔

ستمبر کی جنگ

چلنے والے ریڈیو اور

ہندوستان کے ساتھ

کھول کر پاکستانی فوجیوں

داد دے رہی تھی وہ

شعور رکھتے ہیں وہ ۱۳

وقار عظیم

پاکستانی پوائنٹ ڈاک

بندی تک ہمیں ہر روز  
پر عجیب و غریب اور دلچسپ  
مناظر ہالینڈ ہمارے منڈستانی  
ارے ساتھ آنکھیں ملانے کی

جرات نہ کرتے تھے۔

بڑے ملک نے چھوٹے ملک پر حملہ کیا ہے۔ بڑے ملک نے پاکستان کو شکست دینے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا

پوسٹ آفس قصبہ بدولہی کے ایک ملحقہ گاؤں گل مہاراں میں ایک محل پاس  
توہان عورت گزشتہ چھ سات ماہ سے ڈاک کی تقیم کے فرائض سرانجام دے  
رہی ہے۔ گاؤں کے لوگ اسے "ہاجی ڈاکیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں "ہاجی ڈاکیہ"  
صرف نامہ بر ہی نہیں بلکہ گاؤں کے لوگوں کو خطوط، منی آرڈر اور تاریں بھی  
لکھ دیتی ہے، اور ڈاک خانہ میں رقوم جمع کرانے اور زیادہ عدا گاہ کی مہم  
کی ترغیب بھی دیتی ہے، "ہاجی ڈاکیہ" کو ان خدمات کے صلے میں ۲۵ روپے ماہانہ کا  
قبل مشاہرہ ملتا ہے۔ خاتون "پوسٹ ماسٹر" جو کہ اپنے بڑے والدین کی واحد کفیل ہے، اگرچہ  
اس قبل مشاہرے پر کبھی شکایت نہیں کی تاہم گاؤں کے باشندوں نے مطالبہ کیا ہے کہ اسے کم از کم  
پچاس روپے ماہانہ مشاہرہ دیا جائے۔ (احمد نصیر کوٹھی نمبر ۸ - ۷، سبٹ روڈ لاہور)



# ”بِسْمِ طَائِفِک“

وہ کشمیر میں فائر بندی کے چھ ماہ بعد تک لڑتا  
اور انڈین آرمی کے لیے دھشت بٹا رہا۔

— بشیر حسین جعفری



۴۹ کی شیر میں عارضی

ہوا۔ لیکن محمد علی کفار دہی

لاٹم کیم جنوری کی بجائے

وقت تک لڑتا رہا تھا۔

جنگ آزادی کشمیر میں کیا

میں اپنے چھ ساتھیوں کی

مارے؟ وہ خوراک کہاں

سے حاصل کرتا رہا؟ گولیاں کہاں سے لیتا رہا؟ برف بادی

میں بستر کے بغیر وہ مہینوں پہاڑوں پر کیوں کرتا لیٹ رہا؟

ان سب باتوں کا جواب اس مرد غازی کے ایک افسر اعلیٰ

کرنل مرزا محمد حسن خان کی زبانی سنیں:

”کشمیر کے شمال اور شمال مغرب کے علاقوں میں

جنگ آزادی کشمیر کی ابتداء یک نومبر ۴۹ کو ہوئی

جب سکاوٹس نے گلگت کے گورنر، بریگیڈیئر

گن سارا سنگھ کو گرفتار کر لیا اور عبوری حکومت

قائم کی عبوری حکومت کے قیام کے بعد

سکاؤٹس کی تنظیم نو ہوئی اور ان جوانوں نے

وقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

وہ آج گلگت کے

نواح میں بادام کے

باغات کی کھدائی کر

رہا ہے۔ اس کے چہرے

پر جھڑپاں نو دہائیوں میں

چمک رہی ہیں۔ وہ اب بھی کبھی

باہر نکل جاتا ہے۔ اس کو

سے سونے کا عادی نہیں

ہیں لیکن جب وہ خوش ہو، تو انہیں اپنے بیٹے دنوں کے قصے

سناتا ہے۔ قصے سناتے ہوئے وہ جذباتی ہو جاتا ہے۔ میں پھر

محاذ پر جاتوں گا۔ میری رائفل لاؤ۔ گریٹیڈ چھینکے والا ڈیپچارج

کپ کہاں گیا؟ اور اس کے بیٹے ان باتوں کو سن کر خاموش

رہتے ہیں۔ باب کی عدم موجودگی میں آپس میں یہ کہتے

سے جاتے ہیں کہ اب کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ لیکن ناسبہ بیدار

محمد علی کے آج سے ۲۰-۲۲ برس پہلے کے ساتھی جانتے ہیں کہ

اس کی بے قراریاں کیا معنی رکھتی ہیں؟ اس کے پرانے رفقاء

میں سے اکثر لوگ اعلیٰ عہدوں پر جا پہنچے ہیں لیکن محمد علی نے

تو اس وقت فرج سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، جب کیم جنوری



دشمن سے ہزاروں مربع میل رقبہ آزاد کرالیا۔  
گلگت میں سکاوٹس کے چار یونٹ تھے

۱: ٹنکوونگ — ۲: ہنترہونگ

۳: ٹاٹنگر فورس — ۴: ریزروونگ

سکاوٹس کے مختلف دستے، مختلف راستوں سے سرنگر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کو قدم قدم پر دشمن کا سامنا تھا لیکن انہوں نے ہر وقت پر دشمن کو شکست دی۔ گلگت سے سکاوٹس نے جوائنڈواں شروع کیا تو ۱۰۰ میل آگے تک بڑھ آئے۔ اسکو دو جہتی فتح کر لیا۔ کارگل بھی آزاد کر لیا بلتستان بھی ان کے قدموں میں تھا۔ درہ زویلا اور درہ گزل ان کی گذر گاہیں تھیں۔ وادی گریز اور لولاب میں سرنگر پالی پر جسم بہا رہے تھے۔ سطح مرتفعہ درہ زویلا پر چٹا کھٹا کھڑا تھا۔ یہاں تک کہ بلتستانی سکاوٹس سے تعلق رکھتا تھا جگہ سرنگر کے جنوب مشرق نائب صوبیدار محمد علی کا سکاٹلنگ لگایا تھا۔

سرور محمد عبدالقیوم

اخبار نویس نے یہ پوچھا تھا کہ آپ نے دشمن کی باقاعدہ فوج کو اتنی قلیل مدت میں کیوں کراپنے علاقے سے مار بھگایا؟ آپ نے اس کے جواب میں کہا تھا "اس لیے کہ میرے ساتھی فوجی نہ ہونے کی وجہ سے جنگی چالیں نہیں جانتے تھے۔ وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ دشمن سامنے ہے۔ اور جب دشمن سامنے ہوتا تو اسے ہلاک کرنا انہیں آتا تھا" یہی مظاہرہ نائب صوبیدار محمد علی نے کیا۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ سرنگر کے عقب سے آئے گا، اور سرنگر اور جہول کا راستہ کاٹ ڈالے گا۔ بھارت کی ڈیڑھ لاکھ فوج سے وہ گھبرایا نہیں۔ وہ گلگت سکاوٹس کا ایک سیکشن لے کر دور نکل گیا۔ بہت دور — اسے خود بھی معلوم نہیں

تھا کہ وہ جہے کہاں؟ بس وہ خوش تھا کہ دشمن پر کامیاب حملے کر رہا ہے۔

یوم جنوری ۱۹۴۹ کو جب مجاہدین جہول اور شیر پری تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے، بھارت نے اقوام متحدہ میں منظور کیا اور کہا کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر میں آنا دانا ہتھیار راتے راتے کرانے کا بشرطیکہ فوری جنگ بندی ہو جائے۔ چنانچہ عالمی راستے کے پیش نظر پاکستان نے عارضی جنگ بندی یوم جنوری ۱۹۴۹ کو مان لی۔ اس جنگ بندی کا فوری علم باستانہ لڑنے والی یونٹوں کو تو ہو گیا لیکن نائب صوبیدار محمد علی پر گلگت سے پیدل چل کر اودھم پور تک جا پہنچا تھا اسے خبر نہ ہو سکی۔ اس کے پاس وائرلیس سیٹ تو تھا مہینوں سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ اس کی پوزیشن کا تو کیا، یہ بھی

مید ہو گیا ہے۔ اس کی شہادت لگیا تھا کیونکہ یہ بہادر انسان اور دشمن کی صفوں میں جا رہا تھا۔ دشمن کے مورچوں پر جا

وقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

ٹی ٹی ٹی تیار ہوئے اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین نے دونوں فوجوں کی چوکیاں بنا دیں تو یہ بات معلوم نہ تھی کہ گلگت سکاوٹس کا ایک سیکشن ابھی تک دشمن سے برسرِ بریکار ہے۔ مجاہدین نے اپنے شہداء اور زخمیوں کے کوائف جمع کئے۔ قید ہو جانے والوں کا ریکارڈ بھارت سے منگوا یا اور نائب صوبیدار محمد علی اور اس کے چھ سپاہیوں کا کوئی پتہ نہ چلا۔ چنانچہ انہیں لاپتہ قرار دے دیا گیا۔ اور لاپتہ کا معنایہ مطلب لیا جاتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہو گئے ہیں۔ نائب صوبیدار محمد علی اور دیگر چھ سکاوٹس کے لواحقین پر باور کر بیٹھے کہ یہ لوگ شہید ہو چکے ہیں۔

جنگ بندی کے دو ماہ بعد اقوام متحدہ کے مبصرین کو

ایک ماہ بعد ایک ہجاز سے اس مضمون کے اشتہارات جنگلوں میں گرا سکتے گئے:

یہ اشتہار جزل طارق کی طرف سے ہے۔

”یہ کم جنوری ۹۰ء کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ہندوستان اور پاکستان نے کشمیر میں عارضی فائر بندی کر دی ہے۔ کشمیر کے لوگوں کو حق خود اختیاری دیا گیا ہے اور غریب کشمیر میں استصواب رائے ہو گا۔ آپ جو بھی ہیں۔ افسر یا سپاہی۔ جہاں کے بھی ہیں جس تنظیم سے بھی تعلق ہے۔ آزاد و قبائل سے۔ گلگت و مکاؤس سے آزاد کشمیر فورسز سے۔ آپ فوراً ہتھیار بند کر کے ہندوستان میں آزاد مرز میں ٹی، ٹانگ وادی یا کوٹیر آپ کا“

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

نئے لیکن ”نیشن ٹائیگر“ کے  
م نے میجر غلام مرتضیٰ کو  
ڈنگ آفیسر تھے خیال یہ

تھا کہ موصوف اپنے آدمیوں کو پہچان لیں گے۔ جب پہلی کیو پٹر اٹھا تو اس میں میجر غلام مرتضیٰ اور چار بھارتی افسر تھے۔ میجر مرتضیٰ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ کوئی سامنے نہ تھا۔ واپس باقی پہاڑیوں پر گئے۔ یاہوس واپس ہو رہے تھے کہ ایک گول ان کے سامنے دیوار کے درخت کے تنے میں آگئی۔ اس پر میجر مرتضیٰ نے سفید رمال بلند کیا اور کہا ”میں سکاؤٹس کمانڈر میجر غلام مرتضیٰ ہوں۔ تم جو بھی ہو میرے نزدیک آ جاؤ۔“

نائب صوبیدار محمد علی نے اپنے باقی ساتھیوں کو کہا کہ وہ پوزیشن سے لیں اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ ہو جائے یا دھوکہ ہو، تو فائر کھول دینا۔ یہ انتظامات مکمل کر کے محمد علی آگے بڑھا،

بھارت سے یہ شکایات مل رہی تھیں کہ مجاہدین اب بھی کشمیر میں جنگ لڑ رہے ہیں اور یہ فائر بندی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ ادھر پاک آرمی اور آزاد کشمیر فوج کے حکام یہ بیانات دے رہے تھے کہ انڈین آرمی جھوٹ بول رہی ہے۔ ہم نے فائر بندی کے بعد قطعاً کوئی فوجی کارروائی نہیں کی۔ بھارتی فوج کی شکایات بدستور آ رہی تھیں، اور پاکستان کے حکام ان کو جھٹلا رہے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ نائب صوبیدار محمد علی جسے عارضی فائر بندی کی کوئی اطلاع نہ تھی، مسلسل شب خون مار رہا تھا۔ اس کے پاس چھ رائفلیں ایک بریگنگ کچھ دستی بم اور درجن بھر کھیل تھے۔ وہ دن کے وقت گئے جنگلوں اور غاروں میں غائب ہو جاتا اور رات کو موقع پا کر بھارتی فوج کی چوکیوں پر حملہ آور ہوتا۔ دن کے وقت وہ فوجی کھناتے پر حملہ کیا کرتا تھا اور ایمو نیشن اور اسلحہ لے کر واپس آتا۔ اسے آرمی جو اسے ”نیشن ٹائیگر“ کے نام کے باوجود اسے ٹرمونڈ نہ سکی

جب فائر بندی کو چاہا  
بہت وادیا کیا چنانچہ اقوام  
کا ایک افسر صحیح صورت حال  
جا پہنچا اور ایک دور وزمین

یہ اندازہ لگایا کہ کوئی سیکشن ایسا ہے جو یہاں تک نکل آیا ہے اور اسے فائر بندی کا علم نہیں۔ اس پر اس افسر نے بھارتی فوج کے اعلیٰ افسروں سے کہا کہ وہ نمایاں مقامات پر اشتہار چسپال کر دیں کہ یکم جنوری سے فائر بندی ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے اشتہارات نہ صرف نمایاں مقامات پر لگائے جاتے چکے ہیں بلکہ ہجازوں کے ذریعہ جنگلوں میں بھی پھیل گئے ہیں۔

طے ہوا کہ جزل طارق کی طرف سے ایک پیغام اشتہار کی صورت میں جنگلوں، پہاڑوں اور وادیوں میں پھینکا جائے اور اس میں اس سیکشن سے استدعا کی جائے کہ وہ ہتھیار ڈال دے اور اسے بحفاظت آزاد مرز میں بھیج دیا جائے گا چنانچہ

سمبر

روانہ کیا تھا۔ میجر صاحب سے محمد علی نے حضرت نانکے تو وہ کہنے لگے "اتنی جلدی بھی کیا ہے کہنے لگا میرے پاس گھڑی تو نہیں لیکن میرا دل دھڑک رہا ہے کہ میرے ساتھی اب فائرنگ کرنے ہی والے ہوں گے چنانچہ میجر صاحب کو وہیں چھوڑ کر محمد علی واپس اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں ساتھ لے آیا۔ یہ سب لوگ پہلی کوپڑ میں بیٹھ کر مری ٹرک پہنچے تو کور کمانڈر جنرل بتایا کہ میجر غلام مرتضیٰ سے التجا کی کہ نائب صوبیدار محمد علی کو ایک روز یہاں مہمان رہنے دیا جائے۔ دوسری صبح کور کمانڈر جنرل بتایا کہ نائب صوبیدار محمد علی اور اس کے چھ ساتھیوں کو ایک کہن کی سلامی دی اور کہا کہ میں نے ایسے بہادر و اولوالعزم سپاہی پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

اور چند لمحات بعد اسے اپنا میجر سامنے نظر آیا۔ میجر کو دیکھ کر محمد علی جذبات سے مغلوب ہو گیا۔ پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا کر آگے بڑھا۔

میجر مرتضیٰ نے اسے گلے لگا یا۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ محمد علی ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ داڑھی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ سیکھ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے پاؤں میں بڑے نہیں تھے۔ انگلیاں برف میں مسلسل رہنے کی وجہ سے جھڑکی تھیں۔ سر کے بال بڑھے ہوئے تھے اور کوئی سا دھوپا معلوم ہو رہا تھا۔ محمد علی کے لیے میجر مرتضیٰ کو پہچاننا کوئی مشکل کام نہ تھا کیوں کہ ان کی حالت وہی تھی جو ایک سال پہلے تھی جب انہوں نے اپنے سامنے نائب صوبیدار محمد علی کے کشیش کو

نہ راست باز ملے گی۔  
ہے جہاں سے دگر  
زبان کریم کی وہ آیت

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

طالبہ جو جھوڑ

حاصل کرنے پر وہ  
لکھنؤ میں فریہ  
منیرہ نے

سکتا۔ اُس نے اپنے جواب کی تہدید میں لکھا تھا میں اس حقیقت کو جانتی ہوں کہ اس یونیورسٹی کے فاضل اساتذہ میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کو تمام قرآن زبانی یاد ہو پھر مجھ سے گاہے کو حافظ ہونے کی توقع کی جائے۔ میرے استادوں کو کیچر کے دوران جب کبھی کسی آیت کا حوالہ دینے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ قرآن کھول کر ہی پڑھتے ہیں اسکے باوجود ان کو کوئی دعا باز نہیں کہتا۔ بدیں وجہ مجھے بھی توقع ہے کہ کوئی مجھے دعا باز نہ سمجھے گا میں اس وقت قرآن کھول کر متعلقہ آیت لکھ رہی ہوں۔

میزہ کو یونیورسٹی کے حکام نے نقل کی پاداش میں ناکام قرار دے دیا۔ اس کے ذیل ہونے کی خبر سن کر میزہ کے کوئی ساتھی سرجم جوتیو بنے بطور احتجاج اس وقت تک دھڑنا مار کر بیٹھے رہے کامیڈا کر لیا جب تک اُسے کامیابی کی سند نہ دی جائے۔ بتواتر چار دن تک انہوں نے پولیس کی ہر کاروائی کا مقابلہ کیا جو ان کو منتشر کرنے کیلئے کی گئی اور اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے۔ آخر کار یونیورسٹی والے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ میزہ جتنی اساتذہ اور تلامذہ کے دھوکہ دہی کے طریقے کے عنوان پر ایک مضمون لکھے تو یونیورسٹی اس کو دگر کی عطا کرے گی مدد مر

محمد سلیمان از مسقط

کشمیری لڑکی بھی شہید ہو گئی تھی جس کا ہم نام بھی نہیں جانتے  
 کہ وہ کون تھی۔ وہ بھی بھاری پارٹی میں شریک ہو گئی تھی۔  
 اگست اور ستمبر ۱۹۶۵ء میں اگر آپ صدائے کشمیر  
 ریڈیو سنتے رہے ہوں تو آپ کو یاد ہو گا کہ کشمیر کے حریت  
 پسندوں نے مقبوضہ کشمیر کے اندر جہاں بھارتی فوج کے  
 کنوائیوں کو تباہ کیا تھا وہاں بہت سارے بچوں کو بھی تباہ  
 کیا تھا جس سے مقبوضہ کشمیر پر قابض فوج اتنی کمزور ہو  
 گئی تھی کہ اس کا کشمیر میں بٹھرنے کا حال ہو گیا تھا اور حقیقت  
 یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر حریت پسند گوریلوں کے قبضے میں آ گیا  
 تھا۔ فرق صرف یہ رہ گیا تھا کہ آزاد کشمیر کی فوج کو اندر جا  
 کر قتل کیا جاتا تھا

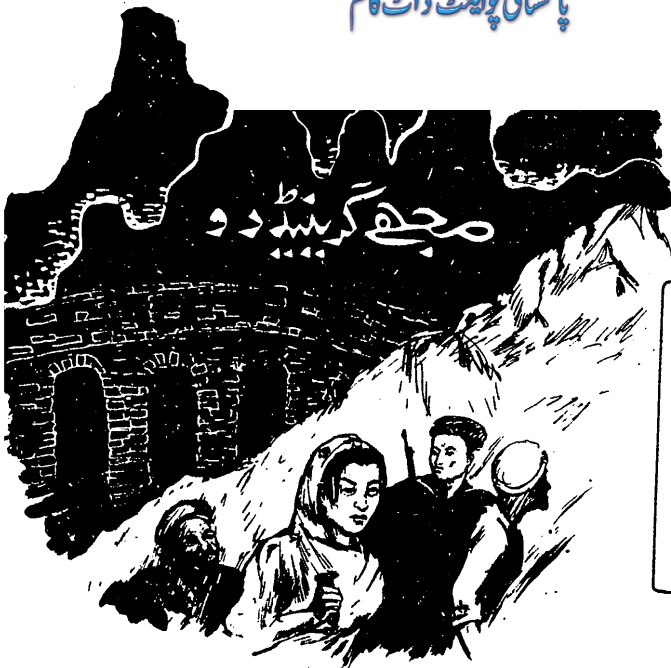
میں اُس بچے اور اُس  
 لڑکے کو کیا تھا جس کی میں  
 لے لے ابھی تک شور مچا

دقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

آپ شکار اور مہم جوئی کی کہانیاں شائع کیا کرتے ہیں  
 میں ایک کہانی بھیج رہا ہوں۔ یہ شکار کی کہانی بھی ہے اور  
 مہم جوئی کی بھی لیکن اس میں ہم نے کوئی شیر نہیں مارا نہ کسی  
 بہت اونچے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچا ہے۔ ہم چار ساتھیوں نے  
 مقبوضہ کشمیر میں ایک مشین گن پوسٹ کو تباہ کیا تھا جو انڈین  
 آرمی نے ایک بچے کی حفاظت کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر لگائی  
 ہوئی تھی۔ اُسے ہم آدم خور مشین گن کہا کرتے تھے میں اُس  
 جگہ کا نام نہیں لکھوں گا نہ بچے کا نام لکھوں گا نہ اپنے ساتھیوں  
 کا نام لکھوں گا اور آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرا نام  
 بھی نہ چھاپیں۔ مجھے اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں  
 لیکن دوسروں کے نام لو  
 سوچتا ہوں کہ نام آئیں  
 نہ آئیں تو میرا بھی نہ آئے  
 سے زیادہ افسوسناک بات

ایک کشمیری گویلا  
 انعام یافتہ سچا واقعہ



وہ جینج جینج کو کہنے لگی۔  
 "مجھے گرینڈ دو۔ عزت  
 میری لٹی ہے۔ تم بے عزت  
 مسلمان کشمیر کو کیسا آزاد  
 کراد گئے، مجھے گرینڈ  
 دوے دو"

گرمیڈوں کے متعلق معلومات اور ان کے استعمال کے طریقے پوچھتے رہتے تھے۔ جب ہم جوان ہوئے تو فوجیوں کی بارکوں تک پہنچنے لگے۔ فوجی بھائیوں نے ہمیں تمام ہتھیار دکھائے اور دو تین بار فائرنگ رینج پر ان کی فائرنگ بھی دکھائی۔ ان ہتھیاروں کے دھماکوں سے ہمارا خون کھلنے لگتا تھا اور السی خواہش ہوتی تھی کہ یہ ہتھیار چرا کر اپنے گھر رکھ لیں۔

آخر وہ وقت آیا کہ یہ ہتھیار خود ہی ہم تک پہنچ گئے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی چاہیے کہ ہمیں ہتھیار اور گرمیڈ کہاں سے ملے۔ میں صرف اتنا بتا رہا ہوں کہ ان کے ذریعے ہمیں کتنے تھیں۔ ہم تین تین میر کے اندر چلے گئے، وادیلو ب واقف تھے۔ ہم رات کو باپر ہلڈ بولتے تھے۔ اس نے اتنا تھا بلکہ ہمیں اسلحہ اور ٹی یہ ہوتی تھی کہ صبح سے بائیں۔

ہماری ایک تنظیم تھی جس کے تحت ہمیں کبھی کبھی اکٹھا کر کے سارے مقبوضہ کشمیر کی صورت حال سے آگاہ کیا جاتا تھا اور ہمیں نئے تاریخیت بتائے جاتے تھے۔ وہاں ہمیں یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ ہماری تنظیم کے کون کون سے ساتھی شہید یا قید ہو چکے ہیں۔

گوریلا آپریشن کو کمپس چھپیں دن گذر چکے تھے اور مقبوضہ کشمیر کے اندر بھارتی فوج کے پاؤں اکٹھ گئے تھے۔ فتح ہمارے قدم چوم رہی تھی۔ کوئی کُل سلامت نہیں تھا نہ کوئی چوکی رہ گئی تھی لیکن ایک روز ہمیں بتایا گیا کہ ایک ندی پر چھوٹا سا پل ہے جہاں پلڈنڈی گزرتی ہے۔ رات کو فوجیں اس پل کو استعمال کر رہی تھیں۔ پل کی پوزیشن

رہے ہیں کہ مقبوضہ کشمیر میں پاکستان آرمی کے جوان گوریلا جنگ لڑ رہے تھے۔ یہ الزام کہاں تک غلط ہے، میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ میں صرف اتنی بات کہتا ہوں کہ جہاں تک میری گوریلا پارٹی کا تعلق تھا، ہمیں پاکستان آرمی کی کوئی مدد حاصل نہیں تھی نہ میں نے نہ میرے ساتھیوں نے کبھی پاکستان آرمی کا کوئی آدمی اس آپریشن میں دیکھا تھا۔ ہماری اپنی جنگ تھی۔ وہ ہمارے ہی باپ، چچے اور ماموں تھے جنہوں نے ۴۸-۱۹۴۷ء میں ڈوگرہ راج کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی اور ریاست اور بھارت کی پہلی فوجوں کے خلاف لڑے تھے۔ اس وقت ہم بچے تھے۔ ہم بھی لڑنا چاہتے تھے لیکن، ہمارے سرگور، نرگور، ناکتال،

میں یا ان جگہوں پر بھیج دیا۔ پھر بھی بہت سے لڑا کو اینڈیشن پہنچانے کے علم ہم بھی خواہش۔ اسے آزاد کرانہ گے اور کے خون کا بدلہ لیں گے۔

اور ہم ماؤں سے دودھ بچھو کر نکل کھڑے ہوئے۔ ہم بھارتیوں کے خلاف دل میں آگ لئے ہوئے جوان ہوئے تھے اس لیے لڑنا مرنا ہمارے لیے کوئی عجیب اور خوفناک بات نہیں تھی۔ ہم ایک قسم کے پیدائشی فوجی تھے۔ ہم بہت سے لڑکے اکٹھ اکٹھے ہو کر سیکھیں بنایا کرتے تھے کہ مقبوضہ کشمیر میں ہم کس طرح تباہی پھا سکتے ہیں۔ جب ہم لکھ پڑھ گئے تو چین کے گوریلوں کے کارنامے پڑھنے لگے، پھر ویت نام کے وطن پرست گوریلوں کے کارنامے سامنے آنے لگے تو ہم نے ان کے جنگی طور طریقوں کو ازبر کر لیا۔ آزاد کشمیر آرمی میں ہمارے گاؤں اور علاقے کے بہت سے آدمی تھے جو چھٹی آیا کرتے تھے تو ہم ان سے رائفل، مشین گن اور

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

کر اس بل کو انتہائی خطرناک پوزیشن سے ایک مشین گن کوڑ کر رہی ہے۔

ہیڈ کوارٹر نے اس مجاہد کی رپورٹ کے مطابق اگلی رات تین مجاہدوں کی پارٹی بھیجی۔ انہیں پوری طرح ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ وہاں کس طرح کے خطرات ہیں لیکن وہ پارٹی بھی واپس نہ آ سکی۔

چوتھے روز میری پارٹی کے ایک مجاہد نے رضا کارانہ کہا کہ اس بل اور مشین گن کو ہم تباہ کریں گے۔ میں بھی تیار ہو گیا۔ چنانچہ ہم چار آدمی اس آدم خور مشین گن کے شکار کے لیے رات کی تاریکی میں روانہ ہو گئے۔ ہمارے ساتھ چوتھا آدمی وہی تھا جو اس مشین گن کی خبر لایا تھا۔ راستہ ہی میں معلوم ہوا۔

تھے۔ اس رات بھی ہم نے ہمارے پاس ڈائنامیٹ

ب کے پاس مشین گن تھی۔

مجھارتی فوج کے ایک مجاہدوں میں چھپ گئے۔

ایک کہہ رہا تھا۔

میرا حیاں ہے سو ادنیٰ ہے۔ بیدار ہو گا۔

دوسرے نے کہا۔ "خوالدار کہتا ہے کہ اُس نے دو تین آدمی دیکھے ہیں۔"

پہلے نے گالی دیکر کہا۔ "..... خوالدار کو خواب میں بھی پاکستانی نظر آتے رہتے ہیں۔"

یقین کیسے کہ ان دونوں مجاہدوں اور مجھ میں صرف آٹھ دس اینچ کا فاصلہ تھا۔ اگر وہ پیچھے ہٹتے تو ان کا پاؤں میرے

اوپر پڑتا۔ میں انہیں پیچھے سے آسانی سے ختم کر سکتا تھا لیکن ہمارا مشن کچھ اور تھا۔ ہمارے میں کسی سے اُلجھنے سے گریز کر رہے تھے۔ اتنے میں کوئی سو ڈیڑھ سو گز دور سے

گیدڑ کی آہوا ہو، سنائی دی۔ ایک مجھارتی سپاہی نے خوالدار کو نہایت غلیظ گالی دیکر کہا۔ "دیکھنا، گیدڑ کو پاکستانی

ایسی تھی کہ دونوں طرف ادبھی چٹائیں تھیں۔ ایک چٹان پر دشمن کی بڑی مشین گن کا ٹھکانہ تھا۔ یہ گن پوسٹ چٹان میں ایسی جگہ لگی ہوئی تھی کہ دائیں بائیں اور پیچھے سے اُسے چٹان نے محفوظ رکھا تھا۔ سامنے کا علاقہ بالکل کھلا تھا کہ زمین پر چوہا بھی چلے تو اوپر سے مشین گن کے گندوں کو نظر آ جاتا تھا۔ پیچھے جا کر گرنیڈ پھینکنا بالکل ممکن نہ تھا کیونکہ اس طرف سے چٹان دیوار کی طرح سیدھی تھی۔ دائیں اور بائیں سے بھی اوپر چڑھنا آسان نہ تھا۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ دائیں بائیں دشمن نے بارودی سرنگیں بچھا رکھی ہیں۔

اس بل کو تباہ کرنے کے لیے ہماری دو پارٹیاں گئی تھیں جن میں تین تین گھنٹے کی دیر سے آسکی۔ دوسرے تیسری پارٹی میں پندرہ آدمی تھے۔ ایک ریگتا ہوا آدمی ڈائنامیٹ تھا۔ اُس کا سر تاکہ اپنے ساتھی کی حفاظت

بل تک پہنچا تو چٹان کے اوپر سے سین سی دھماکا سنائی دی۔ گن کی پوری بوجھاڑ اس جانناز کے جسم سے پار ہو گئی۔ اُس کے ہاتھ میں ڈائنامیٹ تھا جو گولی لگنے سے ہبیدت ناک دھماکے سے پھٹا۔ اب آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس شہید کے جسم کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اس کے ساتھی کو پہلی بار معلوم ہوا کہ بل کی حفاظت کے لئے دشمن نے مشین گن لگا رکھی ہے۔ وہ ریگ ریگ کر ایسی آڑ تلاش کرنے لگا جہاں سے وہ اس مشین گن کو اپنی مشین گن سے ختم کر سکے مگر دشمن کی گن پوزیشن ایسی تھی کہ کسی طرف سے زمین نہیں آ سکتی تھی۔ اس مجاہد نے بھی بہتر سمجھا کہ واپس آ کر اپنے ہیڈ کوارٹر کو خبردار کر دے

دقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

کہہ رہا ہے۔ دوسرے سپاہی نے کہا۔ ”یہ حوالدار سٹور کا بچہ ہیں کسی دن پاکستانیوں کے ہاتھوں مروائے گا۔۔۔۔۔ چلو چلیں“

ان جاہلوں کو معلوم نہ تھا کہ آہوا آہوا کی آواز گیدڑ کی نہیں میرے ایک ساتھی کی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ خطرہ نل رہا ہے۔

آخر خطرہ ٹل گیا۔ بھارتیوں کا گشتی دستہ جو غالباً باٹ رجمنٹ کا تھا پہاڑی انشیپ و فرائز میں غائب ہو گیا اور کوئی بیس منٹ بعد ہم چاروں ساتھی اکٹھے ہو کر آگے کوچل پڑے۔ صبح کا ذب ہو گا جب ہم مانپتے ہوئے چھوٹی سی ایک وادی میں پہنچے تو ہمارے رہبر ساتھی نے

کہا۔ ”یہیں رگ جا

ہے۔“ ہم رگ گئے

(فوجی پتیلے) سے کمی کو

نے کھائیں۔ ہم بہت تھکا

احساس نہ تھا۔ بس ایک

پل کو بر باد کرنا ہے۔

وہیں صبح ہو گئی۔ قریب ہی مٹی جھاڑیاں اور ان کے ساتھ پہاڑی میں کھوہ سی تھی۔ ہم وہاں دیک گئے۔ دن کے وقت اس علاقے میں گھومنا پھرنالے ہی تھا، جیسے کوئی موت کے منہ میں پھر رہا ہو۔ پھر بھی میں اپنے راہنما کو ساتھ لے کر چھپتا چھپتا ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے پل نظر آتا تھا۔ اس کے دونوں طرف چٹانیں تھیں اور جس چٹان پر مشین گن لگی ہوئی تھی وہ بہت اونچی تھی۔ میں نے پوری طرح جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ پل کو اٹانا آسان نہیں۔

ہم واپس آ رہے تھے کہ اچانک ہمیں ایک کشمیری لڑکی نظر آئی۔ وہ سر پر گھڑی سی رکھے حیران و پریشان مہلی

جاری تھی۔ پشیتز اس کے کہ میں فیصلہ کرتا کہ اس لڑکی سے چھپے رہیں یا کیا کریں کہ میرے ساتھی نے اوٹ سے اٹھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ لڑکی کی ہلکی سی چیخ لگی گئی لیکن میرے ساتھی نے یہ کہہ کر کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسے خاموش کر دیا۔

بھولی سی یہ لڑکی بیس اکیس برس کی عمر کی ہوئی۔ وہ کشمیر کی لڑکیوں کی طرح خوبصورت تھی لیکن اس کے چہرے

پر مظلومیت اور اذیت کے آثار تھے۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔ ہم اسے اوٹ میں لے گئے۔ میرے ساتھی نے پھر کہا۔ ”ہم مسلمان ہیں اور آزاد کشمیر سے آئے ہیں۔“

لڑکی نے پوچھا۔ ”تم بھی ہندوؤں سے لڑائی کرنے آئے ہو؟“ اُس کی آواز میں خوشی نہیں تھی نہ غم تھا، نہ

اُس کی آواز مری ہوئی تھی۔

ادکر اڑ گئے یہاں جو آتا ہے

ازاد کشمیر کے بہت سارے

نے اُس سے پوچھا: تمہارے

وقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

اُس نے اپنی مظلومیت کی بہت ہی لمبی کہانی سنا ڈالی۔ اُس وقت میں نے دیکھا کہ اس کی آواز میں کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ روجھی رہی تھی اور دانت بھی پیس رہی تھی باتیں کرتے کبھی اس طرح ہو جاتی جیسے وہ انسان نہیں تھے۔ اس کی داستان مختصر یہ ہے کہ اسکے گاؤں (جو وہاں سے دو تین فرلانگ دور تھا) میں تین چار گھرانے جھاگ نہیں سکتے تھے۔ باقی گاؤں خالی تھا۔ اب اُن کے لیے جھاگ کر آزاد کشمیر چلے جانا ممکن نہیں تھا۔ یہ لوگ بھارتی فوجیوں کے لیے بیگار کرتے تھے اور یہ لڑکی مسلسل غیر انسانی مظلومیت کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ گاؤں کے تمام جوان آدمی شہید کر دیئے گئے تھے۔ وہاں اب نو عمر لڑکے اور بوڑھے رہ گئے تھے جو فوجیوں کے

روک لیتے ہیں اور بدھ دار کے راشن والے ٹرک پر بھاگ رہا ہوں  
تک بیچ دیتے ہیں۔“

وہ سوموار کا دن تھا اور یہ وہی سوموار تھا جس روز  
انڈین آرمی نے پاکستان پر حملہ کیا تھا۔ جیسے تو بعد میں پتہ  
چلا تھا۔ ہم چاروں ساتھی اٹھتے ہو گئے۔ ہم نے لڑی سے  
پوچھا کہ وہ اب کہاں جاتے گی؟ اُس نے خود اعتمادی سے  
کہا۔۔۔ ”جہاں تم جاؤ گے۔“ جواب قدرتی تھا۔ ہم نے  
اسے کہا کہ انشا اللہ اسے ساتھ لے چلیں گے۔

ہم ساتھیوں نے آپس میں مشین گن کی باتیں شروع  
کر دیں اور سیکس بنانے لگے۔ ہم میں سے کسی نے گرینڈ کا  
نام لیا تو لڑکی نے بے تابی سے پوچھا۔ ”تمہارے پاس  
— ہاں ہے۔“ وہ

یڈ میں ایک چھلّا ہوتا ہے  
دیتا ہے۔ ہم نے اُسے

دقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

اُس نے پر جوش بولیں  
لی۔“

”جی، سیرے ایب ساغی نے کہا یہ تمہارا کام  
نہیں ہے۔ ہمارا موجودگی میں ایک لڑکی لڑنے جائے،  
ہمارے لیے شرم کی بات ہے۔“

لڑکی نے ہم کی تیزی سے ایک ہاتھ میری کلائی  
پر اور دوسرا میرے گریبان پر رکھا اور چیخ کر بولی۔ ”مجھے  
گرینڈ دو۔“ اُس کی انگلیاں میری کلائی کے گرد اس  
قدر زور سے پکٹ گئیں جیسے میری کھال میں اُنتر گئی ہوں۔  
میں نے اُسے دیکھا تو اللہ کی قسم میں ڈر گیا۔ اُسکی آنکھیں  
لال سُرخ ہو گئی تھیں چہرہ بھی سُرخ اور اس کے دانت  
پس رہے تھے۔ وہ اب ایک خوبصورت اور مظلوم لڑکی  
نہیں سر اپا جہن بن چکی تھی۔ میرے ایک ساتھی نے اُسے

یہ سامان اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر لے جاتے تھے۔ اگر کوئی  
فوجی دستہ اس علاقے میں قیام کرے تو عورتیں اس کے لیے  
کھانا پکاتی تھیں۔ انہیں اس کی اجرت دو وقت کی روٹی کی  
صورت میں ملتی تھی۔

اس لڑکی پر جو ظلم و ستم ہو رہا تھا، میں اُس کی تفصیل  
نہیں سناؤں گا کیونکہ آپ اپنا خون پینے کے سوا کچھ نہیں کر  
سکیں گے۔ ہم چار آدمی تو گئے ہی مرنے کے لیے تھے لیکن  
اس لڑکی کی باتیں سنیں تو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم پُل پر بھارتی  
مشین گن کا نشانہ بننے سے پہلے اس لڑکی کی عصمت کا  
انتقام لے کے مریں گے۔

لڑکی نے بتایا کہ یہاں سے دو میل دُور ایک فوجی کیمپ  
ہے اور وہ وہاں بند واد  
جاتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی  
تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ا  
گن کو بہت اچھی طرح جا  
کوئی بھی اس پُل کو نہیں  
مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔“

ایک ساتھی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تمہاری  
عزت کی قسم ہم واپس نہیں جائیں گے۔ کچھ کر کے جائیں گے  
اور تمہیں ساتھ لے کے جائیں گے یا تمہارے سمیت  
یہیں مریں گے۔“

لڑکی بھی جذباتی ہو گئی اور بے طرح رونے لگی۔ پھر  
اُس نے باتیں شروع کیں تو ہمیں دشمن کی مشین گن کے  
متعلق نہایت کارآمد باتیں معلوم ہونے لگیں۔ لڑکی نے بتایا  
کہ اس مشین گن پوسٹ پر سات اٹھ آدمی ہیں۔ ان کے  
لیے ہر مدد واد کی رات جیپ یا ٹرک پر پورے ہفتے کے  
لیے راشن آیا کرتا ہے۔ لڑکی نے کہا۔ بعض اوقات  
کافروں کے افسر مجھے دو دو تین تین راتیں اپنے پاس



کندھے سے حزام کر کہا۔ ”بہن، صبر سے کام لو، یہ کام تمہارا نہیں۔“

وہ پھر چینی۔ ”مجھے گرنیڈ دو“ وہ رونے لگی اور ساتھ ہی چیخ کر کہنے لگی۔ ”مجھے گرنیڈ دے دو۔ یہ کام میرا ہے، عزت میری لٹی ہے۔ تم بے عزت مسلمان لشکر کو کیا آزاد کرواؤ گے، مجھے گرنیڈ دے دو۔ مجھے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا ہے، اپنے چھوٹے چھوٹے دو بھائیوں کے خون کا بدلہ لینا ہے۔“ وہ اور زور سے چینی۔

”مجھے گرنیڈ دے دو بے عزت! مجھے اپنی عزت کا بدلہ لینا ہے۔“ اُس کی انگلیاں میرے بازو میں اتر گئیں اور میرا گریبان جو اُس نے ہاتھ مار مار کر جاتا رہا گا۔

بڑی مشکل سے۔

عدے پر کہ اُسے گرنیڈ  
س کا ابال سرد پڑ جائے  
مارے دھبے اُس سے  
س طرح گرنیڈ پھینکے گی!

”بھارتیوں کو تم نہیں جانتے، میں جانتی ہوں، اُس نے کہا۔“ وہ مجھے دکھائیں گے تو اوپر بلا لیں گے، چونکہ وہ مجھے مظلوم اور غلام کشمیری لڑکی سمجھتے ہیں۔ میں دپر چلی جاؤں گی۔ وہ اپنے نشے میں بدست ہوں گے اور بن ان کے درمیان گرنیڈ پھینک دوں گی۔“

میں اب سوچتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے کہ ہم نے لڑکی کو گن پوسٹ تباہ کرنے کے لیے بھیج دیا تھا لیکن کی کی اس وقت کی ذہنی حالت یاد آتی ہے تو تسلی ہوتی ہے۔

”ہیں اس کی خواہش پوری کرنی چاہیے تھی ورنہ وہ چیخ کر کہیں پکڑوا دیتی۔“

میں نے اسے گرنیڈ دیا تو اُس نے پوچھا کہ یہ کیسے

چلے گا، میں نے اسے بتایا کہ یہ چھلا کیچ کر پھینک دینا اور گرنیڈ پھینک کر خود لوٹ جانا یا اوٹ میں ہو جانا۔

لڑکی نے گرنیڈ ہاتھ میں لے لیا اور اُس کے پاس جو چھوٹی سی گٹھری تھی اسے اس طرح ہاتھ میں اٹھا لیا کہ کسی کو گناں بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں گرنیڈ بھی ہے۔

وہ آگے آگے چل پڑی اور ہم ریگتے اور چھتے اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ اُدھے لٹھے بعد دیکھا کہ لڑکی پیچھے پگڈنڈی پر کھڑی اور مشین گن پوسٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہم زیادہ دُور نہیں تھے۔ یہیں مشین گن کا ٹھونڈا۔

پہلا ایک بھارتی سپاہی باہر پر آجاؤ۔ اور اُس نے

وقار عظیم

پاکستانی پبلیٹ ڈاٹ کام

پر جانے کا راستہ خاصا  
ری نظروں سے اوجھل  
کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔

درخت اور جھاڑیاں بھی

تھیں مشین گن پوسٹ خاصی بلندی پر تھی۔ ہم نے دیکھا کہ دو اور سپاہی باہر نکلے اور زور زور سے ہنسنے لگے۔ اتنے میں لڑکی کا سر نظر آیا۔ وہ مشین گن سے پندرہ بیس گز پیچھے رہ گئی تھی۔

اچانک بڑے زور سے دھماکہ ہوا۔ جہاں لڑکی کا سر نظر آیا تھا وہاں سیاہ دھواں اور پتھر اُڑے۔ بھارتی سپاہی بھاگ کر مشین گن کے بنکر میں گھس گئے۔ اس کے بعد لڑکی نظر نہ آئی۔ ہم ایک ہی بات سمجھ سکے۔ لڑکی نے شاید گرنیڈ کی پرن نکال لی تھی لیکن اس کے سپرنگ کو تھکی میں دبا کے رکھنا بھول گئی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اُسے بتایا تھا یا نہیں کہ اُسے دبا کر رکھے معلوم ہوتا

دہشت زدہ۔

بے گرنیڈ اُس کے ہاتھ میں پھٹ گیا تھا۔ کثیر کی  
مظلوم لڑکی آزاد ہو گئی تھی۔

انہیں پہنچے اتارا پھر چار بھارتیوں کی وردیاں اُتروائیں  
جو ہم چاروں نے پہن لیں۔ سر پر ان کی فولادی ٹوپیاں لگیں۔  
انہیں ہانگ کر ٹیکریوں کی اوٹ میں لے گئے ضرورت کے  
سامان میں ہمارے پاس مضبوط موٹی رتسیاں بھی ہوتی تھیں۔  
ہم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں ایک ہی رتسی سے باندھ کر  
انہیں پیٹ کے بل لٹا دیا اور شرک سے گندے کپڑے اور  
اپنے رومال نکال کر سب کے منہ میں ٹھونس دیئے۔ ہم اُن  
پر فائرنہیں کر سکتے تھے ورنہ مشن چوٹ ہو جاتا۔ ہمارے  
رہبر نے ان سے پوچھا۔ ”آج کا پاس ورڈ کیا ہے؟“  
اگر پاس ورڈ غلط  
لگے۔ نامک نے سر ہلایا

وقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

سیٹ پر بیٹھا۔ ساتھ  
لے گئے اور شرک چلا گیا۔  
کے نیچے کھڑے تھے۔

رہبر نے ہارن بجایا تو اوپر سے آواز آئی۔ ”ہالٹ،  
ہکم ڈو۔“ ادھر سے جواب ملا ”فرنیڈ۔“ اُدھر سے  
آواز آئی۔ ”پاس ورڈ۔“ ادھر سے جواب ملا ”گھوڑا۔“  
اوپر سے آواز آئی۔ ”پاس فرنیڈ۔“ اور ہم چاروں  
اوپر چڑھنے لگے۔ اوپر سے آواز آئی۔ ”ارے کیا لائے ہو؟  
سالے دال لائے ہوں گے۔“ میں نے جواب دیا۔  
”نہیں یار! آج تو ترمال ہے۔“ اوپر سے ہنسی کی آواز آئی۔  
اوپر چڑھنا محال تھا۔ قدم قدم پر پاؤں پھسلنا تھا۔  
آخر ہم مشین گن کے گھونسلے تک جا پہنچے۔ ایک حوالدار  
نے بھڑاق کرنا چاہا تو میں نے کہا ”ارے سب اندھ ہو  
جاؤ، میجر صاحب بھی آرہے ہیں۔“ حوالدار بھاگ کر بٹکر

ہم پر سکتے طاری ہو گیا اور ہم اپنی پناہ گاہ میں لپک  
آ گئے۔ اب ہمارے ذہن پر بدھ وار والا راشن شرک  
سوار ہو گیا۔ ہم نے سو مار کی رات، ہنگل کا دن اور رات  
اور بدھ وار کا دن بھی وہیں چھپے چھپے گزارا۔ ہمیں کچھ علم  
نہیں کہ شرک رات کس وقت راشن لے کر آتا ہے۔ بدھ  
کی رات اٹھ ساڑھے بجے ہم پناہ گاہ سے نکلے اور دور  
کا چکر لاکٹ کر مشین گن والی چٹان کے پیچھے سے گذرتے  
اُس پگڈنڈی پر پہنچ گئے جو آگے آکر پہلے سے گذرتی تھی شرک  
کے لیے یہی راستہ تھا۔ ہم نما۔ سناہ انا۔ سمجھ جا کر  
اور ایک اُڑدیکھ کر گھات میں  
مال تھی۔ ہم اُسی کے بھرو۔

ہم گھات میں بیٹھے ہی تھے کہ  
دی۔ ہم مشین گنوں پر میگزین  
فیصلہ کر لیا کہ فائر نہ کریں ورنہ  
شرک قریب آگیا۔ اُس

پندرہ ہینڈر ڈویٹ شرک تھا۔ رفتار زیادہ نہیں تھی۔ جو بہی  
ہمارے قریب سے گذرے لگا، میرا ایک ساتھ ڈرائیور  
کی طرف سے شرک پر چڑھا اور آہستہ سے ڈرائیور سے کہا۔  
”گاڑی روکو میرے ہاتھ میں گرنیڈ ہے۔“ ادھر سے  
میں چڑھ گیا اور مشین گن گاڑی کے اندر کر دی۔ میرے  
دو ساتھی ٹیل بورڈ پر جا چڑھے اور آہستہ سے لٹکارا۔  
مخبردار کوئی ہلا تو کوئی مار دس گئے۔ گاڑی رُک گئی۔

اس میں ڈرائیور کے ساتھ ایک نامک اور چیتھے تین سپاہی  
بیٹھے ہوئے تھے۔ حریت پسندوں کے کارنامے سُن سُن کر  
ان پر پہلے ہی دہشت طاری تھی، کیا حال کہ اُن میں کسی نے  
اوپر سانس بھی لی ہو۔ وہ تو مٹی کے پتیلے تھے اور بے حد

کے اندر چلا گیا اور اپنے سپاہیوں سے کہنے لگا۔ "پوزیشن پوزیشن! میجر صاحب آ رہے ہیں۔ اینڈیشن ٹھیک سے رکھو۔" ہم نے انہیں اندر کر کے ایک منٹ بھی ضائع نہ کیا۔ چاروں نے نہایت پھرتی سے ایک ایک گرنیڈ پرائم کر کے مشین گن پوزیشن کے چوڑے سوراخ سے اندر پھینک دیا۔ ایک ایک سکینڈ کے وقفے سے چار گرنیڈ پھٹے۔ ہم گرنیڈ پھینکنے ہی سوراخ کے نیچے لیٹ گئے تھے۔ اس قدر زور کا دھماکہ ہوا کہ پتھر دُور دُور تک اڑے اور ساری وادی میں دھماکے کی گونج کئی ہی دیر ٹھکتی رہی۔ گھونسلے کے اندر سے دو تین چھین سنائی دیں پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ ہم نے دھواں دیکھا۔

کی چھت اڑ گئی تھی۔ اند مشین گن پوزیشن میں آگ لگ پڑی ہوئی تھی اور ہم بیٹھے آئے۔

ساخت کا ڈائنامیٹ رکھا۔ یہ بیٹی والا ڈائنامیٹ تھا۔ ہتھکڑی لگائی اور دُور بھاگ گئے۔ ایک منٹ بعد وادی ایک جھکے سے لرز اٹھی اور پل کے پرچے اُڑ کر بکھر گئے۔ ہم نے ٹرک سے بھارتیوں کے ہتھیار اٹھائے پھر وہاں گئے جہاں ٹرک والے بھارتی سپاہیوں کو باندھ آئے تھے۔ وہ اس طرح اوندھے منہ پڑے تھے۔ میرے ایک ساتھی نے سٹین گن کے فائر کا چھڑکاؤ کیا اور سب کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس رات ہم واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ ہمارا مشن کامیاب تھا۔ میں آج بھی اس ہیبت ناک ہم کے متعلق سوچتا ہوں تو روٹنے لگتا ہوں جاتے ہیں پھر خوشی ہوتی ہے کہ ساتھ ہی مجھے وہ شہری تیت کچھ اور ہو جاتی ہے۔ دل اس طرح ڈوبنے لگتا ہیں کی کشمیر ابھی تک ہوں۔

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

## جوانی تو قائم رہے والا پائی

یوگوسلاویہ میں ۸۲ سال کی عمر کی ایک خاتون کے ہاں ۲۱ سال بچہ پیدا ہوا ہے اخبار پولیتیکا نے اس کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس خاتون نے بتایا کہ میری صحت و جوانی کرایج کا پانی پینے کی بدولت قائم ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس پانی کو پینے سے جوانی مدت دراز تک برقرار رہتی ہے۔ (جنگ) محمد عون۔ کراچی

## "امتحانی مرکز کا خریدار"

لاہور کے ایک دولتمند صنعتکار نے ثانوی تعلیمی بورڈ سے کہا ہے کہ وہ ان کی صاحبزادی کے لیے میٹرک کے امتحان کا انتظام اُن کی کوٹھی پر کر دے، اگرچہ صنعت کار اس گھریلو مرکز کے "متم اخراجات" برداشت کرنے کو تیار تھا لیکن بورڈ نے درخواست منظور نہیں کی۔ (امروز) اقبال مکتوب چیک نمبر ۱۲۶-ج۔ ب نور پور

کی غلطیوں کے لیے اغلاط نامے کے ساتھ ساتھ یہ غدر بھی پیش  
کیا گیا ہے کہ مصنف گذشتہ کئی برسوں سے بینائی سے  
محروم ہو گئے ہیں خدا کرے کہ مصنف اپنے مشن میں  
کامیاب رہیں اور بقول ان کے آج کا نوجوان طبقہ اسے  
پڑھ کر ہدایت حاصل کر سکے۔

## خون آہنگ

ناشر ————— مکتبہ کارواں لاہور

قیمت ————— چار روپے

پھر ایک کارواں لٹا

..... طلبہ کراچی

## تبصرہ

لیلیٰ (ناول)

مصنف ناشر ————— شائق احمد عثمانی، شرف آباد کراچی۔ ۵

قیمت ————— بارہ روپے

تبصرہ نگار ————— جلال انور

شائق احمد عثمانی معرا ..... صفحہ ۱۵۰ خلاصہ

سے لے کر تحریک پاکستان

سے شامل رہے۔ اپنے ا

نے نہ صرف قلم سے جہاد کر

قیام پاکستان کے بعد کراچی آکر

اپنے قرآنی خیالات و افکار

کام کیا۔ محرم روز نامے انجم

کے فروغ کے لیے کام نگاری کرتے رہے۔

زیر تبصرہ ناول بھی انہوں نے اسی جذبے کے تحت

لکھا ہے کہ مسلمان قوم اور پاکستانی افراد کے دلوں میں خدا،

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مقدس کا پیغام

گھر کر جاتے۔ اس مرحلے کو طے کرنے کے لیے انہیں

دنیا داری کا سہارا بھی لینا پڑا اور عوامی لب و لہجے اور عام

پند اور چسکے کا خیال رکھتے ہوئے ناول میں رومان، جذبات

اور اسلامی تبلیغ کو یوں لگدڑ کر دیا ہے کہ واقعی یہ اپنی طرز کا منفرد

ناول ہو کر رہ گیا ہے۔

ناول نیوز پرنٹ پر تقریباً ۹۰ صفحات پر محیط ہے کتابت

## وقار عظیم

## پاکستانی پبلیش ڈاٹ کام

نزد مکتان

THE WOUNDS SPEAK

انگریزی ترجمہ ————— القاضی

ناشر ————— ستیارتھ پبلی کیشنز، لاہور

قیمت ————— ایک روپیہ پچتر پیسے

شاعر ————— نعیم صدیقی

تبصرہ نگار ————— اختر جاوید

خون آہنگ کی ابتدا میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کی دو احادیث درج ہیں جن میں جنگ کے دنوں میں شعرا

کو قلم سے جہاد جاری رکھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے بعجم صدیقی

نے نہ صرف اس ہدایت پر عمل کیا ہے بلکہ اپنے معاصرین

اور آنے والے قلمکاروں کے لیے بھی سوچ اور فکر کے ثبوت اور واضح راستے تراشنے ہیں جنگِ زندہ قوموں کی زندگی میں ایک پیغام بن کر آتی ہے۔ ایک ایسا پیغام جس میں نہ جیت و تمہیں خودی کی سر بلندی، اپنے اسلاف کی سطوت کی بقا اور آئندہ نسلوں کی سرفرازی کا راز مضمر ہوتا ہے۔

جنگِ ستمبر ۶۵ء نے پاکستانی قوم کے لیے بھی ایک ایسا ہی موقع مہیا کیا تھا۔ اپنی گم گشتہ صلاحیتوں اور خفیتہ عظیموں کی نشاندہی کا موقع — اور اقوامِ عالم نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا کہ پاکستانی قوم نے آزمائش کے ان دنوں میں کسی بھی محاذ پر ہلکے اور بڑے پن کا ثبوت نہیں دیا۔ فوجی جیالوں کی سرحدوں پر تہی ہوئی آگ کی فصیلوں کی طرح شہریوں کے حوصلے بھی

تھے۔ علماء، شعراء، ادبا کی ایک ہی لڑی میں پے پیش نظر ایک ہی مقصد دشمن سے نبٹنا، اپنی اقواموں کے وقار کی سلاست

نعم صدیقی نے، اس راہ پر گامزن اہل علم و اہل قلم حضرات میں سے کچھ تھک گئے، کچھ جی مار بیٹھے۔ کئیوں نے حالات سے سمجھوڑ کر لیا اور چند نے یہ جانا کہ جنگِ ستمبر اک وقتی ہنگامہ تھا، اس کے اثرات بھی دب گئے ہیں اور محرمات بھی۔ مگر نعم صدیقی کہتے ہیں — ع —

میراج ذوق، میراجاد جاری

اور امنوں نے اس قلمی جہاد کی کڑیاں پاک بھارت جنگ سے لے کر عرب اسرائیل جنگ تک پھیلا دی ہیں۔ سوچ کے جس کرب نے ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی سرزمین میں جنم لیا تھا وہ جون ۶۷ء میں عرب کے ریگزاروں

میں بھی پرا فشاں رہا اور اب تک روح کی گمائیوں میں گم ہوتا ہے۔ "خوں آہنگ" ستمبر کے سترو دنوں پر محیط ہے اور "پھر ایک کارواں لٹا" اور بارود اور ایمان، عرب اسرائیل جنگ کے تاثرات کا اظہار ہیں۔

THE WOUNDS

SPEAK بارود اور ایمان کا انگریزی ترجمہ ہے۔

جیسے القاضی نے انگریزی زبان میں مہارت اور ذہانت سے منتقل کیا ہے اور بلاشبہ یہ ضرورت تھی کہ ایسے صادق جذبات کی زیادہ سے زیادہ تشہیر اور ترویج کی جائے۔

تمام نظموں میں جو سلاست، روانی، قدرت بیان اور ندرت زبان کی چاشنی ہے وہ نعیم صدیقی کی فنکارانہ عظمت کا زندہ ثبوت ہے بعض نظموں میں وہ اپنے مہم سے بہت متاثر نظر آتے

بمحبوبوں میں کہیں کہیں ہیں — ع —

دوب کا جھلا ہوا جسم  
ولسے بہ حفظ و امان

ت طباعت اور حسین آرائش  
بایت معقول ہے۔

LIFE INSURANCE

SALESMANSHIP

مصنف: محمد اسحاق خان

ناشر: علامہ اقبال انشورنس فاؤنڈیشن بینک سکوٹر لاہور

قیمت: دس روپے

تبصرہ نگار: انظر جاوید

پچھلے کچھ برسوں سے پاکستان میں انشورنس کے کاروبار نے بہت ترقی کی ہے۔ انشورنس ایک صنعت کا روپ تو دھاری چکی ہے مگر اسے سائنٹیفک بنیادوں پر چلانے اور رائج کرنے کے لیے بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں انشورنس

میں ہمراہ اور ہمراہیجٹ کی عورت و توقیر کو بڑھانے اور انہیں صحیح مقام دلانے کے لیے مسلسل مصروف ہیں۔ اس کتاب کا یہ پہلو بطور خاص قابل ذکر ہے کہ مصنف نے اسے ذاتی منفعت کا ذریعہ بنانے کی بجائے اسے علامہ اقبالؒ انٹرنیشنل فاؤنڈیشن کے حوالے کر دیا ہے۔ اس فاؤنڈیشن کا مقصد یہی ہے کہ انٹرنیشنل کے کاروبار کو صحیح خطوط پر مندرجہ دیا جائے تاکہ معاشرتی تحفظ اور خلائع کے جو مقامداس کے پیش نظر ہیں انہیں پورا کیا جاسکے۔

ایسی کتابوں کی اردو زبان میں زیادہ ضرورت ہے تاکہ ایک عام پڑھا لکھا فرد بھی اس سے مناسب استفادہ کر سکے۔

(ل)

## دقار عظیم

### پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

موتی ہے جو ہند ب

ہے، معرفت ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی معاشرے کا ایک مینا ماگتا فرو ہے مگر اس کے دل میں بھی یہی دکھ اور احساس ملتا رہتا ہے کہ لوگ اسے انسان کیوں نہیں سمجھتے۔ یہ طبقاتی تقسیم کیا المیہ ہے کہ باعزت روزی کمانے والے پیشہ و افراد احساس کمتری کا شکار کر دیے جاتے ہیں مسلسل معاشرتی تفریق کے کچھ کوں سے خود اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عام روایتی کہانیوں کی طرح اس کہانی کی ہیروئن نونشا بھی محبت کی ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر اپنا گھر اپنا شہر چھوڑ کر کسی سخاوتی منزل کی طرف روانہ ہو پڑتی ہے مسلمان کی ٹیکسی میں بیٹھ کر بے جا رنگ اور بے بسی کے عالم میں اسے اپنی گم گشتہ شفقتوں اور چاہتوں کی کچھ جھلکیاں ملتی ہیں — اور پھر

اتنی ہی اہم اور ضروری ہے جتنی مستقبل کی کوئی بھی معاشرتی تحفظ کی تمیز ہو سکتی ہے۔ سرمایہ دار حضرات اپنی چھوٹی بڑی صنعتوں کے تحفظ کے لیے اور ایک عام غریب فرد اپنے بڑھاپے اور اپنے بچوں کے مستقبل کو مستحکم کرنے کے لیے انٹرنیشنل کے لیے سوچتا ہے۔ پاکستان میں انٹرنیشنل کے کاروبار کے لیے کتنا وسیع میدان ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں امریکہ میں فی کس انٹرنیشنل کی رقم بیس ہزار روپے ہے وہ پاکستان میں مشکل تیس روپے ہے۔

بچت کی اس سکیم اور زندگی کی ضروریات کے تحفظ کے اس سلسلے کو سود مند بنانے کے لیے مزدوری ہے کہ ہیر کرنے اور کرانے کے مسائل کو عوام میں پھیلا یا جائے انہیں اس سے پوری طرح آگاہ کیا جائے

تشہیر اور مزوج کی جاتے۔ اور

اور تعلیمی سلیٹ سے نشر کیا جاتے

میں اچھے بھلے بڑے لکھے اور

دیکھتے ہی پہلو بچانے کی کوشش

زمرہ داری ہمراہیجٹوں پر بہت

وہ بالعموم انٹرنیشنل کے فوائد کو تسلیم نہیں کرتے۔

انٹرنیشنل کو کیسے پیش کیا جاتے، یہ بچتے خود ایک فن ہے۔

اور انداز بن غنیمت ہے کہ اس فن پر پہلی کتاب پاکستان میں ایک

پاکستانی نے لکھنے اور شائع کرنے کی زحمت کی ہے۔ اس

کتاب کے مصنف محمد اسحاق خان نے انٹرنیشنل کا بڑا تجربہ لوہڑا

لیا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں اس کا تجربہ کا تجربہ ہے۔ چنانچہ

بہن طرح وہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں اسے ایک علم

ورسائیس کے انداز میں پڑھ کر آتے ہیں، بالکل اسی ڈھنگ

سے وہ انٹرنیشنل کو پاکستان میں رائج کرنے میں کوشاں ہیں۔

بہن انٹرنیشنل کمپنی کے وہ نگران ہیں اس کی وساطت سے

می اور اپنی تقریروں اور تحریروں سے بھی وہ معاشرے

مردمیںوں کے غم کو مٹانے کے لیے وہ اسی سہارے کی پناہ لے لیتی ہے۔ حالات کے تلنے بانے اگر ایک وقت میں سلمان کی مکیگر صوفیہ کو اس کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں تو اسی طرح نوشاد کی پہلی محبت کے قاتل جاوید سے بھی اس کی ڈھبھڑ ہو جاتی ہے۔ ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے سلمان کے نفسیاتی کردار کو ابھارنے کی خامی بھرپور کوشش کی ہے۔

ابتداء میں مصنف نے جبران کا ایک قول ڈرایا ہے۔  
"ادیب وہ ہے جس کی تحریروں میں انوکھاپن، انفرادیت اور رکشی تیز نوشتہ دیکھ کر مصنف نے ان میں سے شاید صرف ایک بات "انفرادیت" ہی کو قبول کیا ہے اور اسے اپنے طور پر نبھانا بھی چاہا ہے۔

کتاب سفید کا  
پروف ریڈنگ ناقص

صحبہ  
مصنف سہلی

ناشر: فاضل بک سٹور، سون ماریت، لاہور

قیمت: بارہ روپے

تبصرہ نگار: عبد اللہ زبیر

گزشتہ پانچ سات برسوں اردو زبان میں چھپنے والی نثر کی کتابوں میں شاید سب سے زیادہ ناول ہی چھپے ہیں اور وہ بھی خواتین کے۔ پرائی ٹھہ بند لکھنے والی خواتین کے ساتھ کچھ نئی ناول نویس خواتین کے نئے نام بھی سامنے آتے ہیں۔ انہی ناموں میں سہلی کنول نے بھی اپنی ایک منفرد حیثیت بسا لی ہے۔

صبا، ایک معاشرتی ساناول ہے جس میں روایت کے مطابق اگرچہ رومان ہے تو سہلی نثر۔ بالکل ایک محروم

قسمت اور بے چارہ انسان کے دلے دلے اور گھٹے گھٹے جذبات کی طرح۔ یہ کہانی چند انسانی المیوں کے گرد گھومتی ہے۔ ایسے ایسے کہ ایک ماں کو اپنی بیٹی کی زندگی بھر کی نفرت اس لیے قبول کرنا پڑتی ہے کہ وہ اپنے یتیم بھانجے کو کو دینے لے گھر چھوڑتی ہے جس کے بارے میں اُسے یقین ہے، اس کے سسرال والے اسے برداشت نہیں کریں گے۔ بے پالک بچہ ایک عمر تک سسرال کو اپنی ماں سمجھتا رہتا ہے اور صبا کہ زندگی بھر لا شعوری طور پر اپنی ماں کی تلاش میں سرگرداں بھی رہتی ہے اور شعوری طور پر اس سے انتقام لینے کی بھی سوچتی رہتی ہے۔ وہ در بدر بھرتی، اچھے بڑے لوگوں کو ملتی ماں کے قریب تو پہنچ جاتی ہے لیکن اس کی موت تک دونوں رہتی ہیں۔

جیسے صبا بہن بن کر راہ راست پر  
ہیں جو نیا زمندوں اور زبیدوں  
ایسے ہی کرداروں کی نفسیات ابھار  
منظر نے اپنے تئیں ٹھانی کوشش کی ہے  
وگرہ پوش کے ساتھ چھپی ہے اور

یہ ساتویں روایت سے مطابقت بہت زیادہ ہے۔

آئسٹم (ناول)

مصنف: جستہ جمال خانم

ناشر: جواد پرواز رزمی مسجد چوک انارکلی لاہور نمبر ۷

صفحات: ۲۱۶ • قیمت: آٹھ روپے

یہ معاشرہ جس میں ہم سب رہتے ہیں اور زمانے کے گرم دل اور تلخ وترش سے دوچار ہوتے ہیں جہاں خوشی بھی آتی۔ بچہ اور لڑکی بھی! جمال خانم نے حقیقت پسندانہ انداز سے ہماری معاشرت کی الفاظ کے حسین پیرائے میں صبح و شام کی ہے۔





کی اپنی بیماریاں ہوتی ہیں یا ماں کی طرف سے اثرات۔ اگر ماں کے ایکس رے زیادہ لیے جائیں تو یہ بچہ پراثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر ماں کوئی نشہ آور چیزوں کا استعمال کرتی ہو تو بچوں کی جسمانی اور ذہنی صحت پر تباہ کن اثر پڑے گا۔

دماغی صحت بحال رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

۱۔ جسمانی صحت اچھی ہوگی تو اس کا نتیجہ ایک صحت مند دماغ ہوگا۔

۲۔ پریشانیوں کو قریب نہ بٹھکنے دیجئے یعنی ان کا دلیرانہ مقابلہ کر کے ان سے کم سے کم متاثر ہوئیے۔

۳۔ زندگی ذہنی سکون بخشتی ہے۔

۴۔ نئے دیا جانے کے وہ ٹھکرانے

۵۔ کے مقابلے میں کشفیت

۶۔ دنا چاہیے۔

والدین کی شفقت اور

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

از حد ضروری ہے۔ اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں اسے گھل مل کر رہنا چاہیے۔ ہر شخص کو اپنے گھر، اپنے ماحول اور اپنے معاشرے میں سکون ملنا چاہیے ایسا نہیں ہوتا چاہیے کہ وہ فقط اپنے خیالات کی وادی میں ہی سکون تلاش کرے۔ عمر کے ساتھ ساتھ بچے کو یہ احساس بھی دلایا جائے کہ وہ خود کچھ کام کرے۔ اسے اس کی شخصیت سے آگاہ کرنے کا موقع ملنا چاہیے کہ اس کی صلاحیتیں ابھر سکیں۔ اس کے کیے ہوئے کاموں کو سراہنا چاہیے۔ اگر وہ کوئی غلط کام کر بیٹھے تو ڈانٹ ڈپٹ اور مار سے اسے اس کام سے باز رکھنے کی بجائے اسے اس کے نقصانات سمجھا کر منع کرنا چاہیے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ اس میں اتنی ہمت ہو کہ وہ ماحول کو

وہ صحیح سمجھ وہ کام کرے۔

بعض اوقات پیدا

نہیں ہوتا۔ بعض لوگ یہ

بیٹھے ہیں، اور ان کی دماغ

وقات کسی حادثے کی

سے دماغ میں کچھ نقص و

دماغی سکون کھونے کا ذمہ دار معاشرہ ہے۔ اپنے ارد گرد

کے لوگوں کے رویہ سے کوئی شخص ذہنی طور پر کبھی صحت مند

میں رہ سکتا اگر ان کا رویہ اس کے ساتھ غیر ہمدردانہ ہو۔

بل حساس ذہن یہ اثرات بہت جلد قبول کرتا ہے اور

پریشانیوں اس کی ذہنی صحت تباہ کر دالتی ہیں۔

ذہانت کم و بیش ضرور ہوتی ہے، یعنی کوئی شخص

پریشانی زیادہ لائق ہوتا ہے اور کوئی کم۔ مگر یہ فرق بہت

ہوتا ہے۔ دراصل کم ذہانت کی وجہ بعض اوقات بچوں

۶۔ ہر س دیہ احساس دلایا جائے کہ دوسروں کو

اس کی ضرورت ہے۔

۷۔ نشہ آور چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۸۔ ماں کو زیادہ ایکس رے اور نشہ آور چیزوں سے

دور رہنا چاہیے۔

۹۔ زیادہ سے زیادہ خوش رہنے کی کوشش کی جائے۔

ان ہدایات پر عمل کرنے سے آپ اپنا اور دوسروں

کا سکون برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اور ذہنی سکون زندگی کا سب

سے قیمتی اثاثہ ہے۔

مرث عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ کے نزدیک بہترین دوست وہ ہیں جو اپنے دوست کے غم خواہ ہوں۔ (متحدّث)

کی ایک سمائی صبح کو اسکندریہ کی بندرگاہ پر یہودیوں کا ایک قافلہ سرائیل جانے کے لیے جہاز کا منتظر تھا۔ اس قافلے میں ۳۳ سال کا ایک دبلا تیلایہودی الائی کوہن بھی تھا جو اپنی بیوی نادیہ اور دو بچوں کے ساتھ مصر کو خیر باد کہہ کر ارضِ موعود میں بسنے جا رہا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک لپتہ تھا جس میں اس کا سارا اثاثہ بندھا تھا۔

چند دنوں بعد جب یہودیوں کا یہ قافلہ اسرائیل پہنچا تو اسے مساجر کیمپ میں ٹھہرایا گیا۔ کوہن کی بچپن طبعیت کو کیمپ کی رہائش پسند نہ آئی اور وہ ملازمت تلاش کرنے لگا جلد ہی اسے تل ابیب میں ایک فیم کی جرد قتی ملازمت مل گئی اور وہ کیمپ سے نکل کر کرائے کے ایک کمرے میں رہنے لگا۔

عبدالرزاق

## دقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام



اس نے کہے میں فوٹو گرافی، اینکر و فوٹو اور  
ٹیب ریکارڈنگ کا سامان جمع کر لیا۔ اس  
نے شام سے تل ابیب کو پہلا پیغام  
بھیجا وہ کھٹوں میں پوشیدہ تھا جس  
میں روسی اسلحہ کے بیچ اعداد و شمار  
تھے جو روس نے شام کو دیا تھا۔

تھوڑی مدت بعد اسے اور جکڑ لگتی یہ سلسلہ دو سال تک چلتا رہا۔ اس عرصے میں کوہن نے اپنے آپ کو نئے وطن کے ماحول کے سانچے میں پوری طرح ڈھلایا۔ وہ ایک کٹر یہودی تھا۔ اس میں یہودیوں کی ساری خصوصیات تھیں۔ اسے مذہب سے زیادہ لگاؤ تھا اور اسے نئے ملک کی لوبی بھی پوری طرح نہ آتی تھی۔ وہ اس سرزمین میں پیدا نہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود اسے اس سے محبت تھی۔

جلد ہی کوہن اور اس کی بیوی نادیا کا حلقہ احباب وسیع ہو گیا اور کوہن کے پوشیدہ جوہر کھلنے لگے۔ گفتگو ایسی کرتا کہ ساری مغل پر چھا جاتا۔ وہ ایک ماہر نقل بھی تھا۔ وہ ہر شخص کی نقل اتارنے پر تیار تھا جب وہ جمال عبدالناصر اور ڈیگال کی نقل اتارتا تو محض اس کا نام لیتا، حالانکہ وہ

وہ پانچ زبانیں بڑی روانی میں بول سکتا تھا۔ اپنی انہو میں مشہور ہو گیا۔ ۱۹۵۹ء میں جارحانہ تھا کہ وہ اپنی جاسوسی محکمے کے افسر تھے۔ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

گذشتہ بیس برس سے یہودیوں اور عربوں کے درمیان سرحد جنگ جاری تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ یہودی اپنی فطری عیاری اور نگاری کی وجہ سے اس میدان میں عربوں سے زیادہ کامیاب تھے۔ ان میں دنیا کے مختلف ممالک کے باشندے تھے اور مختلف زبانیں بول سکتے تھے۔ اسرائیل کے جاسوسی محکمے کا نام شن بٹ تھا جو ساری دنیا میں اپنی کارکردگی کے لیے مشہور تھا۔ ان دنوں اسے ایک خطرناک مسئلہ درپیش تھا۔ بات یہ تھی کہ سوویت روس نے اسرائیل کے پڑوسی ملک شام میں اپنے وحی ماہرین کثیر السلحہ کے ساتھ بھیجے تھے جو شامی افواج کو جنگی

تر بیت دے رہے تھے اور کوہ جولان کی چوٹی پر واقع قلعے کو بعد اسلحے سے مستحکم اور ناقابل تسخیر بنانے میں مصروف تھے۔ دامن کوہ میں بسنے والے یہودی ہر روز دیکھتے تھے کہ قلعے میں بھاری توپیں پہنچانی جا رہی ہیں، حکومت اسرائیل اور شن بٹ کو بڑی تشویش تھی۔ اس کے افسروں کے دل میں یہ خواہش رہ رہ کر چٹکیاں لیتی تھی کہ کسی طرح اس اہم فوجی ٹھکانے کی تفصیلات معلوم کی جائیں۔ اس خطرناک کام کے لیے کسی چالاک اور قابل جاسوس کی فوری ضرورت تھی۔ اب تلاش بسیار کے بعد شن بٹ کی نگاہ انتخاب الائی کوہن پر پڑی تھی جتنا چنچر وہ دو اجنبی اسی غرض سے بازار میں اس سے ملے اور اس پر محاملے پر گفتگو کرنے لگے۔ اس کے بعد بھی چند ملاقاتیں ہوئیں۔ آخر کار کوہن نے یہودیوں کو یہ بتا دیا۔

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

اصل حقیقت سے بالکل ایسا بتایا کہ مجھے اپنی ہی ملازمت وطن سے باہر رہنا پڑے گا۔ ہو گیا بڑوسلوں کو صرف اتنا دو معصوم بچوں کو بے سہارا

لیکن جھاکا بالکل نہیں تھا، بلکہ شن بٹ کے خفیہ دفتر میں بیٹھا جاسوسی کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ اس کے لیے اس نے فوٹو گرافی اور مائیکروفوننگ اور تارنا سیکھا مختلف خفیہ کوڈوں کے متعلق معلومات جمع کیں۔ گھنٹوں روزانہ قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ سینکڑوں آیات حفظ کیں۔ شام کی اہم عسکری اور سیاسی شخصیات کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کیں۔

ایک سال بیت گیا کوہن نے مصری بسے کی جگہ شامی بسے میں عربی گفتگو شروع کر دی۔ وہ ایک شامی کی طرح اٹھنے بیٹھنے باتیں کرنے اور کھانا کھانے لگا۔ اس کے دل میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی گئی کہ وہ شام کے ایک دور افتادہ

ہنا کہ دونوں بہت جلد گھر سے دوست بن گئے۔  
 ثنابت کے حلقہ احباب میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ  
 ہمیشہ شام کے متعلق باتیں کرتا رہتا ہے جب اس سے  
 اس کی وجہ دریافت کی گئی تو وہ کہنے لگا: میری صحت اب  
 گرنے لگی ہے میں وطن واپس جانا چاہتا ہوں۔ میں کافی  
 دولت کما چکا ہوں، اس لیے سوچتا ہوں کہ وطن کیوں نہ  
 چلا جاؤں لیکن میں وہاں مستقل طور پر نہیں رہوں گا میں واپس  
 آجاؤں گا میں نے ارضِ فناء کا شہری بننے کے لیے درخواست  
 دے دی ہے۔

اس کی درخواست فوراً منظور ہو گئی اور اسے ارضِ فناء  
 کے پاس شامی جیل بھیجا۔

۱۔ کے لیے جہاز میں سوار  
 اسے خدا حافظ کہا۔ یہ

وقار عظیم

پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

۲۔ دی گئی تھی تو اسے  
 ہے کہ وہ بڑی شخصیات  
 کو اپنا ہدف بنائے۔ کیونکہ انہی سے اہم معلومات حاصل  
 کی جاسکتی ہیں۔ ثنابت نے جہاز میں ایک شامی امیر شیخ  
 ماجد الارض کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ شیخ یورپی لباس میں بڑے  
 چٹاٹھ سے سفر کر رہا تھا۔ وہ ایک امریکی تاجر تھا۔ ثنابت اور  
 شیخ جہاز میں اکٹھے رہتے تھے۔

کچھ دنوں بعد میرات کی بندرگاہ نظر آنے لگی جب  
 جہاز اس میں داخل ہوا تو ثنابت کی نبض کی رفتار تیز ہو گئی۔  
 اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاسپورٹ میں شامی ویزا نہ تھا۔  
 اسے تل ابیب کے ہاسوس عجی نے ہدایت کی تھی کہ  
 بوناٹے ایرس کے شامی سفارت خانے میں ویزا کی درخواست  
 ہرگز نہ دے۔ کیونکہ ہر مسکن ہے کہ کوئی کلرک ٹری پڑتا

گاؤں کا باشندہ ہے۔ اس نے ساری جعلی تفصیلات ازبر  
 کر لیں۔ ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بن بیکس بدل گیا۔ اب وہ  
 ایک شامی نسل امریکی تاجر تھا۔ اس نے اپنے اطوار اور حرکات  
 سکناٹ سے عوام پر ثنابت کر دیا کہ وہ ایک رنگین طبع سببلا  
 جوان ہے جو اپنی راتیں پیش و عشرت میں بسر کرتا ہے۔ اتنا  
 محبت وطن ہے کہ اسرائیل کے ناپاک وجود کو دنیا سے ختم کرنے  
 کے لیے تن من، دھن شکار کرنے کو تیار ہے۔ اب اس کا دنیا  
 نام کامل ثنابت تھا اور اس کے لیے اس کے پاس ایک شامی  
 پاسپورٹ بھی تھا۔

۱۹۴۰ میں، اپنی خطرناک مہم پر روانہ ہونے سے پہلے  
 وہ آخری مرتبہ اپنے بیوی بچوں سے ملا تھا

زنیابا کہ وہ کہاں جا رہا ہے

دنیا کی کوئی مشہور بنا

نہ ہوں۔ ارضِ فناء کی بندرگاہ

جنوری ۱۹۴۱ میں جب کام

سے ملا تو اس نے انہیں

تک یورپ میں رہا ہوں

جلد میاں وسیع پیمانے پر درآمد برآمد کا کاروبار شروع کرنے والا ہوں  
 کامل ثنابت بڑے ٹھنڈے دل کا مالک تھا۔ اس  
 نے وہی کچھ کیس کی اسے تربیت دی گئی تھی۔ وہ بہت  
 جلد رویہ بھلنے لگا اور شامی مسلمانوں میں مقبول ہو گیا وہاں  
 کے مسلم معاشرے کا جزو بن گیا۔

جب وہ کسی محفل میں شریک ہوتا اور اس میں اسرائیل  
 کا ذکر چھڑتا تو وہ مارے غضب کے آبیے سے باہر ہو جاتا  
 ایک مرتبہ ایک ایسے ہی موقع پر اس کی گفتگو سے متاثر  
 ہو کر ایک توئمند شامی جرنیل نے اس کے جذبہ وطن پرستی  
 پر مبارکباد بھیجی دی۔ یہ جرنیل شامی سفارت خانے کا فوجی  
 اتاشی مین الحفیظ تھا۔ وہ کامل ثنابت کی باتوں سے اتنا متاثر

میں ارجنٹائن واپس جا رہا ہوں لیکن انہوں نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ اسے ریڈیو کے محکمے میں ایک اچھی ملازمت دلا دی گئی اور اسے سپین اور لاطینی امریکہ کے لیے نشر ہونے والے پروگراموں کا ناظم بنادیا گیا۔

اب کامل ثابت نے اپنے رہنے سہنے کا ڈھنگ بالکل بدل دیا۔ وہ ایک مندرجہ جگہ میں اُٹھ آیا۔ جسے اس نے بڑے سلیقے سے آراستہ کیا اور پارٹیوں پر پانی کی طرح پڑے بہانے لگا۔

کامل ثابت یہ کھیل کھیلتا رہا لیکن الائی کو بہن ٹھوس کام کرتا رہا۔ اس نے بنگلے کے ایک کمرے میں فولو گرافی، ماسکوف، فلم اور ٹی۔ بی۔ جی۔ کا سامان جمع کر لیا۔ اس نے

ن کیا وہ نقطوں کی شکل میں تھا  
اچھا پارک ایک دوست کے  
ن میں روسی اسلحہ کے صحیح  
تھا۔ اس کے علاوہ جب  
ن پریسیڈنٹ کا کرتا تو اپنے منصفیہ  
م معلومات تل ابیب کے

جاسوسی محکمے کے لیے فراہم کرتا۔

تل ابیب کا حکمہ بڑا خوش تھا کیونکہ اس کا جاسوس دمشق میں توقعات سے بڑھ کر کام کر رہا تھا۔ انہوں نے منصفیہ طور پر اسے ایک ریڈیو سٹیٹ بھی فراہم کر دیا جس میں پیغام بھیجنے اور وصول کرنے کی صلاحیت تھی۔

پہلی مرتبہ جب رات کو کامل ثابت نے اس سٹیٹ کا استعمال کیا تو تل ابیب میں یہ آواز سنائی دی، درویش درویش درویش، درویش؟ درویش جواب میں بولا، ثابت نے ایک طویل پیغام دیا۔ درویش نے سچ دیا؟ شام کی بعث پارٹی کے ہمدردین جاؤ کیونکہ اس کے برسرِ اقتدار آنے کے امکانات بڑے روشن ہیں؟

کرنے لگے اور راز طشت از بام ہو جاتے۔ وہ بیروت پہنچا اور وہاں شامی وزرائے لیے درخواست دے ثابت نے قیصر مابہد الارض سے کہا: میں ارجنٹائن سے مطلوبہ شامی وزرائے نہیں لاسکا۔ اب کیا بنے گا؟ شیخ نے ایک مقدمہ لگایا اور ثابت کو اپنی کار میں دھکیلتے ہوئے کہنے لگا: سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد شام کی سرحد پر کانکی توشیح کشم کے دفتر میں گیا۔ اس نے دمشق کے ایک اعلیٰ افسر کو ٹیلیفون پر بلا کر کچھ باتیں کہیں اور ٹیلیفون کا چونکا کشم کے سرحدی سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ دمشق کا وہ افسر اعلیٰ کر رہا تھا: کامل ثابت کو فوراً شامی سرحد پار کرنے کی اجازت دے دو!

الائی کو بہن عرف کامل ثابت اب دشمن، ملک شام میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ منکار وہ دمشق کے دشمن کرنے لگا۔ اسے بہت ایک جاسوس کو دشمن کا اس نے شیخ ماجہ میں رسائی پیدا کر لی۔ یہ

قوت تھی۔ وہ ان میں کھل چلا اور بر ملا کہنے لگا کہ میری سیاست صرف تین اصولوں پر مبنی ہے۔ پہلا یہ کہ صیہونی سازش برابری خرابی کی جڑ ہے۔ دوم یہ کہ اسرائیل کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے سوم یہ کہ شام کی فوجی طاقت میں اضافہ کیا جائے۔

دوین اثنا سے زبانی ایس سے مالی امداد موصول ہوتی رہی۔ پیش بٹ کی کارستانی تھی۔ اس سے اس نے دمشق میں درآمد برآمد کاروبار شروع کر دیا۔ اس کے حلقہ احباب میں حکومت کے اعلیٰ عہدیدار، حیاتستان، فوجی افسر شامل تھے کرنل حاتم اس کا خاص کرم فرما تھا۔ وہ چھاتہ بردار دستوں کا افسر تھا۔ اس کے علاوہ کرنل ڈلی تھا۔

چند ماہ بعد کامل ثابت نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

مطلع کیا کہ تباری اطلاع غلط ہے۔ تم اپنی قوم اور ملک کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو۔

اسی چھپتے اسے سرحدی استحکامات کا معائنہ کرنے کی دعوت دی گئی تاکہ اس پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ اگر اسرائیل نے شام پر حملہ کرنے کی جرأت کی تو اسے بری طرح پسپا ہونا پڑے گا۔ یہ معائنہ دو دن تک جاری رہا۔ کامل ثابت نے قلعہ جولان میں بھی ایک رات بسر کی جو مشرق وسطے کے مضبوط ترین قلعوں میں تھا۔

جب ثابت نے چوٹی پر کھڑے ہو کر دامن کوہ پر نظر ڈالی تو اس کی قلبی کیفیت عجیب سی ہو گئی لیکن وہ جلد منجھل گیا اور یو جھنے لگا: اگر یہودی کتنوں نے اس قلعے پر حملے کا

کامل ثابت ایک لمحہ صانع کیے بغیر دوسرے دن بعث پاڑی کارکن بن گیا۔ ایک ماہ بعد اس سیاسی پارٹی نے حکومت پر قبضہ کر لیا جو بنی امین الحفیظ اس کے نئے صدر مقرر ہوئے اور انہوں نے خاص دعوت نامے کے ذریعے کامل ثابت کو فتح کی تقریبات میں مدعو کیا۔ نئی حکومت میں کامل ثابت کو وزارت پیش کی گئی۔ لیکن چونکہ وہ ارجمندان کا شہری تھا۔ اس لیے وہ وزیر بن سکا۔ اس نے اپنے تعلقات شیخ عبداللہ الرشید، کرنل حاتم اور کرنل ذلی سے اور زیادہ استوار کر لیے۔ یہ تینوں عورتوں کے رسیا تھے جو انہیں کامل ثابت کے بنگلے میں مل جاتی تھیں۔ عیار یہودی جاسوس نے اس کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔

۱۹۶۴ میں کامل ثابت:

پارٹیوں کا رنگ ڈھنگ بدلا  
شخصیات کی جگہ عوام شامل  
چوس اور شراب خوب استہ  
سیاسی گفتگو بند ہو جاتی، رو  
خوب داد عیش دی جاتی۔

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

دپ کی طرف اشارہ  
یات سمجھانے لگا۔  
کرتارنا، یہاں تک کہ  
یزیر اس کے سامنے  
رتارنا چہند گھنٹے بعد

جب وہ واپس آئے لگا تو سارے حکامات کی جزئیات اس کے دل پر نقش ہو چکی تھیں۔

دوسرے دن دمشق پہنچ کر اس نے حکومت شام کے اعلیٰ عہدیداروں کے سامنے اعزاز کر لیا کہ دفاعی استحکامات میری توقعات سے زیادہ بہتر ہیں۔ اس نے اپنی مسرت کا اظہار شامی افواج کے لیے ۵۰۰ ڈالر کا عطیہ دے کر کیا۔ اس رات درویش کو تل ابیب سے کوئی پیغام نہ ملا۔ دوسری رات بھی کوئی ہدایت نہ آئی، کامل ثابت آخر یہ مہلک بنا کر کے کہ وہ کاروباری سلسلے میں زیورچ جارہے تل ابیب جا پہنچا۔ اس نے شن برٹ کی میز پر قلعہ جولان کے دفاعی استحکامات کا نقشہ سمجھا دیا۔ اسرائیل کے جاسوسی محکمے

اس عرصے میں کامل ثابت نے اب اب اب اب حکومت شام کے سب راز تل ابیب تک پہنچا دیے۔ صرف ایک راز سے پردہ اٹھانا باقی رہ گیا اور وہ تھا قلعہ جولان کا استحکام۔

ثابت اپنے شامی فوجی دوستوں کے سامنے اب یہ بر ملا کہنے لگا کہ شام کی سرحدیں کافی کمزور ہیں۔ اسرائیل کا ہے تو چوبیس گھنٹوں کے قلیل عرصے میں انہیں پار کر سکتا ہے۔ ۱۹۶۴ کے موسم گرما میں اس نے اس موضوع پر شام کے صدر امین الحفیظ کے گفتگو کی تو اس نے اپنی رائے دہرائی صدر نے اسے شامی مافی کانڈ ٹیک پہنچایا جس نے فیصلہ کیا کہ کامل ثابت کی غلط فہمی دور کی جائے۔ مافی کانڈ نے اسے

کودہ فوجی راز معلوم ہو گیا تھا جس نے ان کی راتوں کی نیند خراب کر رکھی تھی۔

وہ اپنی بیوی بچوں سے بھی ملا اور پھر دمشق پہنچ گیا۔ ۱۹۴۲ء کے موسم خزاں کی ایک رات کو حکومت شام کے جاسوسی حکمے کے ریڈیو کے عملے کو دمشق کی فضا میں ایک عجیب و غریب آواز سنا دی جو چند سیکنڈ بعد غائب ہو گئی۔ عملے نے وقت اور ریڈیو لیکنگ ٹیبلٹ لٹ کر لی۔ اس کے بعد کئی ہفتوں تک یہ آواز سنا دی اور جب آتی تو مختلف ریڈیو لیکنگ پرائی۔ آخر انہوں نے ایک آے کی مدد سے معلوم کر لیا کہ یہ پیرا سرائر آواز کامل ثابت کے جنگلے سے آتی ہے۔ حکومت نے انتہائی رازدارانہ سے کام لے کر ۳۱ دسمبر

جنگلے کا محاصرہ کر لیا اور

اپنا پیغام بھیج رہا تھا۔

ثابت کی گرفتار

ہفتے بعد یہ دمشق کے

۱۹۴۵ء کو دمشق ریڈیو نے

جاسوس گرفتار کر لیا گیا۔

اعلیٰ افسروں کی خفیہ ملاقات ہوئی جس کے متعلق لندن پریس نے اعلان کیا کہ اسرائیل نے کامل ثابت عرف الاقی کوہن کی رہائی کے لیے حکومت شام کو ۲۰ ملین ڈالر فوجی لاریاں ٹریڈر، ادویات دینے کی پیش کش کی جیسے حکومت شام نے مسترد کر دیا۔ ثابت کے عوض دس شامی جاسوس رمارک دینے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن حکومت شام نے اسے بھی نامنفور کیا۔ اس پر مقدمہ چلا گیا اور ۱۹۴۵ء میں ۱۰ صبح صادق کے وقت اسے پھانسی دے دی گئی۔ لیکن حکومت شام نے یہ اقدام اس وقت کیا جب بانی سر سے گزر چکا تھا۔ کاش اس

کا جاسوسی عملہ اپنی قابلیت کا مظاہرہ اس سے بہت پہلے کرتا تو یہ نوبت نہ آتی جو حکومت شام میں بھی تھی۔ رہی کہ ہمارے عسکری راز محفوظ ہیں اور اسرائیل روسی اسلحہ سے مستحکم قلعہ جولان قیامت تک فتح نہیں کر سکتا۔

لیکن جون ۱۹۶۵ء کا وہ منحوس دن اپنی حجب ایک جسے کو صبح ساڑھے دس بجے اسرائیلی فوجوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قلعہ جولان پر ہلڈ بول دیا۔ اسرائیلی جرنیلوں کے پاس قلعے کے سارے اہم مقامات کا نقشہ تھا اور وہ جزئیات تک سے بخوبی واقف تھے۔ یہ حملہ پورے ایک بریگیڈ سے کیا گیا۔ اس بریگیڈ کا ایک ایک فوجی سا اہلکار تھا۔ سارا کام لے کر اس حملے کی تیاری

بھی قلعے پر مبنی کی۔ اس

درمیان ڈونر اس حملے میں

نے شامی توپوں کی گولہ باری

کے لیے پہاڑ کی چوٹی تک

بعد قلعہ جولان پر اسرائیل

وقار عظیم

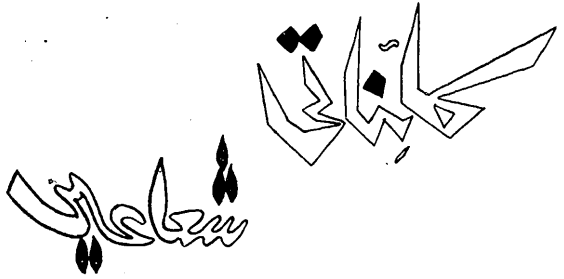
پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

فوجی ذرائع کا راز اور مہینہ مہینہ قلعے کا معائنہ کرنے آئے تو اسرائیل کے ترجمان نے اس ناقابل تسخیر قلعے کی فتح کو اپنی روانتی مکاری سے کام لے کر اپنی عسکری قابلیت اور موزوں جنگی تیاریوں کا قیہ قہر دیا۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔

اس ناقابل تسخیر قلعے کی فتح حکومت شام کی سادہ لوحی اور اسرائیلی جاسوس الاقی کوہن کی عیاری کا نتیجہ تھی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

سادگی مسلم کی دیکھ اور دلی عیاری بھی دیکھ

تم دوسروں کو تو کتنی کاراستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ (البقرہ: ۲۰۴)



کہ ان شعاعوں کا منبع کیا ہے؟ کہاں ہے؟ اور یہ کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ اس وجہ سے بھی ان کی دل چسپی ان کی ابتدا کے متعلق دینی نظر پر بھی سو فیصد

طبیعیات یا ایٹمی فزکس کا آغاز بھی تقریباً اسی صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

ایٹم کی ساخت کے متعلق پیش

کئی شعاعیں radiations

شعاعیں Cosmic Rays

ملاحظہ سے یہ دوسری تمام ش

یہی وجہ ہے کہ شعور ہی ہے

کی توجہ کا مرکز بنی رہیں، اس

تفصیلات حاصل نہیں ہوں۔

## دقار عظیم پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

ماختیوں نے برقنا

ن یہ مثالیں دریافت

ن یا فضا ہو سکتی

بدلیوں پر تجربات

نے ثابت کر دیا کہ زمین یا فضا سے ان کی ابتدا ناممکن تھی۔

کو لو سٹر نے کئی سال تک ان شعاعوں پر کام کیا۔ اس

کے خیال میں ان کا ماخذ سورج اور ستارے بھی نہ تھے۔

بلکہ یہ ہماری کمکشاں سے کہیں بہت دور پیدا ہوتی تھیں۔

اسی وجہ سے لیکن نے انہیں "کائناتی شعاعوں" کا نام دیا۔

ترکیب اور ساخت کے اعتبار سے کائناتی

شعاعیں دو قسم کی ہوتی ہیں:

۱۔ ابتدائی یا بنیادی شعاعیں جو خلا میں ہر کہیں

ملتی ہیں۔

۲۔ ثانوی شعاعیں جو کرۂ ارض کی فضا میں ملتی ہیں۔

کائناتی شعاعیں دوسری تمام شعاعوں سے (جو

اب تک دریافت ہوئی ہیں) زیادہ طاقتور ہیں۔ یہ

لوہے کی کئی فٹ موٹی تہہ سے پاسانی گزر سکتی ہیں۔ ان

کی اس خاصیت نے ایٹم کے مرکزے کی ساخت اور

خاصیتیں معلوم کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ کیونکہ یہ

دوسری شعاعوں کی نسبت زیادہ آسانی سے مرکزے کو

ٹوٹ سکتی ہیں۔ انہی شعاعوں کی دریافت کے نتیجے میں

دونے ذرات پوزیٹرون POSITRONS اور مینوٹرون

Mesotrons دریافت ہوئے۔

ابھی تک ٹھیک طور سے یہ معلوم نہیں کیا جاسکا



۴۔ شعاعوں کی توانائی کا طیف Energy Spectrum اور  
 ۵۔ یہ حقیقت کہ شعاعیں ہر کہیں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔

ان حقائق اور معلومات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان شعاعوں کی جائے آغاز کے متعلق درج ذیل نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ شعاعیں نہ تو زمین میں پیدا ہوتی ہیں اور نہ فضا سے بلکہ ان کا منبع خلا میں کہیں بہت دور واقع ہے۔ ایک نظریے کے مطابق ان شعاعوں کا منبع ہماری کہکشاں سے ۱۰ ارب نوری سال دور ہے۔ ایک نوری سال سے مراد وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سال میں طے کرتی ہے۔ یہ فاصلہ گویا کائنات کا یہ خطہ کئی کہکشاؤں کے درمیان ستارے شاذ ہی رکھیں گیس کی ایک نہایت بڑی اس نظریے کے مطابق کائناتی سے ہوتا ہے۔ یہ مفروضہ کائناتی

سحابوں پر سو بیس سال تسبیح کی تصدیق کرتا ہے۔ مزید برآں اجرام فلکی کی گردش کے ساتھ ساتھ کائناتی شعاعوں کی شدت میں جو کمی بیشی ہوتی ہے وہ بھی کسی ایسے ہی مقام سے ان کے آغاز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اس مفروضے پر چند اعتراضات بھی کیے گئے ہیں۔ مثلاً اگر ان کی ابتدا ہماری کہکشاں سے کہیں باہر ہوتی ہے تو کہکشاں کی گردش اور خود ہماری زمین کی محوری گردش کے نتیجے میں ان شعاعوں کی شدت میں ہر روز تغیر و تبدل ہونا چاہیئے۔ حال ہی میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اجرام فلکی کی گردش سے ان شعاعوں کی شدت میں جو فرق پڑتا ہے وہ حقیقی نہیں ہے۔ ایک اور اہم

فضا میں گیسوں کے ایٹموں سے ٹکرانے کے بعد ابتدائی یا بنیادی شعاعوں کی ترکیب بدل جاتی ہے۔

ابتدائی کائناتی شعاعوں کا زیادہ تر حصہ پروٹون پر مشتمل ہوتا ہے۔ اپنے سفر کے دوران شعاعیں مختلف ایٹموں سے ٹکراتی ہیں۔ الیکٹرون جھڑ جاتے ہیں باقی صرف مرکزے رہ جاتے ہیں چونکہ کائنات میں زیادہ تر ہائیڈروجن ہی پائی جاتی ہے اس لیے ان میں زیادہ تر ایکلیہ پروٹون ہی ملتے ہیں۔ بھاری عناصر (عموماً کاربن، نائٹروجن، آکسیجن، سوڈیم، فاسفورس، گندھک، پوٹاشیم، لوہے اور لیکن بھاری مرکزوں کی تعداد نسبتاً بہت کم ہوتی ہے۔ دلچسپ بات یہ۔

مرکزے طاق تھ  
 تین گنا ہوتے ہیں۔  
 کرہ ہوائی  
 کی ترکیب بدل جا  
 ہیں۔ الیکٹرون کی

وقار عظیم

پاکستانی پبلیش ڈاٹ کام

طرح ان میں بھی ملے۔ اس سے ان کے مرکزے پر  
 مینرون Mesons نیوٹرون Neutrons اور ستارہ  
 نما ذرات پائے جاتے ہیں کچھ فوٹون Photons بھی  
 پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تمام اجزاء کئی پیچیدہ عملوں کے نتیجے میں بنتے ہیں۔

کائناتی شعاعوں کی ابتدا ایک ایسا سوال ہے جس کا ابھی تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جاسکا۔ ان شعاعوں کی ابتدا کا سراغ لگانے کے لیے جن اہم ذرائع کی مدد لی گئی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ شعاعوں کے اجزاء ان سے ترکیبی اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات۔

اعتراض جو اس نظریے پر وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان شعاعوں کا آغاز کشتی خلا ہی سے ہوتا ہے تو بحاری مرکز سے جو بنیادی طور پر ان شعاعوں میں ملتے ہیں ان کا وجود ناممکن ہے۔ بہر کیف یہ نظریہ زیادہ مقبول نہیں ہو سکا۔ ایک اور نظریے کے مطابق ان شعاعوں کی ابتدا بھی کائنات کی ابتدا کے ساتھ ہی ہوئی۔ اس نظریے کے حامیوں کے خیال میں اربوں سال پہلے کائنات ایک انتہائی کثیف گوئے کی شکل میں تھی یہ گوئے ایک عظیم دھماکے سے بے شمار کمکشاؤں میں پھٹ گیا۔ اس دھماکے میں یقیناً بے پناہ توانائی خارج ہوئی ہوگی۔ اگر ہم مذکورہ بالا نظریے کو صحیح تسلیم کر لیں تو شعاعوں کے

توانائی کی بھی توضیح کی جاسکتی ہے۔  
کے مطابق کائنات کی مجموعی تو  
مادہ توانائی میں اور توانائی مادہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ  
توانائی کہاں سے حاصل کرتی ہے  
اتنی زیادہ توانائی پیدا نہیں کی

شعاعوں کے طبعی آغاز اور مقام آغاز کے متعلق جتنے  
نظریات پیش کیے گئے ہیں وہ ان شعاعوں کی بے پناہ  
توانائی کی وضاحت کرنے سے قاصر ہیں۔ ان شعاعوں کی  
توانائی ایٹم بم کے دھماکے میں پیدا ہونے والی شعاعوں  
سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جو توانائی ان شعاعوں نے  
ازل سے حاصل کی ہے اسی توانائی کے تحت یہ نواہل  
سال تک کائنات میں پھرتی رہیں گی۔ اسی نظریے کے  
تحت ان میں بحاری مرکزوں کی موجودگی اور ہر سو یکساں  
طور پر پایا جانا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا کائنات  
فی الواقع ایک دھماکے کے نتیجے میں وجود میں آئی؟ تا حال  
اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

## دقار عظیم

## پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

ر میں اسرار پیدا  
بے پناہ اضافہ  
فی مقناطیسی اور  
س نظریے میں  
ضاحت نہیں کرتا۔

Pitchi اور ٹیلر

Teller نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ان شعاعوں کی ابتدا  
نظام شمسی میں ہی ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ سورج  
میں روشنی اور حرارت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اس سوال  
کا جواب ایٹمی دور ہی میں معلوم کیا گیا ہے۔ سورج میں  
اس وقت کوئی ستھری حد بائیڈروجن پائی جاتی ہے سورج  
میں بائیڈروجن بم کا عمل جاری ہے۔ اس عمل میں بائیڈروجن  
تسلیم میں تبدیل ہو رہی ہے اور اس دوران ہر سیکنڈ  
میں ۶۵ لاکھ ٹن بائیڈروجن تباہ ہو کر توانائی میں تبدیل ہو  
رہی ہے۔ یہ توانائی کائناتی شعاعوں کی صورت میں خارج  
ہوتی ہے۔ یہ عمل خصوصاً سورج کے مرکزی حصے میں  
بڑی شدت سے جاری ہے۔ کائناتی شعاعیں سورج

کے نظریات پر بحث کرتے ہیں۔

جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سورج میں ہائیڈروجن ہیلیم میں تبدیل ہو رہی ہے اور اس عمل میں کچھ ہائیڈروجن تباہ ہو کر توانائی پیدا کر رہی ہے۔ یہ عمل ان تمام ستاروں میں جاری ہے جن کا درجہ حرارت ۱۰ لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ سے زیادہ ہے۔ اس سے بلند درجہ حرارت پر مذکورہ بالا عمل (ہائیڈروجن بم کا عمل) شروع ہو جاتا ہے۔ بہت زیادہ گرم ستاروں میں، جن کا درجہ حرارت ۳ کروڑ ڈگری سنٹی گریڈ سے زیادہ ہوتا ہے، کاربن پروٹون (ہائیڈروجن کے ایٹم جن سے الیکٹرون علیحدہ ہو گئے ہیں) سے مل کر نائٹروجن ۱۵ بناتی ہے۔

مل کر پھر کاربن بنا دیتی ہے ہے۔ اس دوران میں بہت زیادہ بڑا کائناتی شعاؤں کی صورت

کو چھوٹنے سے پہلے جا بجا ایٹموں سے ٹکراتی ہیں۔ اس طرح ان کی توانائی کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ زمین کے گرد کمرہ ہوائی سے گزرنے وقت بہ مزید کمزور ہو جاتی ہیں اور ہم تک یہ روشنی اور حرارت کی صورت میں پہنچتی ہیں جن میں کائناتی شعاؤں کی قلیل سی مقدار ہوتی ہے۔ اس نظریے کے تحت ہماری مرکزوں کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ اس نظریے کے حامیوں کے خیال میں شعاؤں سورج کی مقناطیسی کشش سے توانائی حاصل کرتی ہیں۔ یہ نظریہ آج کل بہت مقبول ہے لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سورج کی مقناطیسی کشش اتنی کم کہ شعاؤں کو اتنا زیادہ نہیں بخش سکتی۔

بہر کیف کا  
جتنے نظریات بھی  
حامیوں سے مبرا  
متعلق کوئی قطعی  
سے کوئی نظریہ

ان میں سے چند یا تمام نظریات صحیح ہوں کیونکہ یہ سچاقتی کو ثابت کرتے ہیں۔ اس کا فیصلہ بہر حال مستقبل کی سائنس ہی کرے گی۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ یہ شعاؤں کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے سب سے اہم بات جو مد نظر رکھنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ ان شعاؤں کے ذرات اتنی زیادہ توانائی کہاں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں جو نظریات پیش کیے گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ان شعاؤں کی ابتدا کو ایٹمی سطح پر ہونے والے عملوں سے منسلک کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اس مسئلے کا جواب کائناتی سطح پر دیتے ہیں۔ آئیے ہم دونوں قسم

## وقار عظیم پاکستانی پبلیش ڈاٹ کام

موں کی توانائی اس توانائی سے مادے کو تباہ کر کے حاصل کی جا

سکتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ توانائی یورینیم کے مرکزوں کی تباہی سے حاصل کی ہے لیکن سب سے زیادہ طاقتور کائناتی شعاؤں کی توانائی یورینیم سے حاصل ہونے والی توانائی سے ۵ لاکھ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ کائناتی شعاؤں میں اتنی زیادہ توانائی کہاں سے آ جاتی ہے؟ یہی وہ اعتراض ہے جس نے اس نظریے کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ویسے بھی ایسے عملوں میں عموماً گیمما شعاؤں پیدا ہوتی ہیں۔ Rays

چند سال پہلے کلین اور ایرلے نے خیال ظاہر کیا کہ یہ شعاؤں اصل اور محسوس مادے (جس میں پروٹون منفی ہوتے ہیں) کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ان شعاؤں

حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس نظریے میں دو بڑی خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ مقناطیسی میدان ہر کہیں پایا جاتا ہے کائنات کے زیادہ تر ستارے گیس پر مشتمل ہیں۔ گردش کے دوران گیس میں زبردست بھنور اور بگولے پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ستاروں کے ارد گرد مقناطیسی میدان پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ مقناطیسی میدان کمکشال میں تمام ستاروں کے درمیان ہر کہیں پائے جاتے ہیں اور کمکشالوں کے درمیان بھی موجود ہیں۔ گویا کائنات میں ہر کہیں مقناطیسی کشش موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ ستاروں کی گردش کے باعث اس کشش کی شدت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ تغیر پذیر لمبی ہے۔ کیونکہ اگر

بڑھنا ضروری نہیں ہوتا۔

چاند کے گرد مقناطیسی

وں میں لمڑوں اور

یسی میدان انتہائی

کے مقناطیسی

ن۔ بین ۵ سے ۱۰ سی سی سے ۲۵ ہزار گنا زیادہ ہے۔

اس ضمن میں تین قسم کے مقناطیسی میدانوں سے مدد

لی گئی ہے۔ سورج یا ستارے کا مقناطیسی میدان ستاروں

کے درمیان پایا جانے والا (کمکشال کا) مقناطیسی میدان

اور کمکشالوں کے درمیان پایا جانے والا مقناطیسی میدان

جب ہم ایک مخصوص میدان کا ذکر کرتے ہیں تو ان

شعاعوں کا مقام آغاز بھی مخصوص ہو جاتا ہے۔

ٹیلر اور رینج میر کے خیال میں سورج کا مقناطیسی

میدان کائناتی شعاعوں کو توانائی بخشتا ہے اور ان کو ہدف

یکساں طور پر بکھیر دیتا ہے۔ اس نظریے پر بھی کئی اعتراض

کیے گئے ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔

لی توانائی کا مسئلہ پھر بھی حل نہیں ہوتا۔

کائناتی نظریات میں ان شعاعوں کی توانائی کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان نظریات میں بنیادی طور پر "کشش" کو ملحوظ کیا گیا ہے۔ یہ کشش کشش ثقل ہو سکتی ہے، برقی کشش ہو سکتی ہے یا مقناطیسی کشش ہو سکتی ہے۔ اس کشش کے زیر اثر ان شعاعوں کی رفتار بتدریج بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ بے پناہ توانائی حاصل کر لیتے ہیں۔ کشش ثقل صرف اسی صورت میں موثر ہوتی ہے جب شعاعوں میں ایسے ذرات ہوں جن کی کچھ کمیت Mass ہو۔ اور برقی اور مقناطیسی کشش صرف برقی ذرات کو کھینچ سکتی ہے۔ یہ نظریات نسبتاً زیادہ قریب قیاس ہیں۔

کشش ثقل سائنس دان

سکا کیونکہ اس میں بہت سو

شعاعوں کی کئی خصوصیات

دوسرے کے خیال میں چکا

کی کشش ان شعاعوں کو اتار

نظر سے پرکشی شدید اعتراض

لو ترک کرنا پڑا۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ایسا برقی میدان شعاعوں میں اتنی زیادہ توانائی

پیدا نہیں کر سکتا۔

۲۔ یہ کشش صرف اسی صورت میں موثر ہو سکتی ہے

جب کائناتی شعاعوں کا منبع ہماری زمین جو لیکن

تجربات اس کی نفی کرتے ہیں۔

۳۔ اور بھی کئی اعتراضات ہیں جن پر بحث پیچیدہ

درست اختیار کرے گی۔ اس لیے ان کو نظر انداز کر دیا گیا

ہے اس سلسلے میں سب سے اہم نظریہ وہ ہے جس میں

مقناطیسی کشش سے شعاعوں کی بے پناہ توانائی کا مسئلہ

طاقور مقناطیسی میدان پیدا ہوتا ہے۔ چند سال پہلے ایک ایسے ہی ستارے کے مقناطیسی میدان کی شدت ۳۰۰۰ گاس ریکارڈ کی گئی ہے جو زمین کے مقناطیسی میدان کی شدت سے کوئی ایک لاکھ گنا زیادہ ہے۔

یہ نظریہ زیادہ قریب قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے مستقبل قریب میں یہ صحیح ثابت ہو جائے۔ لیکن ابھی تک ان شعاعوں میں پائے جانے والے بھاری مرکزوں کی موجودگی کی وضاحت نہیں کی جاسکی۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کائناتی شعاعیں ابتدا میں کائنات کے دھماکے سے وجود میں آنے سے نہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کمکشادوں کے درمیان پایا جانے والا

ات کے ہر حصے میں لے جا  
لہاں پیدا ہوتی ہیں، کیسے پیدا  
کی گہاں سے آتی ہے؟ ایسے  
بڑے سائنس تھال نہیں دے سکی۔  
عویموں کے باعث کائناتی  
بہ اہم موضوع بن چکی ہیں۔

ایک ۱۰۰۰ سالوں جدید سائنس کی سب سے بڑی فتح ہے لیکن ان شعاعوں کی توانائی اس توانائی سے ۵ لاکھ گنا زیادہ ہے۔ طاقور شعاعوں کے ذریعے مرکزے کو توڑا جاتا ہے اور اس طرح اس کے خواص کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ دوسری شعاعوں کی نسبت کائناتی شعاعیں مرکزے کو بے آسانی توڑ سکتی ہیں۔ اس طرح ایٹمی سطح پر تحقیق آسان ہو گئی ہے۔ یہ شعاعیں اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ انجو تک انسان... ان کے متعلق بہت کم جانتا ہے۔ ان پر مکمل فتح انسان کی اہم ترین فتح ہوگی۔ انسان ہمارے عادی نہیں ہے۔ وہ قدرت کا ہر چیلنج قبول کرتا ہے اور قدرت کو مسخر کرنے کا بھی عادی ہے۔

۱۔ اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ سورج کا مقناطیسی میدان کس طرح دوسرے سیاروں کے درمیان پھیل کر ان پر کائناتی شعاعوں کی بچھاؤ کرتا ہے؟  
۲۔ کیا یہ شعاعیں صرف نظام شمسی تک ہی محدود ہیں؟  
۳۔ کیا یہ بات بڑی مشکوک ہے۔

۴۔ کائناتی شعاعوں کی شدت میں تغیر و تبدل شمسی اوقات کے تابع نہیں ہے۔

۵۔ سورج کا مقناطیسی میدان اتنی تیزی سے تبدیل ہوتا ہے کہ یہ شعاعوں کو یکساں طور پر نہیں بچھ سکتا۔

۶۔ توانائی کا مسد پھر بھی حل نہیں ہوتا۔ اگر تمام کائنات کی مقناطیسی کشش بیک وقت ان شعاعوں

پر عمل کرے

حاصل نہ ہو

کو جھٹلا دیتا

ہماری کمند

جلتے ہیں۔ جیسا کہ

محور کے گرد گردش

مقناطیسی کشش پیدا ہوتی ہے۔ بیس پر عمل ساروں کے گرد بھی مقناطیسی میدان پائے جاتے ہیں۔ ایسے ستاروں میں جو دو دو کی ٹولیوں میں گردش کرتے ہیں، زبردست مقناطیسی میدان پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑی تیزی سے تبدیل ہوتا ہے۔ سورج کے مقناطیسی میدان کی کشش ایک دو گاس تک ہوتی ہے لیکن ایسے ستاروں کی شدت ۸۰۰ گاس تک پہنچتی ہے۔ اور پھر چند دن میں ہی ۴۵۰۰ گاس تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ تبدیلی اتنی تیزی سے ہوتی ہے کہ ان کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ کائناتی شعاعوں کو بے پناہ توانائی بخش سکتی ہے۔ بعض ستارے بڑی تیزی سے اپنے محور کے گرد گھومتے ہیں۔ ایسے ستاروں میں انتہائی

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

# مالا اور دھرنی والا

وقار عظیم  
پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

مصنف: چنگیز ارشاد توف  
تدوین: ستار طاہر

چنگیز آستنا قوف، ۱۹۲۸ میں کریمزیا میں پیدا ہوا، وہ مذہباً مسلمان ہے اور اس کے کردار بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ آستنا قوف ۱۹۵۷ سے تخلیقی کام کر رہا ہے۔ ۱۹۶۳ میں اسے روس کا سب سے بڑا ادبی اعزاز، لینن پرائزر دیا گیا، آج وہ عالمی شہرت کا ناول نگار ہے۔

آستنا قوف سماجی حقیقت نگاری کے کتب خانہ کا تخلیقی فن کار ہے۔ اس کا یہ ناول ”مدرارتھ“ اس کا سب سے عظیم شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ اس ناول کی فلم اور طرز اظہار بڑا موثر اور خوبصورت ہے۔ ماں اور مادر وطن اس ناول کے دو کردار ہیں۔ ماں اپنے شوہر اور بیٹوں کی قربانی دے کر مادر وطن کے لیے اپنا آخری سہارا بھی قربان کرنے پر آمادہ ہے، دھرتی اپنے ان جیلے بیٹوں کی رطب اللسان

داستان

اور

رہبت

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

ہے کہ میری داستان کتنی المناک ہے، میں نے کئی بار ارادہ کیا ہے کہ اپنے پوتے، اور سب کو... اپنی کہانی سنا دوں مگر پھر....  
”تو لگنائی بیٹھ جا، تو تھک گئی ہے۔ ماں بھلا یاد تو کرو، تو سب سے پہلے میرے پاس کب آئی تھی تو لگنائی دھرتی ماں کی گود میں بیٹھ گئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ دھیمے لمحے میں یوں بولنے لگی، جیسے دھندلے دنوں کی چکدرا یادوں کو کوکبیر ہی ہو۔  
”دھرتی ماں، اب تو مجھے اتنا ہی یاد ہے کہ میں

دھوبی سے دھلے دھلائے سفید کپڑوں میں ملبوس بوڑھی تو لگنائی کھیت کے کنارے کھڑی ہو گئی آسمان پر مٹی بادل تیر رہے تھے چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔  
”سلام ماں... دھیمی عورت نے دھرتی ماں سے کہا۔  
”سلام تو لگنائی... اچھی تو ہو، تم تو بوڑھی ہو گئی ہو...“  
”ہاں ماں... میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اور....“  
”تو لگنائی کیا تو نے اپنے پوتے کو بتا دیا کہ وہ کون ہے... اب تو وہ جوان ہو گیا ہے“  
”ماں.... دھرتی ماں.... میں ڈرتی ہوں، تو تو جانتی

میں اکتا گئی، مگر سیوان پڑھنے بکھنے کے قابل ہو گیا۔  
 ”دھرتی ماں، وقت گزرتا گیا۔ خوشی کے زمانے پل  
 بھر میں بیت جاتے ہیں۔ ہمارے بچے جوان ہو گئے۔  
 قاسم نے کھیتی باڑی کا کام سنبھال لیا۔ مصلح بیگ استاد  
 بننا چاہتا تھا، اس نے تعلیم جاری رکھی۔ نیک کاؤں  
 کے فوجیوں کی تنظیم کا معتمد بن گیا۔ اس کا زیادہ وقت  
 تنظیم کے دفتر میں گزرتا تھا۔ اس نے اپنے سب بچوں سے  
 پیار ہوتا ہے، مگر وہ ایک بچے کو سب سے زیادہ  
 چاہتی ہے۔ اسی طرح میں مصلح بیگ کو سب سے زیادہ  
 پیار کرتی تھی۔۔۔

”قاسم کی شادی ہوئی اور ہمارے کنبے میں علیہ کا  
 رستہ اور ننہند پہاڑی  
 بنی مزارع تھی۔ وہ  
 راستوں میں پھول بھرتی  
 سے بے پناہ محبت تھی۔۔۔  
 بار فصل کٹنے کا دن  
 نئی اور تازہ گندم کی  
 بلی روٹی، دھرتی ماں

تو جانتی ہے کہ اس وقت کسان کا دل کتنا مسرور ہوتا ہے  
 جب وہ سننے اناج کی پہلی روٹی کو چکھتا ہے۔ اس کا ذائقہ  
 دنیا کی سب نعمتوں سے زیادہ شیریں ہوتا ہے۔۔۔  
 ”علیہ نے گھاس پر دسترخوان بچھایا، نئی اور تازہ  
 روٹی کی خوشبو سے کھیت مہکنے لگا، سیوان نے روٹی  
 کے ٹکڑے کیے اور پہلا ٹکڑا میری طرف بڑھاتے ہوئے  
 کہا۔ تو گلفانی، تو ماں ہے، اور پہلا تیری ہے۔۔۔  
 ”گرم روٹی میں مہک تھی، غلٹی کسانوں کے ہاتھ  
 کی خوشبو، میرا دل خوشی سے تاج رہا تھا۔۔۔ اور پھر اسی  
 لمحے نیک نے سارے چھوٹے اور کسان بولیاں گانے لگے،

سی تھی، جب کھیتوں میں لائی جاتی تھی۔ پھر میں کچھ بڑی ہوئی،  
 اور تیرے سینے پر بھاگنے دوڑنے لگی، دھرتی ماں، مجھے  
 کبھی اچھے کپڑے پہننے نصیب نہ ہوئے، مگر میں ایک  
 خوب صورت لڑکی تھی، میں اپنے سائے کو دیکھ کر ناتج  
 اٹھا کرتی، اور پہرہ آئیے میں اپنا چہرہ نکالتی تھی۔۔۔ اور  
 یہیں تیری گود میں ہی، میں نے سب سے پہلے سیوان  
 کو دیکھا تھا، تب میری عمر سترہ سال تھی۔ فصل کٹ رہی  
 تھی، اور میں لڑکیوں میں نیز طرار اور غلٹی لڑکی سمجھی جاتی  
 تھی۔ ادھر سیوان لڑکوں میں بڑا نیز طرار سمجھا جاتا تھا۔  
 غیر ارادی طور پر میرا اور اس کا مقابلہ ہو گیا۔ وہ مجھ سے  
 بہت اگے نکل گیا۔ میں اس کی جیت سے چڑھ گئی۔ وہ  
 مجھے خوش کرنے کے لیے

اس لمحے نے ہمارے دلوں

”ہم دونوں پوچھے

پہنچ جاتے، ایک کو دیر،

دونوں اچھے دلوں کے خوا

بعد، جب ہم تیرے سینے

میں لے لیتی، میرے دل

کہا کرتی، دھرتی ماں، تو ہماری ماں ہے۔ ہم سب کی

ماں ہے۔ ہماری ساری خوشیاں تیرے دم سے ہیں۔۔۔

”دھرتی ماں تیرے سینے پر پل چلاتے، بیج بونے،

پانی دیتے اور فصل کاٹتے ہوئے ہماری محبت نے

نبیل آسمانوں کی رفعتوں کو چھو لیا۔ میری اور سیوان کی

شادی ہو گئی۔ ہم نے اپنے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا

گھر بنایا۔ اور ہمارے گھر کا آنگن بچوں کے میٹھے اور سریلے

تہنوں سے گونجنے لگا۔ تین بچے۔۔۔ تین لڑکے۔۔۔

قاسم، مصلح بیگ اور نیک، ننھے شریں سکول سے واپس

آکر اپنے ان پڑھ والدین کو پڑھاتے ہیں تو چند دلوں

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام



جنگلہ ناچنے لگے ....

”اس رات جب ہم اپنے گھروں کو لوٹے تو سیوان نے مجھے روک کر کہا تھا۔ تو لگتا، ہم نے اپنی زندگیاں بے کار نہیں گزاریں، کل ہم جوان تھے، آج ادھیر عمر کے ہو چکے ہیں۔ زندگی کے کئی سال بڑی تیزی سے گزر گئے، گمراہ سال بے کار نہیں گزرے ....

”سیوان نے غلط نہیں کہا تھا۔ مصلح بیگ بڑے شہر میں پڑھ رہا تھا۔ قاسم اپنے گھر کے لیے زمین تلاش کر چکا تھا، نیک، اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ دھرتی ماں .... تو سن رہی ہے نا؟

”ماں تو لگتا، میں سب کچھ سن رہی ہوں“ دھرتی

ماں نے جواب دیا

اور سن رہی ہوں

میں نہیں ہے، نہ

رکھ سکتا ہے۔ اس

مگر میں آج کچھ

”دھرتی ماں

میں تھے کہ ایک

اس کے ارد گرد جمع ہو گئے، اور پھر اس گھوڑ سوار کے

منہ سے ایک لفظ نکلا .... اور یہ لفظ سارے کھیتوں،

سارے ملک، اور ساری دنیا میں پھیل گیا .... جنگ ....

دھرتی ماں، تجھے تو پتہ ہے کہ جنگ اور امن کی زندگی میں

کتنا بھیاں ک تضاد ہوتا ہے۔ دشمن تیرے سینے پر چڑھ

آیا تھا، اور تیرے تحفظ کے لیے تیرے پیٹے۔ میدان

میں نکل آئے تھے ....

”چند دنوں کے بعد، قاسم کو بھی بلاوا آگیا، دھرتی

ماں، وہ بھی کیا احساس تھا، کہ ایک ماں، اپنے بیٹے کی

جدا کی کا زخم اس لیے خوشی خوشی سہہ رہی تھی، کہ سب

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام

کی ماں .... کے سینے پر دشمن گھاؤ لگا رہا تھا .... علمہ کا بڑا حال تھا۔ رورو کر آنکھیں سرخ کر لی تھیں۔ میں اسے سمجھاتی کہ علمہ ... تیرا شوہر جی نہیں، بلکہ بہت ساری ماؤں کے بیٹے اور بیویوں کے سہاگ، مادر وطن کے تحفظ کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اور اس وقت آنسو بہانے کا وقت نہیں ہے، بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی گھڑی آگئی ہے۔

”جب قاسم گھر سے جانے لگا تو سیوان نے اسے

روک کر کہا تھا۔ بیٹے ... میری آنکھوں میں دیکھو، باپ

اور بیٹا چند لمحوں تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔ کیا تم میرا مطلب سمجھ گئے

ہو؟“ ماں بابا، قاسم نے جواب دیا تھا میں بہادر کسان

مے ایک ہفتہ بعد مصلح کا خط

آگیا ہے۔ میں ابھی سنبھل نہ پائی

گیا۔ سیوان نے جاتے وقت

دو بیٹیوں کے پیچھے جا رہا ہوں،

وٹ سکوں، شاید ہم ہمیشہ کے

یہ جا رہے ہیں۔ اور میں نے تم پر کوئی زیادتی کی ہو

تو مجھے معاف کر دینا۔ دھرتی .... ماں تو سن رہی ہے

نا! اس کھیت میں ... تیرے سینے پر کھڑے ہو کر ہمارا

آنکھیں پہلی بار چار ہوئی تھیں، اور یہیں ہم ہمیشہ کے

لیے پچھڑ گئے، سیوان نے کہا تھا۔ تو لگتا، ہم اپنی

ماں کے سینے پر کھڑے ہیں۔ جس کی خاطر میں لڑنے جا رہا

ہوں، زمین بہت دکھ سہتی ہے۔ مرد جنگ پر جا چکے

اور اب گاؤں میں تم ہی سب سے سمجھ دار عورت ہو،

زمین کو نیچر نہ ہونے دینا ریج بونی رہنا .... اور کبھی

آنسو نہ بہانا ....

”میں نے سیوان کی بات کو دل میں بٹھا لیا ....

بلوایا گیا۔ جب وہ محاذ پر گیا تو اس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔۔۔ نیک۔۔۔ میرا معصوم بیٹا، جو جنگ میں لڑنا ہوا کھو گیا ہے۔ جو نہ زندہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے نہ مردوں میں۔۔۔

”ایک شام جب میں کھیتوں سے واپس لوٹی تو گاؤں کے بچے لوڑھے اور عورتیں، میرے گھر کے باہر جمع تھے۔ میری ہمسائی عایشہ آگے بڑھی، اس نے نرمی سے کہا: ”لوگنائی، علیمہ، صبر کرو۔۔۔ سیوان اور قاسم جنگ میں کام آگئے۔۔۔“

”علیمہ نے پیچ ماری۔۔۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میری والدہ ہے۔۔۔ علیمہ۔۔۔ اور میں۔۔۔ ہم

سب بھی اور ہو بھی، ہمارے

سات دن تک میں بے بسی

اتنی دن گاؤں کی عورتیں،

ان کی آواز میں، دھرتی

بارمبار میں لوگوں کے ساتھ،

۔۔۔ تو مجھے بتا، لوگ کیوں

ظلم کرتے ہیں؟ کیا دنیا، جنگوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی؟

”لوگنائی۔۔۔ میری بچی“ دھرتی ماں نے کہا: ”تو نے

بڑا مشکل سوال پوچھا ہے۔ ماضی میں کئی ایسی قومیں جنگوں

میں ختم ہو گئیں کہ ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہا۔

صدیاں گزریں۔۔۔ میں صدیوں تک انسان کا انتظار کرتی

رہی۔۔۔ اور انسان جنگوں میں ختم ہو چکا تھا۔ جب بھی جنگ

شروع ہوتی ہے۔ میں کہتی ہوں۔۔۔ ایک دوسرے کا

خون نہ بہاؤ۔۔۔ میں زمین ہوں۔۔۔ دھرتی ماں ہوں۔۔۔

تم سب کے لیے ہوں۔۔۔ مجھے تمہاری محبت اور رحمت

کی ضرورت ہے۔ ایک دانہ بوڑ، میں تمہیں سودا نے

دیتی ہوں۔ ایک شاخ کے بدلے میں، ایک درخت میں

اور گاؤں کی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو لے کر۔۔۔

کھیتوں میں نکل آئی، اگر میرا شوہر اور بیٹے تیری آبرو

کے لیے دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے تھے،

تو میں تیری خوشحالی اور سرسبزی کے لیے میدان میں نکل آتی تھی۔۔۔

”مصلح بیگ کا خط آیا کہ وہ محاذ پر جارا ہے، اور

اس کی گاڑی قصبے کے سٹیشن سے گزرے گی۔ اس نے مجھے

سٹیشن پر ملنے کے لیے کہا تھا۔ علیمہ نے گھر میں چولہا گرم

کیا، تاکہ وہ اپنے سپاہی دیور کے لیے کھانا لے جاسکے۔

”جب ہم سٹیشن پر پہنچیں تو سٹیشن ویران پڑا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد گاڑی کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ میں

اور علیمہ بھاگیں۔ مگر یہ فوج گاڑی نہ تھی۔ گاڑی آ

جاتی رہی، مگر وہ گاڑی

تھا۔ رات بیت گئی

کی آواز سنائی دی۔ یہ

پر نہر کی، میں نے۔

کو دیکھا، ماں۔۔۔ مار

میں اندھا دھند اس

جیسے میں اسے پکڑ ہی تو لوں گی، مگر مجھے ٹھوکر لگی اور

میں زمین پر منہ کے بل گر پڑی، علیمہ نے بھاگ کر مجھے

سہارا دیا، کھانے کی پوٹلی اس کے ہاتھوں سے گر چکی

تھی، اور ایک ہاتھ میں ایک فوجی ٹوپی تھی۔

”ماں۔۔۔ یہ ٹوپی مصلح تیرے لیے چھوڑ گیا ہے۔

میں نے ٹوپی کو اپنے سینے سے یوں لگا لیا تھا، جیسے وہ

میرا مصلح بیگ ہو۔

”ماں۔۔۔ دھرتی ماں۔۔۔ تو سن رہی ہے نا، میرا

شوہر، میرے دو بیٹے جنگ لڑ رہے تھے۔ دشمن کے

ناپاک قدم تیرے مقدس سینے سے اکھیرنے کے لیے،

اور پھر۔۔۔ میرے سب سے چھوٹے بیٹے نیک کو بھی

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

ستمبر

یقین ہے کہ میں زندہ واپس نہ لوٹ سکوں گا۔ میں اپنے ہم وطنوں، اپنی دھرتی ماں، اپنے وطن کی آبرو کے لیے، اس ساری خوبصورتی کے لیے اس موت کو قبول کرتا ہوں، جو میرے وطن میں ہے، جو میرے ہم وطنوں میں ہے۔ میں... میرے لیے آنسو نہ بہانا۔ میری قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، میرے وطن کے دشمن کو شکست ہوگی۔۔۔

اچھا ماں... الوداع... میرے گاؤں کی دھرتی ماں کو میرا سلام کہنا... میں اس کا اچھا بیٹا بننے کے لیے جان دے رہا ہوں... الوداع.....!

”اس وقت گاؤں کے بہت سارے لوگ میرے بیٹے کا خط سن رہے تھے، مگر کسی نے آنسو نہ بہائے، میرے بیٹے نے کہا تھا۔

بنتی تھی، مگر میں چپ سے منہ نہ پھیر سکتی تھی“

و بھری... اور بولی یوں کو کیسے بھول سکتی وطن کے لیے، اپنے

دشمن و بھوری، عزت اور آبرو کے لیے لڑا اور قربان ہو گیا.....“

”ماں... دھرتی ماں... جنگ ختم ہو گئی، میرا شوہر سیوان مارا گیا، میرے بیٹے قاسم، مصلح بیگ مارے گئے، اور نیک لاپتہ قرار دیا گیا۔ فاح سپاہی کوٹھنے لگے اور علیمہ انہیں دیکھ دیکھ کر قاسم کو یاد کرتی رہتی، جواب کبھی لوٹ کر واپس نہ آسکتا تھا۔ علیمہ... اب میری بہو نہ رہی تھی۔ وہ میری بہن، میری بیٹی، اور میری سہیلی بن چکی تھی۔ میں اس کو اداس دیکھ کر سوچا کرتی، یہ ابھی جوان ہے، ابھی اس کے دل میں ہزاروں امٹکیں ہیں۔ یہ زندگی کس طرح گزارے گی۔ اس کے میکے والے اسے لینے کے لیے

گہری، اونچی اور وسیع ہوں، مگر لوگ.... تو لگتا ہی تھا، دشمن دھرتی کی آواز بھی نہیں سنتا۔ وہ مظلوم کو مارنے کے لیے، زمین ہتھیانے کے لیے ہر ظلم روا رکھتا ہے۔ اور جب... مظلوم اپنی ماں کی حفاظت کے لیے اٹھتا ہے.... تو پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے....“

چند لمحوں کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔ تو لگتا ہی پھر آہستہ آہستہ بولنے لگی:

”دھرتی ماں، جنگ لگے، تین سال ہو گئے۔ سیوان اور قاسم جنگ میں کام آئے... مگر مصلح بیگ اور نیک بھی زندہ تھے۔ اور پھر... مصلح بیگ کا خط آیا، دھرتی ماں وہ خط آج بھی میرے گھر میں ہے میرے بیٹے نے لکھا تھا:

”بہت ہی پیاری لے تو تم مجھ پر فخر کرو گی چھ بیٹے، تم اس روش موڑنے پر کس طرح رضہ دے، اور تمہیں مجھ سے یہ... میں اس وقت اس کا یاد ہماری تازہ بخیر“

اب دے... ماں، یہ جنگ ہم نے نہیں شروع کی، مادر وطن کے تحفظ کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اگر ہم نے ان کو اپنے وطن سے باہر نہ نکالا تو ہم انسان کہلانے جتنی دار نہیں ہیں۔ ماں تو جانتی ہے کہ میں استاد بننا تا تھا۔ مگر اس وقت میرے ہاتھوں میں چاک اور کے بجائے بندوق ہے۔ میں ایک بچے کو بھی سبق بن دے سکا ہوں۔ مگر مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے وطن کے لیے کام کر رہا ہوں اپنے وطن کے دشمنوں سے لڑ رہا ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میں اپنے وطن کی آبرو نے کے لیے ایک اہم مشن پر روانہ ہو رہا ہوں مجھے

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

نے ہمسائی عائشہ کے بیٹے بیگ کو جھگایا گھوڑا گاڑی تیار کی، اور اس میں علیمہ کو لاد کر ہسپتال کی طرف چل پڑے۔  
 ”راستہ کیچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ رات سیاہ تھی اور ہسپتال بہت دور، دریا کے اس پار تھا۔ علیمہ جان کنی کے عذاب میں مبتلا تھی۔ ایک بار وہ چوٹی میں مر رہی ہوں... میں مر رہی ہوں... خدا کے لیے گاڑی روکو...“  
 ”میں نے اسے کمزور بازوؤں میں اٹھایا، بیگ نے سہارا دیا۔ اور اسے سڑک کے کنارے گہری تاریکی میں لٹا دیا۔ علیمہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے منہ سے نکل رہے تھے۔“ ماں.....  
 تیرا شکریہ... ٹو... مجھے معاف کر دینا... اودہ....

آئے تو اس نے کہا ”میں اپنی ماں کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی....“  
 ”نہیں مہینے گزر گئے، اور علیمہ کو چپ لگ گئی۔ وہ پہرہ ل اکھلی بیٹھی رہتی... میری ہمسائی عائشہ نے مجھے بتایا کہ علیمہ لٹ چکی ہے... ایک دھوکے باز گڈریس نے اسے پھسلا لیا تھا۔ اور اب علیمہ کو علم ہوا ہے کہ وہ گڈریا دھوکے باز اور شادی شدہ تھا۔ میں علیمہ کی حالت کو سمجھ گئی۔ گڈریس نے بے وفائی نے اس کے دل میں قاسم کی محبت کو اور زیادہ بھڑکادیا تھا۔ میں سوچتی.... وہ اگر گناہ گار ہے تو میں اس کی ماں ہوں... مگر ندامت نے علیمہ کے لبوں پر قفل لگا دیئے.... اور ایک دن وہ اپنی چپ چاب اپنے میکے چلی گئی....“  
 ”علیمہ کے جانے“

## وقار عظیم

## پاکستانی پولیٹ ڈاٹ کام

بچے کو جنم دیا، سچے کی دم گیا.... گاڑی کی از.... ماں.... چاروں بچے میں ایک انسان مر گیا ت اور زندگی کا یہ تصادم

کیا ہوتی ہے۔ میں اس ہفتوں کے بعد میرے میں سوار ہو کر علیمہ میں ہی تھی کہ میں نے بے میں نے لاری رکوائی ا

.... میں سے دن میں سوچا تھا.... میں جیتوں گی.... اس کے لیے.... اس ننھے کے لیے.... زندگی کبھی نہیں مرقی.... زندگی کبھی نہیں مرے گی، اور مادرِ وطن کی حفاظت کے لیے.... ہر دور میں جیائے میٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ”جب ہم گاؤں کی طرف لوٹے، تو برف گرنے لگی تھی، ہر چیز سپید ہو رہی تھی، علیمہ کا مردہ اور سپید ہرے والا سر گاڑی کے دھچکوں سے مل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ جیسے وہ — برف باری کے اس منظر کو آخری بار دیکھ رہی ہو۔“

”دھرتی ماں.... تو بھی ماں ہے، اور میں بھی ہوں.... میرے بیٹے تیری عزت اور تیری آبرو پر قربان ہو گئے،

ہم دونوں ایک دوسرے سے ساتھ پیٹ ہیں۔ ایسا دوسرے کو چومنے لگیں، ہم ایک ساتھ آنسو بہا رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ماں.... میں آگئی.... ماں مجھے معاف کر دو، میں تمہیں چھوڑ کر کبھی نہ جاؤں گی، ماں....  
 ہم دونوں گاؤں لوٹ آئیں....

”علیمہ کے پیٹ میں گڈریس کا بچہ تھا۔ علیمہ میری بہو نہ تھی.... وہ میری سہیلی اور بیٹی تھی۔ میں ہر وقت تیار رہتی.... میں جانتی تھی کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اور پھر وہ رات آگئی، جس کے اندھیروں نے ایک ماں کو نگل لیا۔ علیمہ کراہ رہی تھی۔ اس کی حالت بہت نازک تھی۔ اس کو سنبھالنا میرے بس کی بات نہ رہی تھی میں

آسمان پر پانی سے لدے ہوئے بادل ساری دنیا پر  
برستے ہیں، شاید یہ بادل... اور بارش کے قطرے لوگوں  
کو یہ کہانی سنا دیں، دھرتی ماں... تو ہم سب کی ماں  
ہے، تو سب کو یہ کہانی سنا دے...

”تو لگنائی...“ دھرتی ماں نے اسے پیار سے بلایا  
”تو انسان ہے۔ تیری آواز میں جو تاثر ہے، وہ کسی  
کے لبس میں نہیں... تو ہر چیز سے برتر اور بلند ہے،  
تیری آواز سب تک پہنچ جائے گی... تو ہی اپنے پوتے  
کو یہ داستان سنا... مگر تو اسے کیا بتائے گی؟“

”دھرتی ماں... میں اسے بتاؤں گی کہ وہ کسان ہے  
... زمین کا بیٹا... اور اس کو میں نے اس لیے پالا ہے کہ  
اس کے سینے پر فصل اُٹا  
دشمن — اپنے ناپاک قدم  
ش کرے، تو دشمن سے  
لح اور نیک کی طرح اپنی  
ے سامنے ہتھیار نہ پھینکے  
روہ صرف کسان... اور  
یہ دھرتی ماں چپ رہی...“

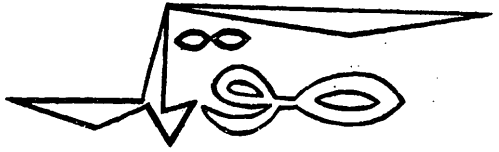
پھیلی ہوئی، وسیع و عریض دھرتی ماں... مادر وطن سوچ  
رہی تھی، جب تک تو لگنائی ایسی مائیں جنم لیتی رہیں گی...  
اس کے سینے پر دشمن کبھی اپنے قدم نہ جاسکے گا...  
گہری خاموشی... جیسے دونوں مائیں ایک دوسرے  
کے دلوں کے سب راز جانتی ہوں...  
”تو لگنائی کیا تو جوار ہی ہے...“  
”ماں دھرتی ماں... میں آج بھی نہ کھو اس کا منصب  
اور فرض بتاؤں گی... اگر میں زندہ رہی تو پھر آؤں گی...  
الوداع دھرتی ماں...“  
”الوداع... تو لگنائی... الوداع ماں...“!!

میں نے ننھے کو اپنی امیدوں کا مرکز بنالیا۔ وہ اگر بیمار  
ہوتا تو میں یوں محسوس کرتی، جیسے عظیم ایک بار پھر مر رہی  
و سنیاں، قاسم، مصطفیٰ، اور نیک... پھر بنگ پر جا رہے ہوں...  
”جس دن اس نے پہلی بار اپنی توکل زبان میں مجھے  
ادی کہا تو میں نے یوں محسوس کیا، جیسے زندگی کا سارا  
بن، ساری مٹھاس، میرے کانوں میں اٹھیل دی گئی ہو...  
”اب وہ بڑا ہو چکا ہے۔ وہ کچھ نہیں جانتا کہ اس  
ابا پ کون ہے۔ اس کی ماں کون ہے۔ وہ مجھے دادی  
منا ہے... وہ تیری کوکھ سے اناج حاصل کرتا ہے۔ کل  
س نے اپنی زندگی میں پہلی بار فصل کاٹی تھی، نئی فصل۔  
ماؤں کے لوگ مجھے کھیتوں میں لے گئے تھے۔ مجھ بڑھی کی  
نکھوں سے آنسو بہنے لگا...  
و شبو سے کھیت بہنے  
ور ننھے نے تازہ اور  
در پہلا ٹکڑا میری طرف  
”دادی کھاؤ...“  
”میں نے روٹی کا کھا  
لاؤتیں میرے منہ میں گئے

روطن پر جان دینے والوں کے خون کی مہک پچی ہوئی  
نی سینکڑوں انسانوں کے ہاتھوں کی مہک... ان گنت  
سانوں کے خون کی خوشبو... میرے دل سے آواز نکلی تھی  
... روٹی... اور محنت امر ہیں اور دھرتی ماں لاف زوال  
ہے۔ دھرتی ماں... فصل کٹ چکی ہے... اب تو ٹھکن اتار  
ہی ہے۔ ایک میں ہوں، ایک تم ہو... دو مائیں...  
مرتی ماں ننھا بھی تیرا بیٹا ہے۔ میں ننھے انسان کی کہانی  
اری دنیا کے لوگوں کو سنانا چاہتی ہوں... مگر میری  
بان رک جاتی ہے۔ شاید سورج جو آسمان پر چمکتا اور  
اری دنیا کا چکر لگاتا ہے، وہ یہ کہانی سب کو سنا دے۔

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشنگ ڈاٹ کام



چاکر خان بلوچ

وہ مسلمانوں کی توانا اور صحت مند قدروں کے فنا ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کی نظم 'جواب شکوہ' میں بھی نوے کا سد تک ملتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ غالب کا نوہم انفرادی اور ذاتی نوعیت کا ہے اور حالی اور اقبال کی عیت کی طرف لے

اکی یاد میں 'انفرادی اور

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

ملتی ہیں۔ ان میں سے رحوم کے ذکر میں اس کے

نہ پر ذکر ضمناً ہوتا ہے  
وہ سرورہ اوجین سسروروم یا سرورہ لی خوبیاں بیان کرنا اور  
اس کی موت پر اپنے جذبہ الم کا اخلاص اور سادگی سے اظہار  
کرنا ہوتا ہے۔ بلوچی زبان میں نوے کو 'گھڑنگ' کہا جاتا ہے  
موت تک اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی عزیز یا بزرگ طبعی  
موت مرتا ہے۔ موت کی خبر سن کر خواہین وفات والے  
گھر چلی جاتی ہیں۔ ان کا لباس اس وقت اتھی ہوتا ہے وہ  
مرنے والے کے گھر آکر ایک دامن میں بیٹھ جاتی ہیں۔ گھروالی  
عورتیں دائرے کے درمیان بیٹھ جاتی ہیں اور نوے سے پڑھتی ہیں۔  
نوے میں عام طور پر مرنے والے کی خوبیاں بیان ہوتی  
ہیں۔ اس کے گھر کی، ہتھیاروں یعنی بندوق، نیزہ، تلوار، کمان  
اور تیروں کی تعریف کی جاتی ہے۔ موت تک میں اس کے

جب ہمیں زندگی ملتی ہے تو ہم خوشی کے جذبات کا  
اظہار کرتے ہیں اور جب ہمارا واسطہ فنا کی عیاں حقیقت سے  
پڑتا ہے تو ہماری آنکھوں سے کرب جھانکتا ہے۔ یہی کرب  
آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک پڑتا ہے اور کبھی الفاظ میں  
مشکل ہو کر ہمارے المناک

نہاں خانہ دل کی یہ کیفیتیں  
لیتی ہیں تو ہم انہیں نوے۔  
نوہم ایک صنف سخن  
میں بھی ملتا ہے۔ اگر ہم یونانی  
کے قدیم ادب میں نوہم خوا

شعرا نے اپنے عزیزوں، بزرگوں اور بہادروں کی سب پر  
نظم کی صورت میں اظہار غم کیا ہے۔ یہاں تک کہ یونانی شعرا  
نے نوہم شعروں کی تباہی، فوجوں کی مشکلات، زندگی کی توانا  
قدروں کے زوال اور معاشرے کی روحانی موت پر بھی نوے  
کہے ہیں۔ جدید ادب میں گوئسٹ کے نوے ایک اقبازی  
حیثیت رکھتے ہیں۔ انگریزی شعرا نے بھی اپنے عزیزوں  
اور بزرگوں کی موت پر نوے لکھے ہیں۔ ان میں شیلے، بروننگ  
آرنلڈ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اردو ادب میں عارف کی موت  
پر غالب کا مرثیہ باقاعدہ اور علیحدہ ادبی حیثیت رکھتا ہے۔  
مولانا حالی کی 'مسدس حالی' میں بھی کہیں کہیں نوے کی کیفیت  
ملتی ہے۔ یہ کیفیت اس وقت زیادہ اجاگر ہوتی ہے جب

ہیں پُرہیبت پہاڑ کا نسب رہے ہیں۔ سات دریاؤں کے پانی میں طہیانی ہے جس سے سمندر غضبناک طوفان کی زوئیں ہے درخت انتہائی مایوسی میں سر جھکائے کھڑے ہیں چٹانوں پر دیوانگی کا عالم طاری ہے۔ شاہی محل کے لنگر سے گر گئے ہیں اور سچی کے قلعے کی چاروں یوایں گر کر تباہ ہو چکی ہیں۔

نوحہ گردو — امیر چاکر خان رند کی المناک موت پر بلند آہنگ نوحے پڑھو۔ ہمارا سردار فراخ دلی اور فیاضی میں دریائے سندھ تھا۔ وہ انساؤنٹمنڈ تھا کہ بچھ سے ہوتے سمندر کو سکون ہے مہانوں کو بھنے ہوتے اچھ نہ کھلاتا تھا اور ان سے دھلوا یا کرتا تھا۔ بھے ذبح کرتا تھا تو دوہتے تھے۔ اس کے خوبصورت بھی خالی نہیں ہوتے

بھے اور اس کے پاؤں ساری عمر برفیافت گھڑوں کی کالوں میں رہے تھے جیفت! صد جیفت!! ہمارا سردار قبائلی لڑائی میں نہرا۔

بلوچوں میں نوحہ سالو بہت مشہور ہے جو بلوچ اعظم چاکر خان کے جیسے میر ریحان خان سے منسوب ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ نوحہ اپنی محبوبہ کی موت پر کہا تھا۔ نوحہ سالو اسلوب اور پیرایہ بیان کے لحاظ سے نہایت پاکیزہ جذبات کا مظہر ہے۔ البتہ لطیفاتی مسائل میں اجل پر قریباً مر زبان میں شعر آنے طبع آزمائی کی ہے اور طرح طرح کے پہلو پیدا کیے ہیں، لیکن اس نوحے میں کیفیتِ غم و اندوہ کو نہایت سادگی اور خلوص سے پیش کیا گیا ہے۔ جسے پڑھتے ہوئے

کارناموں، مہمنوں، صحبتوں اور محفلوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اگر اس کی کسی سے محبت یا عداوت تھی تو اس کا بھی ذکر ہو گا۔ اس کی بہادری، جواں بہتی اور شجاعت کو خراج عقیدت پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ فیاض تھا تو اس کی فیاضی بھی ریحٹ لائی جائے گی۔ بلوچ معاشرے میں عام طور پر مرد کی صوت میں موت کا آغاز بلوچوں کے مشہور بہادروں میر چاکر خان اور بی برگ کے کارناموں سے شروع ہوتا ہے۔

اگر کوئی خاتون مر جائے تو اس صورت میں مرحومہ کے گھر ملو امور کا ذکر ہو گا۔ اس کے گھر چلانے اور اس کی انتظامی صلاحیتوں کی تعریف کی جائے گی۔ اس کی سادگی اور خوبصورتی کو خراج تحسین پیش کیا جائے گا اور اگر مرحومہ کی اولاد نہ رہے ہو تو اس

قبیلہ کو شیر ایسے بیٹے و نوجوان اور دوشہ اور خوش مزاجی کی تعریف کی معصومیت کا اچھے بلوچ شاعر جو کچھ

میں کہتا ہے۔ بے ساختہ تین چوبی ساعری کی ایسی چوبی ہے جو ہمیں موتک میں واضح ملتی ہے۔ موتک کے مطالعے سے متعلق فرد کا کردار اور اس کی شخصیت نظروں میں گھوم جاتی ہے اور اس مخصوص فرد کا مقام تعین کرنے میں ذرا سی بھی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلوچی نوحے کی مثال واضح لگتی ہے کہ یہ صنعت سخن کتنی دلاویز اور جواں پیر درج ذیل و حہ بلوچوں کے سردار اعظم چاکر خان کی موت پر کہا گیا تھا۔ سردار کی موت کی ہوشربا خبر سن کر زمانے کے

سینے میں ایک ہولک اٹھی ہے۔ زمین کا نسب رہی ہے اور فلک دکھتا ہوا انکارہ بن گیا ہے اور اس انکارے سے آنکھیں قطرے ٹپک رہے ہیں

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام





دیاجاتا ہے۔

پھولوں کو رحم آتا ہے!  
ایک بسا در آدمی کی موت پر جس طرح نوحہ کر گیا اور اس کے پسہ انداز میں جس انداز میں اظہارِ ہمدردی کیا گیا ہے وہ درج ذیل نوے سے واضح ہو گا۔ مرنے والے کی ماں سے یوں ہمدردی کی جاتی ہے۔

اے نورانیدہ و نوحیز بلوچ فرزند!  
تیرا عظیم باپ میلان کا دراز میں تلواروں کی تندر ہو گیا۔  
تجھے یہ خوش خبری ساری قوم کے ساتھ مبارک ہو۔  
گویا بلوچ معاشرے میں مبارخ آرائی سے کام نہیں لیا جاتا۔ اپنے احساسات کا اظہار نہایت صاف و ستھرے انداز میں ہوتا ہے۔ بلوچ شاعری کا بنیادی عنصر غلوص اور سادگی ہے اور یہی غلوص آپ کو بلوچ شاعری کی تمام تر اصناف میں ملے گا۔ کتبہ بلوچ ایک عام چر داما تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ اس کے ساتھی کی بھیڑ میں ٹانگ کر لیے جا رہے ہیں۔ وہ آگے بڑھنا نہ ڈاکوؤں سے اپنے ساتھی کا سامنے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کی نے کچھ اس طرح ہدیہ تبریک

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

دل ہوں تمہاری ماں کی لوریاں۔  
تو زندہ ہے تیری شہرت  
پہنچی ہے تمہارے نام پر شہزادی  
سہ لگانا خیر جھٹتے ہیں۔ اور حاکمانِ وقت تمہارا نام  
فخر و اقلان کے ساتھ لیتے ہیں۔

\*\*\*\*\*

اے پاک دامن و با عصمت!  
پیکرِ ننگ و نا  
تیرا ساگ تیر  
تیرا عظیم ساتھی  
تو اپنے بندے  
دوسرے زیور  
اور اپنے موتی  
بسا در اور شجاعت سے دان سے پوچھے۔  
مستوفی کی والدہ اور اس کی رفیقہ حیات سے اظہار  
ہمدردی کرنے کے بعد اس کے کمسن بچے کو یوں دلاسا

انجینئرنگ یونیورسٹی یا کالج

عکرمہ ڈاک کی جو شاخ انجینئرنگ یونیورسٹی ڈھاکہ میں قائم ہے وہ احسان اللہ انجینئرنگ کالج کے یونیورسٹی نمک، بطحائے جانے کے سات سال بعد بھی لغافوں و عیزہ بد جو مہرین لگاتی ہے ان پر "انجینئرنگ کالج" کے الفاظ ہوتے ہیں۔ نہ صرف عکرمہ ڈاک بلکہ قومی تعمیر نو (بیورو آف نیشنل ریکونٹرکشن) کا ادارہ بھی انجینئرنگ یونیورسٹی کو "احسان اللہ انجینئرنگ کالج" قرار دیتا ہے اور محترم وائس چانسلر کو "پرنسپل" کہتا ہے۔

ایک نامہ جو قومی تعمیر نو کے ڈائریکٹر کی طرف سے حال ہی میں یونیورسٹی کو موصول ہوا اس پر تحریر تھا "پرنسپل احسان اللہ انجینئرنگ کالج۔"

(مارننگ نیوز ڈھاکہ، منیر الاسلام خانے پانگام)

# کاروان گزراں

چلتے چلتے دیکھتے دیکھتے، ایسی عذریہ سانس اٹھاتی ہیں۔  
میرے منہ آفریقہ ہوتی ہے، ابھرتا خیال ہوتا ہے، طبع لطیف ہوتا ہے، شفیق  
طنز ہوتا ہے، ذلہ کے اقتباسات اسی طرح بھی کہے گئے ہیں۔ اس عذرا  
کے تحتے قارئین کے پیسے ہوسے اقتباسات بھی ساتھ کیے جا سکتے  
ہیں جو اقتباس شائع ہو گا ان کا پانچ روپے معاوضہ دیا جائے گا۔

سے فارغ ہو کر تازہ ہوا پھیپھڑوں میں پہنچانے کے لیے آکسیجن  
میں سانس لیتے ہیں۔ (جنگ) شگفتہ سلطان۔ کراچی

## سلامتی کی دُعا

ایک ملک کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس دُعا سے شروع  
ہوتا ہے۔

یہاں یہ دُعا کیوں  
نالیوں ہے کہ  
ایک نگاہ ڈالتا  
ہے ملے ملے اٹھا  
اچھڑ ملے گزراواں۔

## دُعا عظیم

## پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

## یہ سوں ہے

بلدیہ کراچی کی ایک عمارت میں واقع ایک پیشاب خانہ  
ان دنوں عام دلچسپی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہ انفرم کے لیے مخصوص  
ہے۔ اس کے باوجود اس کے اندر لگے ہوئے ایک پاٹ کو خصوصی  
اہمیت دی گئی ہے۔ ایک حکم آویزاں کیا گیا ہے جس کے ذریعے  
تمام مزدورت مندوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ پاٹ صرف  
چیت آفیسر کے پی۔ اے کے استعمال کے لیے مخصوص  
ہے (مشدق)

جہاں آرا (ڈھاکہ)



## رئیس کورس میں عورتوں کی لڑائی

آج صبح کراچی رئیس کورس کے تاشائی دو عورتوں کی  
لڑائی سے خوب مغلوظ ہوئے۔ یہ عورتیں جن کے نام شکیلہ اور  
نسرین ہیں، یکایک آپس میں گتھم گتھا ہو گئی تھیں۔ دونوں ایک  
دوسری کو ہچھاڑنے کے لیے کچھ جبر تک  
لیکن جب ان میں سے کسی ایک کو بھی  
ہوتی تو دونوں عورتوں نے گھونسنے ا  
کر دیں۔ ایک دوسری کی چوٹیاں کھینچ  
لگا کر دونوں نے دھاڑیں مار مار کر  
اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک دوسری  
اور گالیاں بکے کا سلسلہ بھی جاری تھ

نے دونوں عورتوں کو الگ کر دیا۔ فزیر پولیس نے اس سلسلے  
میں دفعہ ۲۳ کے تحت رپورٹ درج کر لی ہے۔ پولیس  
کی اطلاع کے مطابق جھگڑے کی وجہ یہ تھی کہ نسرین نے  
شکیلہ کو اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا جس پر  
وہ مشتعل ہو گئی تھی۔ (جنگ)

خدیجہ عزیز۔ کراچی

## مزدور کے لیے تازہ ہوا

ٹوکہ میں مزدوروں اور عام کارکنوں کے لیے آکسیجن  
کی مشینیں لگائی گئی ہیں جن میں ۱۲ سینٹ ڈال کر لوگ کراکراج



مستقل اہمیت کے حامل محقر مگر جامع مضامین اور کہانیاں

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

لانا

محض سکین کیا گیا ہے۔ ہم آپ کو ہر مہینہ دو نیاں اور فلک کے سرسبز راز بتا سکیں۔ سٹیا و آجسٹ میں آپ کو مفت افلاک کی رقصوں اور کرہ ارض کے کونوں کھدروں کے معلوماتی مضامین رنگارنگ کہانیاں، چرند و پرند اور درندوں تک کی داستانیں اپنے ماسٹر کی وار داتیں آپ کی آنکھیں آپ بیتیاں اور شہیدوں اور غازیوں کے ولولہ انگیز کارنامے ملیں گے۔ لیکن ہی نہیں کہ اس مختلف النوع تحریروں میں آپ کو اپنے ذوق کو تسکین کا سامان ملے۔

ایک پرچے کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے لیکن مستقل حشر یہ اروں کو

**خصوصی رعایت** پیش کرتے ہیں۔ یعنی پندرہ روپے سالانہ — آرڈر کارڈ (جو آپ

کو ای شمارے ہیں الگ چسپاں کیا ہوا ملے گا) پر کر کے بھیج دیں۔ ہم پہلا پرچہ دوسرے پرچے کر دیں گے۔ انہی پندرہ روپوں میں آپ کو دو خصوصی ایڈیشن، سالانہ (دو گنی ضمانت) اور جب و نمبر (ڈیڑھ گنا ضمانت)

— **مفت** ملیں گے —

# یقین محکم، عمل پیہم

مت از احمد

کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔ سکول کا ماحول مجھے بڑا اجنبی سا لگا۔ پانچویں جماعت کا جب نتیجہ نکلا تو میں دو مضامین میں فیصلہ ٹھالیکین اگلی جماعت میں ترقی دے دی گئی تھی۔ جب والد صاحب

نٹ اور مارٹری لیکن

وقت کے امتحان میں

پھر مجھے اگلی جماعت

ن میں پھر ایک مضمون

کے غصے کا کوئی ٹھکانہ

بڑے کہنے کا بوجھ ان

سے برسوں پر ص۔ ان سی ساری امیدیں مجھ سے وابستہ تھیں

اور میں ہر سال فیل ہو رہا تھا۔

آٹھویں جماعت کے نتیجے کے بعد میری زندگی یکسر

بدل گئی جب اس جماعت کا نتیجہ نکلا تو میں نہ صرف سارے

مضامین میں پاس تھا بلکہ اپنی جماعت میں میری پوزیشن

تیسری تھی۔ ایسا کیوں کر ہوا، میری سمجھ میں آج تک نہ آسکا۔

لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو میں وہ نہ ہوتا جو آج ہوں۔ اس بہتر

نتیجے کے بعد میں بڑی محنت سے پڑھنے لگا۔ نویں جماعت

کے امتحان میں میری پوزیشن دوسری تھی۔

سید پور، جہاں کے مقامی بانی سکول میں، میں تعلیم

حاصل کر رہا تھا، مزدوروں کا شہر ہے۔ یہاں کی آبادی تقریباً

سردیوں کی ایک ٹھنڈی ہوئی صبح تھی۔ میں چند کتابیں اور کاپیاں بغل میں دلبے کا پتہ چلا جا رہا تھا۔ مدرسے کی چھت کے نیچے فرش پر بیٹھ کر کچھ سکون نصیب ہوا لیکن

سرد ہوا میں ہانسی کی چٹائی

میرے جسم پر پڑ رہی تھیں،

مجھے اپنی جگہ پر کانپتے ہوئے

قریب بلایا۔ اور بڑی شفقت

پاس کوئی گرم کپڑا نہیں ہے

انہوں نے میرے والد صاحب

بتایا کہ وہ ریلوے کے مقامی

روپے ماہوار تنخواہ پاتے ہیں اور گھر میں کل سات افراد ہیں۔

یہ سب سن کر مولوی صاحب افسردہ سے ہو گئے تھے انہوں

نے اپنا مثال مجھے دے کر کہا "جاؤ سبق یاد کرو" میں پھوٹ

پھوٹ کر رو پڑا اور بڑی دیر تک روتا رہا۔ پھر میں نے

مثال مولوی صاحب کو واپس کر دیا اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔

مولوی صاحب نے بڑے تعجب سے میری طرف دیکھا تھا۔

زندگی رنگیتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ میں نے مقامی

بانی سکول کی پانچویں جماعت میں داخلہ لے لیا تھا۔ مدرسے میں

تعلیم پانے والوں میں، میں واحد لڑکا تھا جس نے مقامی

بانی سکول میں داخلہ لیا تھا ورنہ سب نے اس کے بعد اپنی تعلیم

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

چُر سکون جگہ تھی۔ یہاں درکشاپ کے افسروں کے تھے۔ مزدوروں کی بستیوں اور اس کالونی میں بڑا تغیر نظر آتا۔ میں سوچتا مجھے محنت سے پڑھنا چاہیے کہ ایک میں بھی ان بنگلوں میں آسکوں اور والد صاحب کے سے نہایت ملے پھر ساری باتیں ایک حسین خواب لگیں لیکن خواب دیکھنے میں بڑا مزا آتا۔ میں اپنے نیم تار کیے۔ کوارٹیں واپس آکر پھر اپنی پڑھائی میں ڈوب جاتا۔

ایک سال اور گزر گیا۔ ہمارا میٹرک کا امتحان ہوا۔ نتیجہ بڑا شاندار تھا۔ بڑے اچھے نمبروں سے فیسٹ وٹرنل میں کامیاب ہوا تھا۔ دو مضامین میں امتیازی نمبر تھے۔ ہم

بمقام حاصل کرنا ایک مسئلہ تھا۔ نئی کہ میں انجینئر بنوں۔ لیکن ریٹ سائنس کا امتحان پاس کرنا میں ایک کالج قائم ہو چکا تھا۔ تعلیم دی جاتی تھی۔ بڑے غور و خوض فیصلہ کیا کہ میں ڈھاکہ چلا جاؤں

وہاں ایک دو مہینے تلاش کروں۔ کچھ روپے والد صاحب کسی نہ کسی طرح روانہ کریں گے، اور اس طرح میں اپنی تعلیم جاری رکھوں۔ چنانچہ میں ڈھاکہ چلا آیا اور یہاں کے گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔ لیکن ہزاروں کوششوں کے باوجود مجھے کوئی ٹیوشن نہ مل سکی۔ انجانا شہر، صرف میٹرک تک تعلیم ہر طرف سے ٹکا سا جواب ملتا۔ والد صاحب چند مہینے تک قرض لے کر روپے بھیجتے رہے۔ پھر وہ بھی بے بس ہو گئے۔ میں کئی مہینوں کی کالج کی فیس نہ دے سکا۔ ہوشیار بھی مقروض ہو چلا تھا۔ غرض جب ناامیدی کا عالم تھا، ایک دن میں نے بڑی بے دلی سے سوچا کہ اعلیٰ تعلیم مجھے کلرک کے لٹکے کے بس کا کام نہیں۔ مجھے کوئی نوکری تلاش

۴۰ ہزار ہے۔ اس آبادی کا کثیر حصہ مقامی ریلوے کے کاخانے میں مزدوری کرتا ہے۔ ایک قلیل آمدنی کا مزدور کس طرح اپنے کنبے کا پیٹ بھرتا ہوگا یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے۔ ایسے میں تعلیم کا کون خیال کرتا ہے؟ ان مزدوروں کے لڑکے یا تو شروع ہی سے تعلیم سے بے بہرہ رہتے ہیں یا اگر تعلیم حاصل کرتے ہیں تو ساتویں اور آٹھویں جماعت سے آگے نہیں پڑھ پاتے۔ کلرکوں کا طبقہ بھی بڑی قلیل تنخواہ پاتا ہے لیکن چونکہ یہ لوگ تعلیم کی حقیقت سے آشنا ہیں اس لیے کسی نہ کسی طرح اپنے لڑکوں کو تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کے لڑکے بھی مالی وجوہ کے بنا پر میٹرک سے آگے نہیں پڑھ پاتے۔ ایسے

ماحول میں اعلیٰ تعلیم مزدوروں میں زندگی گزارنے سے نکلتا ہوا دھ ساڑھے چھ بج کا سے نکل پڑتے۔

## وقار عظیم

## پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

لڑکے بھی گھروں سے نکل آئے مزدوروں کا ایک سیلاب ریلوے ورکشاپ کی طرف بڑھتا دکھائی دیتا۔ ہم لڑکے بھی ان کے درمیان غصہ و خاشاک کی طرح آگے بڑھتے چلے جاتے۔ بسات نیچے ورکشاپ کا آخری سائرن بجتا اور سڑکیں خالی ہو جاتیں۔ مزدوروں کا یہ حجم غفیر اس ورکشاپ میں کیسے سما جاتا یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہ آتی۔ دوپہر کو جب ہمیں سکول سے چھٹی ہوتی تو ان مزدوروں کو کھانے کے لیے ایک گھنٹے کی چھٹی ملتی۔ چیموٹیوں کی طرح مزدور ورکشاپ سے باہر نکلتے اور ہمیں گھر جاتے ہوئے ہر طرف اداس پریشان چہرے ملتے۔

شام کو میں آفیسر کالونی کی طرف جا نکلتا۔ یہ بڑی

گزر چکا تھا اور میں ایک بھی سوال حل نہ کر پا رہا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے میں اس سوال کو چھوڑ کر دوسرے سوالوں کو حل کرنے لگا۔ لیکن میں کچھ اتنا پریشان ہو چکا تھا کہ اور وقت اتنا گزر چکا تھا کہ نفعیہ تمام سوالوں کو حل نہ کر سکا جو حل کیا وہ بھی صحیح نہ تھا۔ ٹیسٹ کا نتیجہ نکلا۔ میرا نام کامیاب امیدواروں میں نہیں تھا۔

عجب بے بسی کا زمانہ تھا۔ مجھے اپنا نایک مستقل سامنے نظر آ رہا تھا۔

ایسے میں کسی نے بتایا کہ ابھی لاہور کی انجینیئرنگ یونیورسٹی میں داخلے باقی ہیں۔ میں نے درخواست دے دی۔ ڈھاکہ میں میرا ٹیسٹ ہوا۔ اس ٹیسٹ میں، میں بڑے اچھے باکرہ تعلیم حاصل کرنا ممکن لاہور جا کر ٹیوشن اس دوران میں حکومت بل بندوستان سے

دقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

ٹیوشن مل گئی۔ ٹیوشن

میں نے اس دوران میں اس کا اندازہ لوگ بخوبی کر پا میں گے۔ مزید ٹیوشن کرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ اس ایک ٹیوشن سے چالیس روپے کی رقم ملتی کچھ روپے والد صاحب قرض لے کر بھیجتے۔ بڑی تنگ دستی سے گزارا ہوتا۔ اس دوران میں بڑی کوششوں سے مشرقی پاکستان کے محکمہ تعلیم میرے نام وظیفہ کا اعلان کیا لیکن فنڈ کی کمی کی وجہ سے صرف تین سال کے لیے وظیفہ کا اعلان ہوا حالانکہ انجینیئرنگ کا کورس چار سالہ ہے۔ میں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ جب اتنے سال گزر چکے ہیں تو آخری سال بھی کسی نہ کسی طرح گزر جائے گا۔

آخری سال وظیفہ بند ہو گیا۔ میں نے پہلے ہی۔

کرتی چاہیئے۔ خوابوں کے حسین شیش محل ٹوٹ رہے تھے اور میں نے نوکری کی تلاش شروع کر دی۔

ایک دن کالج گیا تو پتہ چلا کہ حکومت نے میٹرک امتحانی نمبروں میں پاس کرنے والوں کو وظیفہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ تقریباً دو سو لاکھ کو وظیفہ ملے ہیں۔ میں نے دفتر میں جا کر جب فہرست دیکھی تو ان خوش قسمت لاکھوں میں میرا بھی نام تھا۔ حکومت نے ۵۴ روپے ماہوار اور ایک سو پچاس روپے سالانہ وظیفہ کا اعلان کیا تھا۔ ایسا لگا کہ جیسے خوشی سے میں پاگل ہو جاؤں گا۔ ہوشل اگر والد صاحب کو خط لکھا اور یہ خوشخبری سنائی۔ کالج کا پہلا سال ختم ہونے کو تھا اور امتحان قریب تھا۔ میں اب سارے تفکرات سے آزاد ہو کر پڑھائی میں لگ گیا۔ ۴۵ رو

تھی۔ میں روپے والد صاحب اور میں بڑی مشکل سے گزارا طرف سے پڑا امید تھا۔ حکومت میڈیٹ میں بھی اچھے نمبروں کی یہ رقم ۶۵ روپے ماہوار ملے گی۔

کالج کے دو سال دبے پاؤں گزر گئے۔ ہمارا فائنل امتحان ہوا۔ میں نے سارے مضامین اچھے کیے نتیجہ نکلا تو بڑے اچھے نمبروں سے فائنل ڈویژن میں کامیاب ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر مجھے اور میرے گھروالوں کو خوش ہونے کا موقع ملا۔

اب ڈھاکہ کی انجینیئرنگ یونیورسٹی میں داخلے کا مسئلہ تھا۔ اس کے لیے ایک ٹیسٹ میں کامیابی ضروری تھی ٹیسٹ کا دن آن پہنچا۔ امتحان کے کمرے میں، میں نے ایک ایسے سوال سے ابتدا کی جو خاصا مشکل تھا۔ وقت گزرنا جا رہا تھا۔ میں نے سامنے دیوار کی گھڑی پر نظر ڈالی تو نصف وقت

مدد کی توقع فضول تھی۔

امتحان میں صرف چار دن رہ گئے تو مجھ پر طیر یا کا حمل ہوا۔ بخار ایک سو پانچ ڈگری تک پہنچ گیا۔ میرے چند ساتھی یونیورسٹی کے ڈاکٹر کو بلا لائے۔ اس نے انجکشن لگایا، دوا دی۔ بخار کچھ کم ہوا۔ ابھی تک میں نے امتحان کی فیس جمع نہیں کی تھی۔ ایک موبوم سی امید باقی تھی۔ اسی کے سہارے دوسرے دن بخار بھی کی حالت میں لاہور چھاؤنی گیا۔ وہاں میرے ایک شناسا رہتے تھے جب میں ان سے ماتھ ملایا تو انہوں نے جلدی سے اپنا ماتھ پیچھے کھینچ لیا کیا بات ہے؟ تمہیں تو سخت بخار ہے؟ میں نے کہا ”ہاں لیکن اس وقت مجھے ایک سو دس

ٹیوشن کی تلاش شروع کر دی تھی جلد ہی گلبرگ کے علاقے میں سو روپے ماہوار پر دولٹو کوں کی ٹیوشن مل گئی۔ لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی باغبانپورہ میں ہے۔ باغبانپورے سے گلبرگ کا فاصلہ کسی طرح بھی آٹھ میل سے کم نہیں اور باغبانپورے سے گلبرگ تک بس کا آنے جانے کا کرایہ ۱۳ آنے بنتا ہے۔ میں اس رقم کو بچانے کے لیے پیدل گلبرگ جانا روزانہ سو میل چلنے کے بعد تھک کر چور ہو جاتا۔ لیکن پھر بھی رات گئے تک اپنی پڑھائی کرتا۔ فائنل امتحان میں ایک ماہ باقی تھا۔ میں نے جب اپنی سال بھر کی تیاری پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ تیاری تشریف بخش نہیں اور اگر میں ٹیوشن جاری رکھتا ہوں تو پاس ہونا ممکن نہیں۔ لیکن اگر ڈسٹنٹ ہو جاؤں تو پاس ہو

پورا ہوگا۔ جب شش دن یونیورسٹی کے کی ڈیوٹی سوسائٹی کے طور پر مجھے دیئے اپنی پڑھائی میں لگ لیکن ابھی دنا

وقار عظیم

پاکستانی پبلیشٹ ڈاٹ کام

دیئے پانچ روپے مزید دیئے سے جانا میرے لیے مناسب رہ نہیں سھولوں گا۔ قی تھا۔ بخار اتر چکا تھا۔ امتحان کا دن آپہنچا۔ سکا۔ باقی مضامین اچھے ہوئے۔ امتحان کا نتیجہ نکلا۔ میں بی ایس سی انجینئرنگ کا امتحان پاس کر چکا تھا۔

آج میں انجینئرموں۔ معقول تنخواہ پاتا ہوں مستقبل میں ترقی کے وضع امکانات ہیں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اپنی یہ آپ بیتی اس وقت لکھوں گا جب ترقی کی آخری منزل پر پہنچ جاؤں۔ پھر میں نے سوچا کہ میری زندگی تو مسلسل جدوجہد ہے۔ میں اپنی کس منزل کو آخری منزل کہوں گا۔

پڑا۔ امتحان کی فیس جو کہ ایک سو دس روپے تھی مجھے یونیورسٹی میں جمع کرنی تھی۔ اس رقم کا میں کسی طرح بھی انتظام نہ کر سکا۔ دن گزرتے چلے جا رہے تھے۔ اسی دوران میں مجھے اپنے ڈھاکہ کے ایک دوست کے خط سے پتہ چلا کہ والد صاحب ایک طویل عرصہ سے بیمار ہیں علاج ہو رہا ہے لیکن کوئی فائدہ نہیں۔ والد صاحب نے شاید اس لیے اس کی اطلاع مجھے نہ دی کہ کہیں میں پریشان ہو کر اپنی پڑھائی سے غافل نہ ہو جاؤں۔ ایسی صورت حال میں گھر سے کسی مالی



علم دولت سے بہتر ہے۔ علم تمہاری پاسبانی کرتا ہے اور دولت کی پاسبانی تمہیں کرنی پڑتی ہے۔ (علی رض)